

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد رازی سنہ ۱۰۰۵ھ

کے علوم و معارف پر مشتمل رسالہ مبارکہ کی پہلی اردو شرح

سعادت العباد

شرح

مبدأ و معاد



شرح

ابوالیمان پیر محمد سعید احمد رومی مدظلہ العالی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سمرقندی مدنی سید العزیز

کے علوم و معارف پر مشتمل رسالہ مبارکہ کی پہلی اردو شرح

سعادت العباد

شرح

مبدأ و معاد

جلد دوم

شاح

سراج العارفین شہار ظرقیت شاح مکتوبات امام ربانی

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی سید العزیز

ترتیب و تدوین

علامہ محمد بشارت علی مجددی

121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

پاکستان +92-55-3841160

نظم الاملا پبلیکیشنز



جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

بار اول 2007 تعداد 1,100

تصدیہ 300 روپے



ناشر
تنظیم الاسلام سٹی کیشرز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan
Ph # : +92-55-3841160, Fax # : +92-55-3731933

Website: tanzeemulislam.org

E-mail: info@tanzeemulislam.org

tanzeemulislam@yahoo.com



رَبِّنا اِنَّا جُنَّانٌ ذَمِينٌنا اَوْحَطَّنا اِنَّا رِبِيًّا وَاكْرَمٌ
عَلَيْنا اِنَّا اَصْرٌ كَمَحَلَّتْنا عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنا
رَبِّنا اِنَّا اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ
رَبِّنا اِنَّا اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ
اِنَّا اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ
اِنَّا اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ اَطْفَانٌ

رَبِّنا

تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
وَتُبَّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَنْكَ عَفْوٌ نَحْبُ الْعَفْوِ فَاغْفِرْ
يَا غَفُورُ يَا غَفُورُ يَا غَفُورُ

اغْفِرْ لِلدَّائِرِ الْمَلِكِ لَدَيْكَ مَا كَرِهَ اللّٰهُ

مُنِيحًا قَوْلًا وَفِعْلًا وَخَاطِرًا وَسِيمًا عَابِدًا ظَاهِرًا

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ



صَلَّى اللّٰهُ عَلَى جَسَدِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

الأهـلـاء

ہم اس تصنیف لطیف کو اپنے شیخ مکرم
سراج العارفین شہباز طرقت شارجہ مکتوبات الامم ربانی

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی

کے والدین کریمین

کی طرف منسوب کرتے ہیں

جن کی آغوش ولایت اور حسن تربیت کی بدولت

ادب و نیاز اور سوز و گداز کا پیکر جمیل

تشکیل پایا

حیدرآباد محمد رفیق احمد مجددی



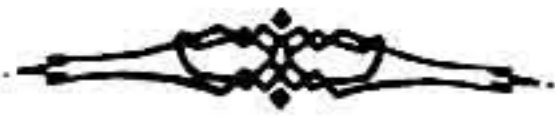
برہان ولایتِ محمدیہ ۶ مجتہد شریعتِ مصطفویہ

کاشف اسرارِ سبعِ مثانی ۶ عالمِ علومِ مقطعاتِ قرآنی

امامِ ربانی ، عارفِ حقیقی

قیومِ زمانہ

شیخ الاسلام و المسلمین ، آیت اللہ فی الارضین

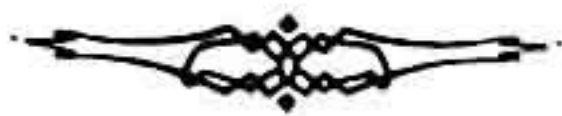


حضرت شیخ احمد فاروقی

حنفی ، ماتریدی ، نقشبندی ، سرسبزی

مجدد الفِ ثانی

اولیٰ . رحمانی



قدس سرسبز الشبہانی

فہرست

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	منہا - ۲۱	17	پیش لفظ
43	حق تعالیٰ دید و دانش سے وراء ہے		منہا - ۱۹
	عرفائے کاملین بے حجاب جلوہ یار سے		حق تعالیٰ اپنی موجودیت میں وجود کا
44	شاد کام ہوتے ہیں	19	محتاج نہیں
	منہا - ۲۲	21	معقولات کی دو قسمیں ہیں
45	حق تعالیٰ مقید کے آئینوں سے بالا ہے		منہا - ۲۰
47	وحدت الوجود..... وحدت الشہود	28	حق تعالیٰ وہم و تخیل سے وراء ہے
48	حضرت امام ربانی کا نظریہ توحید	29	رویت اور مشاہدہ میں فرق
	سا لکین مجدد یہ کیلئے چند فکر انگیز	30	وہم اور خیال میں فرق
49	گزارشات	31	وجوبی اور امکانی حجابات
50	متکلمین علماء بھی ہیں اور صوفیاء بھی	32	اصحاب حجب کی اقسام ثلاثہ
51	ہمیں فص نہیں نص چاہئے	33	حجابات کی سہ اقسام
	روز قیامت احکام شرعیہ کی بابت	35	وصل عریانی
52	باز پرس ہوگی	36	حق تعالیٰ اشیاء کائنات سے وراء ہے
	منہا - ۲۳		طریقت نقشبندیہ میں معرفت ذات
54	محفوظ اولیاء ہی ملائکہ سے افضل ہیں	37	کا تصور
56	حضرت امام ربانی کا مشاہدہ	39	عالم دنیا میں رویت باری تعالیٰ واقع نہیں
58	غم و الم..... بھی نعمت ہیں		عامۃ الناس کی عقول کیفیت رویت کے
58	اطاعت رسول ﷺ کے ثمرات	41	ادراک سے قاصر ہیں
	منہا - ۲۴		
60	صفات بشریہ سے مراد علل معنویہ ہیں		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	اہل اللہ میں کدورات بشریہ کا ظہور	61	صاحب فنائے نفس کو غیرت آتی ہے
96	باعث آزمائش ہوتا ہے	63	حدود شرعیہ کے نفاذ میں ترس کی ممانعت
98	لوگوں کی تین اقسام	64	بشریت مطہرہ
101	اہل اللہ کی خطا باعث عطا ہے	67	انا بشر مثلکم کی حکمت
104	ایک غلط فہمی کا ازالہ	68	مردہ بدست غسل
	منہا - ۲۵	69	شیخ کا عتاب باعث رحمت ہے
106	نسیان ماسویٰ راہ طریقت کی شرط ہے	70	حالت غضب میں حواس کا اعتدال
107	ماسویٰ اللہ کی دو اقسام	71	غصہ کا علاج
	علوم امکانی اور معارف وجودی	73	خواجہ احرار صاحب ثروت تھے۔
110	اجتماع ضدین نہیں	74	ہر قول پیغمبر حق ہے
	منہا - ۲۶	75	اکتب محمد ابن عبد اللہ
111	سالک کے عروجی مراتب اور نزولی مدارج	76	لا امحوک ابدأ
113	عارفین، مولا صفات ہوتے ہیں	77	امور اجتہادیہ میں اختلاف رائے
115	حق تعالیٰ کی تین سو ساٹھ صفات ہیں	78	کھانے کے آداب مسنونہ
115	تخلیق باخلاق اللہ کے مختلف معانی	81	اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرت
118	صفات ثمانیہ کی تین اقسام	83	تربیت اولاد کیلئے تین آداب
119	متحقق بحقائق اللہ کا مفہوم	85	تزوج و تجرید میں اختلاف صوفیاء
	منہا - ۲۷	86	اہل و عیال کے ساتھ موانست
	حضرت امام ربانی کا مقام رضا سے	88	سگ بچہ مردہ است
121	بہرہ اندوز ہونا	90	اہل اللہ میں لطافت کا غلبہ
124	دعا افضل ہے یا رضا افضل	91	اہل اللہ پر تنقید کی ممانعت
	منہا - ۲۸	93	ظاہر بین اور باطن بین
127	تقلید کا معنی و مفہوم	95	اہل اللہ کے ظاہر بین حراما نصیب ہیں

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
167	شیخ کیلئے بیعت لینے کے آداب و شرائط	128	تقلید کی اقسام
169	خلیفہ مقید... خلیفہ مطلق	130	تقلید شرعی کی اقسام ثلاثہ
170	حضرت مولانا جامی کا مختصر تعارف	131	مجتہدین کی اقسام
173	حضرت خواجہ یعقوب چرخنی کا مختصر تعارف	135	اجتہاد کا ثبوت
	منہا۔ ۳۰	136	امام اعظم فانی الصفت ہیں
176	یادداشت کی تفصیلات		آئمہ مجتہدین کا اپنے مقلدین کی
178	یادداشت اور یاد کرد میں فرق	137	اعانت کرنا
180	یادداشت کے تین معانی	139	مذہب اربعہ سے خروج گمراہی ہے
	منہا۔ ۳۱	140	تلفیق کی تفصیلات
	تکمیل سلوک کا انحصار مقامات عشرہ	141	مسائل متفقہ... مسائل مختلفہ
186	پر ہے	143	مقلد محقق کا تفرد
188	حضرت شیخ شبلی کا مختصر تعارف	144	علم کلام کا مختصر تعارف
	صوفیائے کاملین میں نقائص باقی	146	شاہق الجبل کے متعلق متکلمین کی آراء
192	رکھنے کی حکمتیں	147	حضرت امام ربانی کا امتیازی موقف
	منہا۔ ۳۲	149	حضرت امام اعظم کا مختصر تعارف
	حصول فیض کیلئے اہل اللہ کی نیاز مندی	151	حنفیوں کو جنت کا مژدہ
195	لازم ہے	155	حضرت امام مالک کا مختصر تعارف
198	اہل اللہ ہی حزب اللہ ہیں	157	حضرت امام احمد بن حنبل کا مختصر تعارف
	منہا۔ ۳۳	159	حضرت امام شافعی کا مختصر تعارف
	صورت بشریہ باطنی کمالات کی	161	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف
199	پردہ پوش ہے	163	حضرت خواجہ محمد پارسا کا مختصر تعارف
200	اہل اللہ کے بطون بیچون و بیچگون ہیں		منہا۔ ۲۹
		166	سالک کو خلافت مقید یہ دینے کا سبب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	دونوں اطاعتوں کے درمیان تفریق		منہا۔ ۳۴
233	کی ممانعت	202	بدعت کی تفصیلات
235	سنت کی برکات	204	حضرت امام ربانی اور امور بدعت
	منہا۔ ۳۷	208	تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات
236	محبت کی اقسام	211	بدعت حسنہ..... رافع سنت ہے
238	محبت ذاتیہ کے اعتبارات ثلاثہ	214	بدعت اعتقادی اور بدعت عملی
	مقام تکمیل میں محبت رسول غالب	216	فرقہ رافضیہ کی اقسام
240	ہوتی ہے	217	زبان رسالت سے روافض کی مذمت
	منہا۔ ۳۸	218	صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ
	شرافت علم معلوم کے مقام شرافت کے		بارگاہ رسالت ﷺ میں حضرت امام
243	مطابق ہے	219	ربانی کی قبولیت
244	علم ظاہر اور علم باطن		منہا۔ ۳۵
244	علم کے دو ظروف	220	مشابہات کی تاویل اور علماء کی آراء
245	علم معاملہ..... علم مکاشفہ	220	مفوضین اور مؤولین
247	علم نافع اور علم غیر نافع	222	حضرت امام ربانی کا موقف
248	علماء کے تین گروہ	224	کارکنان قضاء و قدر کون ہیں؟
249	شیخ کے حقوق تمام حقوق سے فوق ہیں		محکمت اور مشابہات کے متعلق حضرت
	منہا۔ ۳۹	225	امام ربانی کا موقف
254	عالم امر اور عالم خلق کی تعریفات		منہا۔ ۳۶
256	لطیفہ..... محل نور ہے	227	اتباع سنت، حصول محبوبیت کا ذریعہ ہے
258	لطیفہ روح، سر اور خفی کی تفصیلات	228	متابعت ظاہری..... متابعت باطنی
260	لطیفہ خفی، نفس اور قلبیہ کی تفصیلات	230	ریاضت و سنت کا فرق
261	جسم انسانی میں لطائف کی تعیین	232	اطاعت رسول ہی اطاعت خدا ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	منہا - ۴۱	262	لطیفہ جاری ہونے کا مطلب
290	صفت تکوین کی تفصیلات	264	موت کی تعریف اور اس کی قسمیں
293	صفت قدرت کی تفصیلات	265	موت اختیاری کی اقسام
297	قدرت کسی کا اجمالی تذکرہ		منہا - ۴۰
298	صفت ارادہ کی تفصیلات	269	معراج نبوی ﷺ جسمانی ہے
300	ارادہ کی دو قسمیں	270	اہل اللہ کا باطنی عروج
302	استطاعت مع الفعل حقیقت قدرت ہے	271	دونوں معراجوں میں فرق
303	استطاعت کی دو قسمیں	272	شیخ رفاہی کی روحانی پرواز
	منہا - ۴۲	272	شیخ بسطامی کی روحانی معراج
	رویت باری تعالیٰ دنیا میں واقع	274	کلام..... حقیقی صفت ہے
307	نہیں ہے	277	کلام لفظی..... کلام نفسی
311	کشف اور فراست کے درمیان امتیاز	278	قرآن کی تعریف
312	فراست کی اقسام ثلاثہ	279	کلام اللہ کے مراتب اربعہ
313	اہل معرفت کی فراست	280	کلام اللہ کے سات بطون
313	اہل ریاضت کی فراست	281	وجوبی مراتب..... امکانی مراتب
315	مناظرہ کی تعریف	283	قرآن، ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے
315	مناظرہ کی دو قسمیں	284	حقیقت قرآن مرتبہ نور سے بالا ہے
316	مناظرہ مذموم کی تفصیلات	286	قرآن غیر مخلوق ہے
319	مناظرہ محمود کا اجمالی تذکرہ	287	دارہ امکان
321	علم کلام کی تفصیلات	287	ازل کی تعریف
323	حضرت شیخ ماتریدی کا مختصر تعارف	288	ابد کی تعریفات ثلاثہ
326	اشاعرہ کی فلسفیانہ موشگافیوں پر نقد و نظر	288	سجدہ عبادت..... سجدہ تحیت
327	حضرت شیخ اشعری کا مختصر تعارف		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	۴۷۔ منہا۔		۴۳۔ منہا۔
362	کلمہ طیبہ لا ہوتی نغمہ ہے	329	امام ربانی علم کلام کے مجتہد ہیں
365	یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند	330	علم لدنی کی اقسام ثلاثہ
	۴۸۔ منہا۔	331	الہام اور فراست کی اجمالی تفصیلات
366	حقیقت سے مراد مبداء تعین ہے		۴۴۔ منہا۔
367	حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ	335	تخلیق انسانی کا مدعا
368	حقیقت محمدیہ ﷺ	337	عبدمازون..... بندہ مرزوق
369	حقیقت محمدیہ کی دو جہتیں	340	تخلیق ہدایت..... تقسیم ہدایت
371	حقیقت کعبہ حقیقت قرآن سے بالا ہے	341	اسیران بدر کے متعلق باہمی مشاورت
373	حقائق الاشیاء ثابتہ کی تفصیلات	342	احکام جزئیہ میں خطا کا احتمال
375	معدوم، مرنی شئی نہیں	344	زلت کے اطلاق سے اجتناب
377	حقیقت احمدیہ ذات احد کا مظہر ہے	345	عتاب کا اجمالی بیان
377	حقیقت امکانی..... حقیقت وجودی	347	افعال عباد مشیت سے متعلق ہیں
	حقیقت احمدیہ شیون کا ایک بلند		۴۵۔ منہا۔
378	مرتبہ ہے	348	قرآن مجید متقین کے لئے ہادی ہے
379	اسم محمد اور اسم احمد کے حقائق		عرفائے کالمین صفات پر اکتفا
380	اسم احمد میں میم عبودیت کا حلقہ ہے	350	نہیں کرتے
381	حقیقت محمدیہ عالم خلق کی مربی ہے		۴۶۔ منہا۔
383	ہزارہ دوم میں امام ربانی کی برکات	352	حضرت خواجہ باقی باللہ کے چند مریدین
384	ہزار سالہ مجدد ہی امام زمانہ ہوتا ہے	355	یک درگیر محکم گیر کا مقولہ
	حضرت امام ربانی کے معاندین کا	357	حضرت خطیب الاسلام کا ایک چیلنج
385	خبث باطن	358	سیدنا علی المرتضیٰ کا محبت مفرط گمراہ ہے
386	حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عالم امر کا غلبہ تھا	361	مرید کیلئے شیخ ہی امام برحق ہوتا ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
417	تجلی صفائی..... تجلی ذاتی		منہا۔ ۴۹
418	تجلی ذاتی کی قسمیں	387	کلمہ طیبہ کے فیوض و برکات
419	تمام انبیاء نفس نبوت میں مساوی ہیں	389	کلمہ طیبہ کے تقاضے
420	اولوالعزم علیہم الصلوٰات چھ رسول ہیں		منہا۔ ۵۰
421	انبیاء کرام کے درمیان مخارہ کی ممانعت	390	معوذتین کی قرآنیت
422	آیات و احادیث میں متابقت	393	حضرت شیخ منیری کا مختصر تعارف
424	وصول باعتبار نظر..... وصول باعتبار قدم	395	مکتوبات منیری کی اہمیت
	حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں		منہا۔ ۵۱
426	افضل ہیں	397	تقلید مذموم..... تقلید محمود
	منہا۔ ۵۳	400	اہل اللہ کے ناقدین حرمان نصیب ہیں
430	سیر مستطیل..... سیر متدیر	401	سیدنا صدیق اکبر جمال نبوت کا آئینہ ہیں
432	صوفیائے مستہلکین اور صوفیائے راہعین	402	چوں گرفتی پیر را تسلیم شو
	منہا۔ ۵۴	403	بمے سجادہ رنگین کن.....
433	مقام رضا کی تفصیلات	404	سیدنا آدم علیہ السلام اور شجرہ ممنوعہ
435	حضرت امام ربانی اور مقام رضا	405	عصمت کی تعریف
436	صورت رضا اور حقیقت رضا	406	اہل اللہ کی خطا پر گریہ و زاری
	منہا۔ ۵۵	407	وائے ناکامی زاہد.....
438	سنت کا اکتساب۔ بدعت سے اجتناب	408	مسئلہ نسیان کا اجمالی بیان
439	متابعت نبوی ﷺ کی برکات	411	خواجہ حبیب عجمی کی صحت نیت
441	گردنعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن	413	خطا پیر بہتر از صواب مرید
	منہا۔ ۵۶	414	حضرت شیخ شازلی اور حزب البحر کا وظیفہ
442	لفظ جن کا معنی و مفہوم		منہا۔ ۵۲
443	جنات کے متعلق اہلسنت کا موقف	416	تجلی کا معنی و مفہوم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
465	صفات سلبیہ ... صفات ثبوتیہ	444	روحانی مخلوق کی تین اقسام
466	صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں	445	جنات کی تین اقسام
467	صفات فعلیہ		جسم انسانی پر جنات کا تسلط اور شیاطین
468	حق تعالیٰ بذات خود موجود ہے	446	کا تصرف
470	صفت حیات کا اجمالی تذکرہ		منہا۔ ۵۷
471	صفت علم کا تفصیلی تذکرہ		امام ربانی کے نزدیک نبی ﷺ کے
476	فیض تخلیقی ... فیض کمالاتی	449	ساتھ ہمسری کا دعویٰ کفر ہے
477	سیر نظری ... سیر قدمی		جزوی فضیلت کو کلی فضیلت کے ساتھ
	منہا۔ ۶۰	451	معارضہ کی مجال نہیں
479	صفات ثبوتیہ ... صفات سلبیہ	452	شہداء کے جزوی فضائل کا بیان
481	مماثلت ذاتی ... مماثلت صفاتی	453	اولیاء، انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے طفیلی ہیں
483	مماثل موافق ... مماثل مخالف		حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر جزوی
485	معیت عامہ ... معیت خاصہ	454	فضیلت حاصل ہے۔
	منہا۔ ۶۱	457	خاتم ولایت اور خاتم نبوت
487	حال کی تعریف		منہا۔ ۵۸
488	حال کے متعلق صوفیائے کرام کی آراء	460	نبوت ولایت سے افضل ہے
488	وجدانات	461	ولایت نبوت سے منور ہے
489	نسخ کے متعلق تمہیدی کلمات		نبی کا ایک سانس بھی ولی کی زندگی
490	نسخ کے تدریجی مراحل	462	سے فاضل تر ہے
492	نسخ کی تعریف اور اقسام اربعہ		انبیاء اولیاء سے چار مراتب میں
494	حضور اکرم ﷺ محلل و محرم ہیں	463	افضل ہیں
495	نسخ بالنتہ کی سات مثالیں		منہا۔ ۵۹
		464	صفات ذاتیہ کی تین اقسام

پیش لفظ

علم و عرفان اور احوال و ایقان کے رُخِ زیبا کو سنوارنے اور نکھارنے میں علمائے راسخین اور عرفائے کاملین میں جن نفوسِ قدسیہ کے علمی آثار اور باطنی اسرار کو شہرت دوام حاصل ہوئی ان میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ سرفہرست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی تصانیف عالیہ کا جو فہم و ادراک ہمارے آقائے ولی نعمت سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبلیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز کو عطا فرمایا البینات شرح مکتوبات (۳ جلدیں) اور سعادت العباد شرح مبداء و معاد (۲ جلدیں) اس کا بین ثبوت ہیں اہل طریقت کی نظر میں البینات شرح مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت شیخ عبدالرؤف نظامی مدظلہ (جنوبی افریقہ) نے اپنے بارہ مدارس دینیہ میں اسے بطور نصاب شامل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں سعادت العباد کی تکمیل کی توفیق انیق رفیق فرمائی۔ جس کا پہلا حصہ حضور قبلہ عالم ابوالبلیان قدس سرہ العزیز کے دوسرے سالانہ عرس پاک کے موقعہ پر چھپ کر منظر عام پر آیا۔ جس میں 18 منہا کی توضیح و تشریح کی گئی۔ اب مجدہ تعالیٰ اس کا دوسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں بقیہ 43 منہا کی شرح پیش خدمت ہے۔ جن میں چند ضروری مباحث صفات باری تعالیٰ، تقلید و تلفیق، یادداشت، حضرت امام ربانی کے تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات،

مناظرہ کی اقسام، عتاب کا اجمالی تذکرہ وغیرہا قابل ذکر ہیں۔

اس تصنیف لطیف کی ترتیب و تدوین، تسوید و تزئین اور طباعت و اشاعت میں علامہ محمد بشارت علی مجددی، شہید وفا مولا محمد اکبر شاہ مجددی مرحوم، علامہ حافظ تنویر حسین مجددی، سید اظہر علی شاہ مجددی، علامہ راشد علی مجددی، علامہ محمد اشفاق مجددی (شریعیہ اینڈ لاء)، ڈاکٹر محمد انوار احمد اعجاز، محمد ندیم ارشد مجددی، شہزادہ محمد عارف مجددی اور محمد جاوید احمد مجددی کی شبانہ روز محنت لائق تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتوں اور کونین کی برکتوں سے نوازے اور اپنے شیخ مکرم کے عظیم و پاکیزہ مشن کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیة والتسلیم
قارئین کرام سے التماس ہے کہ دوران مطالعہ اگر کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ کی کوئی فروگداشت پائیں تو دامن عفو میں جگہ دیتے ہوئے ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

ابوالحبیب محمد رفیق احمد مجددی

درگاہ حضرت ابوالبلیان قدس سرہ العزیز

امیر اعلیٰ: عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

مِنَهَا - ۱۹

از خصائص حضرت واجب الوجود ست تعالیٰ و تقدس حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی خصوصیات سے ہے کہ کہ بذات خود موجود بود و اصلاً در موجودیت بوجود وہ بذات خود موجود ہو لے اور موجودیت میں ہرگز وجود

حق تعالیٰ اپنی موجودیت میں وجود کا محتاج نہیں

لے زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اپنی موجودیت (موجود ہونے) میں وجود کا بھی محتاج نہیں بلکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے خصائص میں سے ہے جبکہ تمام مخلوقات و جمیع ممکنات اپنی موجودیت میں وجود کی محتاج ہیں۔

محتاج نشود برابر ست کہ وجود را عین ذات بگیریم
 کا محتاج نہ ہو برابر ہے کہ ہم وجود کو عین ذات مانیں یا ذات پر
 یا زائد بر ذات بر ہر دو تقدیر عینیت و زیادتی محذور
 زائد۔ ۲ ہر دو تقدیر عینیت و زیادتی پر حذر لازم ہے
 لازم ست و چون حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ را سنت
 چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی سنت اس (انداز) پر جاری ہے

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب صوفیائے
 وجودیہ نے عینیت کا قول کیا تو متکلمین اہلسنت نے ان پر اس قدر تابد توڑا شکالات
 وارد کئے جن کے جوابات کے لئے ان صوفیاء کو لمبے چوڑے دلائل دینا پڑے اور ان
 دلائل کی کھینچا تانی کر کے اپنے موقف کو ثابت کرنا پڑا لیکن پھر بھی مسکت اور تسلی بخش
 جواب نہ دے سکے فلہذا عینیت کی صورت میں دلائل متطاولہ کا احتیاج لازم آتا ہے
 اور جمہور متکلمین اہل سنت کی مخالفت بھی لازم آتی ہے اور جب وجود کو زائد علی الذات
 کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات، وجود کے ساتھ موجود ہے جس سے ذات کی
 وجود کی طرف احتیاج لازم آئے گی اور اللہ تعالیٰ سبحانہ احتیاج سے پاک ہے۔ تعالیٰ
 اللہ عن ذالک علواً کبیراً

برآں جاری شدہ است کہ ہرچہ در مرتبہ وجوب ست
کہ جو کچھ مرتبہ وجوب میں ہے اس کا نمونہ
نمونہ آن در ہر مرتبہ امکان ظاہر سازد ”علمہ احد اولم
امکان کے ہر مرتبہ میں ظاہر فرما دے کسی کو معلوم ہو یا
یعلمہ“ انموذج این خاصہ در عالم امکان وجود را ساختہ
نہ ہو۔ اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے
است کہ وجود ہر چند موجود نیست و از معقولات
کیونکہ وجود اگرچہ موجود نہیں ہے اور معقولات

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ
کی یہ سنت و عادت جاری ہے کہ اس نے عالم وجوب کی ہر چیز کا نمونہ عالم امکان
میں ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے چاہے کسی کو اس بات کا علم ہو یا نہ ہو، کوئی
مانے یا نہ مانے۔ چونکہ عالم وجوب کی ہر اک شئی کا نمونہ عالم امکان میں ہے اس لئے
اللہ تعالیٰ نے وجوب کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنا دیا ہے اور یہ وجود، جو وجوب کا
نمونہ ہے، یہ موجود نہیں بلکہ یہ تو معقولات ثانیہ میں سے ہے۔

علماء نے معقولات کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

معقولات ذاتیہ خارجیہ اور معقولات ثانویہ ذہنیہ

معقولات ذاتیہ خارجیہ

یہ ہیں کہ جن کا وجود ذاتی طور پر خارج میں موجود ہوتا ہے جیسا کہ تمام اشیائے

کائنات۔

معقولات ثانیہ ذہنیہ

وہ ہیں کہ جن کا وجود خارج میں موجود نہیں ہوتا بلکہ ذہن میں اشیاء کی صورتیں ہوتی ہیں جیسے کتاب جو سامنے میز پر پڑی ہوئی ہو یہ اس کتاب کا وجود ذاتی خارجی ہے جبکہ اس کتاب کا تصور جو ذہن میں ہے وہ معقولات ثانویہ ذہنیہ میں سے ہے جو ناقابل اعتبار ہے۔

غرضیکہ وجوب کا نمونہ وجود، جو عالم امکان میں ہے یہ وجود ذہنی ہے حقیقی نہیں ہے اسی لئے ناقابل اعتبار ہے۔

ثانیہ است اما اگر فرض کنیم وجود اور اپس او موجود
 ثانیہ میں سے ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کریں ۴ پس وہ
 بذات خود خواہد بود نہ بوجود دیگر برخلاف موجودات
 بذات خود موجود ہو گا نہ کہ کسی دوسرے وجود کے ساتھ برخلاف
 دیگر کہ موجودیت انہا بوجود محتاج ست وذوات
 دیگر موجودات کے کہ ان کی موجودیت وجود کی محتاج ہے ان کی ذاتیں
 اینہا کافی نیست پس ہر گاہ وجود کہ اور ادر موجودیت
 کافی نہیں ہیں پس جبکہ ایسا وجود کہ جس کو اشیاء کی موجودیت میں
 اشیاء مدخلے دادہ اند اگر موجود شود بذات خود موجود
 مدخل دیا ہوا ہے اگر موجود ہو گا تو اپنی ذات کے ساتھ موجود

۴ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ
 کے وجود کو (ذہنی طور پر) فرض کر لیں تو وہ بھی کسی وجود کے احتیاج کے بغیر اپنی ذات
 کے ساتھ موجود ہوگا۔ جب ذہناً مفروضہ وجود کو کسی دوسرے کا احتیاج نہیں رہتا تو
 ذات (حق تعالیٰ) کو اپنی موجودیت میں کسی دوسرے وجود کا احتیاج کیونکر ہوگا فلہذا
 اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے جبکہ دیگر موجودات اپنی موجودیت میں وجود کی محتاج
 ہیں۔ ان کی ذوات خود بخود کافی نہیں لہذا انہیں وجود کی حاجت ہے۔

خواہد بود و محتاج بوجود دیگر نخواہد بود خالق
 ہو گا کسی دیگر وجود کا محتاج نہیں ہو گا۔ ۵ خالق
 موجودات تعالیٰ و تقدس بالاستقلال اگر بذات خود موجود
 موجودات تعالیٰ و تقدس بالاستقلال اگر بذات خود موجود
 شود و اصلاً بوجود محتاج نہ گردد چہ عجب ست
 ہو اور ہرگز کسی وجود کا محتاج نہ ہو تو کیا تعجب ہے
 واستبعاد بعیدان از مبحث خارج است واللہ سبحانہ
 (حقیقت سے) دور افتادگان کا اسے بعید از عقل جاننا مبحث سے
 الملہم للصواب اگر کس نے گوید کہ مراد حکما و اشعریہ
 خارج ہے اور اللہ سبحانہ درست کا الہام فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ علماء، اشعریہ
 وبعضہ متطوفہ کہ بہ عینیت وجود مر ذات را تعالیٰ و
 اور بعض خود ساختہ صوفی کی مراد جو ذات تعالیٰ و

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اشیائے کائنات جن
 کی موجودیت میں وجود ذیل ہے وہ وجود بھی اپنی ذات کے ساتھ ہی موجود ہے کسی
 دوسرے وجود کا محتاج نہیں۔ اگر وہ وجود بذات خود ہی موجود ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ
 سبحانہ جو جملہ موجودات کا خالق ہے بغیر کسی وجود کی محتاجی کے وہ اپنی ذات کے ساتھ
 ہی مستقل طور پر موجود ہو تو اس میں کیا تعجب اور استحالہ ہے..... لیکن حقیقت سے نا آشنا
 دور افتادہ لوگ اسے ناممکن یا بعید از فہم جانیں تو یہ بات خارج از بحث ہے، اللہ تعالیٰ
 سبحانہ ہی درست الہام فرمانے والا ہے۔

تقدس قائل گشته اند ہماں ست کہ توآن را گفته در
تقدس کے لئے عینیت وجود کے قائل ہوئے ہیں وہی ہے کہ جسے آپ نے
معرفت سابق کہ واجب وجود موجود است تعالیٰ و
گذشتہ معرفت میں بیان فرمایا کہ واجب الوجود تعالیٰ و
تقدس بذات خود نہ بوجود پس معنی این کلام کہ
تقدس بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ پس اس کلام
”موجود است بوجودی کہ عین ذات است“ آنست
کا معنی ہے کہ (واجب الوجود) ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو (اسکی) ذات کا
کہ موجود ست بذات خود نہ بوجود در جواب گوئیم
عین ہے، وہ یہی ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ جواب
کہ بریں تقدیر خلاف اہل سنت باایشان دریں مسئلہ
میں ہم کہیں گے اس تقدیر پر اہل سنت کا اختلاف ان کے ساتھ اس مسئلہ
در برابر نمی افتد بایستے کہ اہل حق بریں تقدیر در تقابل
میں برابر نہیں پڑتا کیونکہ اہل حق اس صورت پر ان کے مقابلہ میں
ایشان سی گفتند کہ او تعالیٰ بوجود موجود است نہ
کہتے کہ وہ تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے نہ کہ ذات کے ساتھ
بذات اثبات زیادتی وجود بریں تقدیر مستدرک است
اس تقدیر پر وجود کی زیادتی کا اثبات زائد ہے

پس اثبات زیادتی وجود را دلالت بر آن شد کہ خلاف
پس زیادتی وجود کا اثبات اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ
فریقین در نفس وجود نیست بلکه در وصف اوست
فریقین کا اختلاف نفس وجود میں نہیں ہے بلکہ اس کے وصف میں ہے
کہ عینیت و زیادتی باشد یعنی ہر دو فریق قائل اند
جو عینیت اور زیادتی ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ
بآنکہ او تعالیٰ بوجود موجود است خلافے ندارند مگر
وہ تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے کوئی اختلاف نہیں رکھتے
در عینیت و زیادتی آن اگر گویند کہ چون واجب الوجود
مگر اس کی عینیت اور زیادتی میں اگر کہتے ہیں کہ جب واجب الوجود
تعالیٰ و تقدس بذات خود موجود باشد پس واجب را
تعالیٰ و تقدس بذات خود موجود ہو تو واجب تعالیٰ
تعالیٰ موجود گفتن بکدام معنی باشد؟ چہ معنی موجود
کو موجود کہنے کے کیا معنی ہیں کیونکہ موجود کا معنی
ما قام بہ الوجود است ولا وجود ہنا اصلاً جواب گوئیم کہ
وہ چیز جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں وجود ہرگز نہیں جواباً ہم کہیں گے
آرے وجود یکہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس بآن موجود
کہ ہاں وہ موجود کہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس جس کے ساتھ موجود ہو

شود در واجب تعالی مفقود ست اما وجود یکہ بطریق
 واجب تعالیٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود
 عرض عام برذات او تعالیٰ مقول شود و بطریق اشتقاق
 عرض عام کے طور پر اس تعالیٰ کی ذات پر بولا جائے اور بطریق اشتقاق
 محمول گردد اگر باعتبار قیام آن وجود واجب را تعالیٰ
 محمول ہو اگر اس وجود کے قیام کے اعتبار سے واجب تعالیٰ کو
 موجود گویند گنجائش دارد ہیچ محذور لازم نیاید والسلام
 موجود کہیں تو گنجائش رکھتا ہے اس سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ والسلام

مِنهَا - ۲۰

ہرگز نہ پرستیم خدائے را کہ در حیطۂ شہود آید و سرئی
ہم ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتے۔ جو شہود کے احاطہ میں آجائے اور دکھائی
گردد و معلوم شود و در وہم و خیال گنجد چہ مشہود و
دے اور معلوم ہو جائے اور وہم و خیال میں سما جائے کیونکہ مشاہدہ میں آنے والا،
سرئی و معلوم و موہوم و متخیل در رنگ شاہد و رائی و
دکھائی دینے والا، معلوم ہو جانے والا، وہم میں آنے والا، خیال میں سامانے والا شاہد

۱۔ حق تعالیٰ شہود اور وہم و تخیل سے وراء ہے

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما
رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشاہدہ، رؤیت، وہم اور خیال میں نہیں سما سکتا جو ذات، مشہود
مرئی، معلوم، موہوم اور متخیل (بفتح خاء) ہو وہ مخلوق اور مصنوع ہوگی اور جو چیز مخلوق
و مصنوع ہو وہ حادث اور فانی ہے اور جو چیز حادث اور فنا پذیر ہو وہ عبادت اور پرستش
کے لائق نہیں اور جو لائق عبادت اور قابل پرستش نہیں وہ معبود برحق نہیں ہو سکتی، اللہ
تعالیٰ ہر قسم کے تخیلات، توہمات اور مشاہدات سے وراء ہے

ع آں لقمہ کہ در دہاں گنجد طلبم

یعنی کیسی عجیب بات ہے کہ ہم لوگ اس ہستی کو وہم و خیال اور کائنات کے آئینوں

عالم وواہم و متخیل مصنوع و محدث ست
دیکھنے والے، عالم اور وہم و خیال کرنے والے کی مانند مخلوق اور پیدا شدہ ہے

ع آں لقمہ کہ در دہان نگنجد طلبم

لقمہ جو دہن میں سا نہیں سکتا وہ میں طلب کرتا ہوں

مقصود از سیر و سلوک خرق حجب ست حجب و جوبی
سیر و سلوک سے مقصود پردوں کا چاک کرنا ہے وہ حجاب و جوبی

میں لانا چاہتے ہیں جو دید، عقل اور فہم میں نہیں آ سکتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مشاہدہ، رویت، وہم اور خیال کی قدرے
وضاحت کر دی جائے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی رہے۔ وباللہ التوفیق

رویت اور مشاہدہ میں فرق

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رویت اور مشاہدہ کے درمیان فرق بیان
کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

..... رویت حق تعالیٰ (واجب الوجود) کے دیدار کو کہا جاتا ہے جبکہ مشاہدہ کا تعلق
وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ ہے۔

..... رویت، اصالت اور مشاہدہ، ظلیت ہے۔ رویت، نبوت کا ثمرہ ہے جبکہ مشاہدہ،
ولایت کا نتیجہ ہے۔

..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں کیونکہ ان میں عالم امر
کی نسبت غالب ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں بیشتر قدم ہیں لہذا انہوں

نے مشاہدہ پر اکتفا نہ کر کے روایت بصری کی درخواست کر دی۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۰)

وہم اور خیال میں فرق

وہم اور خیال انسانی دماغ میں دو قوتیں ہیں۔ وہم کا محل دماغ میں وسط جوف کا پچھلا حصہ ہے اور خیال کا محل دماغ میں لٹن اول کا پچھلا حصہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز وہم اور خیال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

یہ وہم ہی کی شرافت ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سبحانہ نے تخلیق عالم کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اسے اپنے کمالات کا محل بنایا ہے۔ مرتبہ وہم، نمود بے بود سے عبارت ہے جیسے آئینے میں زید کی صورت نمود بے بود ہے۔ یہ مرتبہ علم اور مرتبہ خارج سے وراء ہے۔ عالم موہوم مخترع نہیں کہ وہم کے ازالہ سے زائل ہو جائے جیسا کہ سوسطہ کا مذہب ہے بلکہ عالم موہوم یقینی ہے جس پر جزا و سزا اور ثواب و عذاب مرتب ہونگے۔ یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ حضرت واجب الوجود نے اسے عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے جو تمام جہانوں سے وسیع تر ہے حتیٰ کہ اس عالم میں مرتبہ وجوب جل شانہ کی ایک صورت بھی بیان کی جاتی ہے اور حکم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ ولله المثل الا علی (انمل)

..... راہ سلوک کا دار و مدار توہم و تخیل پر ہے۔ احوال و مواجید کا ادراک وہم سے ہوتا ہے اور سالکوں کو تجلیات و ملکویات خیال کے آئینے میں مشہود ہوتی ہیں: فلولا الوہم لقصر الفہم ولولا الخیال لستر الحال یعنی اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور رہتا۔

اس راہ سلوک میں وہم و خیال سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور ان کے ادراک

واکشاف اکثر واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ وہم و خیال ہی ہے کہ پچاس ہزار سال کی راہ جو بندہ اور رب کے درمیان ہے کو خدا تعالیٰ کے کرم سے بہت کم مدت میں قطع کر لیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۹ اوغیرھا)

اہل طریقت نے خیال کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

خیال باکشف اور خیال بدون کشف

یہ حق تعالیٰ کی قدرت و مرضی ہے کہ بعض خیالات میں قرب کو نقش فرما دیتا ہے اور بعض خیالوں میں منقش نہیں فرماتا۔

ع ہر گل پسرے را حرکات دیگر ہست

وجوبی و امکانی حجابات

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سیر و سلوک اور تصوف و طریقت کی غرض و غایت بیان فرما رہے ہیں کہ ان سے مقصود وجوبی اور امکانی حجابات کو پھاڑ کر بے پردہ وصل ہے۔ وجوبی حجابات، امکانی حجابات اور وصل عریانی کی قدرے تفصیلات ہدیہء قارئین ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو!

ہر وہ چیز جو بندے کو حق تعالیٰ سے بے خبر یا دور کر دے حجاب کہلاتی ہے یعنی تمام اشیاء اور خیالات ماسوائے حجابات ہیں۔ سب سے بڑا حجاب بندے کی اپنی ذات (حجاب خودی) ہے جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنت

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

حجابات کی دو قسمیں ہیں: حجابات نورانی اور حجابات ظلمانی

..... ﴿ حجاباتِ ظلمانی سے مراد عالم امکان اور کدورات بشریہ ہیں جنہیں حجاباتِ امکانی بھی کہا جاتا ہے۔

حجاباتِ نورانی کی دو قسمیں ہیں:

..... ﴿ حجاباتِ نورانی سے مراد صفات، شیونات اور اعتبارات کے ظلال ہیں۔

۱..... حجاباتِ وجودیہ: اسماء و صفات کے ظلال کو کہا جاتا ہے غالباً انہی کو حجاباتِ وجودی بھی کہتے ہیں۔

۲..... حجاباتِ اعتباریہ: یہ شیونات اور اعتبارات کے ظلال ہیں شاید انہی کو حجاباتِ کیفی بھی کہا جاتا ہے۔

اصحابِ حجب تین ہیں:

۱..... اصحابِ شمال (صاحبانِ دستِ چپ)

۲..... اصحابِ میمنہ (صاحبانِ دستِ راست)

۳..... سابقان (واصلانِ ذاتِ بلا کیف)

زوالِ حجاباتِ بھی دو قسم پر ہے زوالِ علمی اور زوالِ عینی (وجودی)

حجاباتِ نورانی کا زوال، زوالِ علمی ہے کیونکہ صفات و شیونات درمیان میں

رہتی ہیں صرف عارف کے علم و دید سے باہر ہوتی ہیں جیسا کہ کسی عارف نے کہا

حسے تو چناں کرد مرا زیر و زبر

کز خال و خط زلف تو ام نیست خبر

حجاباتِ ظلمانی کا زوال، زوالِ عینی وجودی ہے کہ عالم امکان کی کثافتوں

اور بشریت کی کدورتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

حجاباتِ ظلمانی، حجاباتِ نورانی اور حجاباتِ کیفی کی قدرے وضاحت ملاحظہ ہو:

حجابات ظلمانی

ہر قسم کے گناہ اور لذات نفسانی، طبعی ہیں انہیں حجابات ناسوتی بھی کہا جاتا ہے۔ سالک کو سب سے پہلے انہی حجابات کو رفع کرنا پڑتا ہے۔ اصحاب شمال، صاحبان حجابات ظلمانی کو ہی کہا جاتا ہے۔

حجابات نورانی

علوم ظاہر یہ رسمیہ، عبادات عادیہ اور انوار ملکوتیہ، حجابات نورانی ہیں، انہیں حجابات ملکوتی بھی کہا جاتا ہے۔ سالک کو حجابات ظلمانی کے بعد انہی حجابات کو اٹھانا پڑتا ہے سالک کے لئے ان حجابات کا اٹھانا، حجابات ظلمانی سے زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ حجابات نورانی، مزے اور لذت میں حجابات ظلمانی سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اصحاب مینہ، صاحبان حجابات نورانی کو کہا جاتا ہے۔

حجابات کیفی

کیف و کم اور امکان و حدوث کے تمام مناظر و مظاہر حجابات کیفی ہیں تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ سالک کو آخر میں مشاہدہ ذات کے لئے تمام حجابات کیفی کا پردہ چاک کرنا پڑتا ہے اور یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور اس کے بغیر ذات بے کیف تک رسائی ناممکن ہے۔ سابقان سے مراد وہی حضرات ہیں جو حجابات ظلمانی، نورانی اور کیفی سے گذر کر ذات بلا کیف تک وصول بلا کیف کے انعام سے سرفراز ہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتصال بے تکلیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان ناس

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۱۵، ۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مکتوب میں حجابات ظلمانی و حجابات نورانی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

میرے مخدوم! راہ سلوک انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق کل سات قدم ہے دو قدم عالم خلق میں ہیں جو کہ قالب (بدن عنصری) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو کہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی ان لله سبعین الف حجاب من نور و ظلمة یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کیلئے نور و ظلمات کے ستر ہزار حجاب ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۵۸)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ عارف جب ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے مرتبے میں پہنچتا ہے تو اس مقام میں تمام حجابات و جودی و اعتباری اٹھ جاتے ہیں اور عارف کو وصل عریانی نصیب ہو جاتا ہے اور مطلوب کی یافت حقیقی طور پر میسر آ جاتی ہے جس میں گمان اور وہم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۱)

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی مفہوم کی خبر دیتا ہے

خرقت جميع المحب حتى و صلت الي

مقام لقد كان جدی فادنانی

یعنی میں نے تمام پردوں کو پھاڑ ڈالا یہاں تک کہ وہاں پہنچ گیا جہاں میرے جدا مجد (دادا) تھے تو انہوں نے مجھے قریب کر لیا۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے ظلال کے تمام مرتبوں کو طے کر لیا جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس جگہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ

سلم کے مبداء تعین پر پہنچ گیا جو کہ اسماء و صفات کے مرتبہ میں ہے اور اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

دوران سلوک انہی پردوں کو پھاڑنا پڑتا ہے تاکہ وصل عریانی نصیب ہو، محض عروج و نزول کا نام تصوف و طریقت اور سیر و سلوک نہیں بقول شاعر

قرب نے بلا و پستی رفتن است
قرب حق از قید ہستی رستن است

جیسا کہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے حجابات کو پھاڑتے ہوئے حریم قدس جل سلطانہ میں باریاب ہوئے۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

وصل عریانی

اس کا لغوی معنی ہے برہنہ وصل (بے پردہ ملاقات) اصطلاح صوفیاء میں وصل عریانی ”بدون اعتبار زائد بر ذات مجردہ صرفہ“ کا نام ہے یعنی ذات حق کا ایسا مشاہدہ جس میں کسی اعتبار زائد کا نشان نہ ہو۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات و التسلیمات کے مرتبے میں عارف کو مقصود حقیقی کا وصل تحقیقی میسر آتا ہے نہ کہ وصل گمانی یعنی ایسا وصل کہ عارف اور ذات کے اسماء و صفات و شیونات کے درمیان نہ حجابات ظلمانی حائل رہتے ہیں اور نہ حجابات نورانی۔

آپ فرماتے ہیں اگر کوئی خوش نصیب اس مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت و محبت اختیار کرے اور سنت و شریعت کی پابندی کا خوب اہتمام کرے کیونکہ یہ مقام عزیز الوجود ہے۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۱)

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ حجابات اور پردوں میں نہیں ہے بلکہ ہم اور عالم امکان

باشد یا امکانی تا وصل عریانی میسر آید نہ آنکہ مطلوب ہوں یا امکانی تاکہ وصل عریانی میسر آجائے نہ یہ کہ مطلوب را در قید آزند و صید نمایند

کو قید میں لائیں اور شکار کر لیں۔ ۲

پردوں میں مستور اور محدود ہیں۔

حق تعالیٰ اشیائے کائنات سے وراء ہے

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سیر و سلوک سے مقصود مطلوب حقیقی کو قید میں لانا نہیں بلکہ اس سے مقصود قید ہستی کے پردے پھاڑ کر اور ہر قسم کے حجابات چاک کر کے صورتوں اور شکلوں سے پرے مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیائے کائنات سے وراء الوراء ہے جیسا کہ آپ کا موقف ہے انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء یعنی اللہ تعالیٰ پرے سے بھی پرے ہے۔ درحقیقت حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے ان صوفیائے وجودیہ کی تردید فرمائی ہے جو کائنات اور ذات، ممکنات اور وجوب کی عینیت کے قائل ہیں اور ذات مطلق (اللہ تعالیٰ) کو ممکنات کے پردوں میں مقید جانتے اور اسے کائنات کی شکلوں اور صورتوں میں تلاش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم جب وحدت الوجود کا موقف رکھتے تھے انہوں نے بھی یہ کہہ دیا تھا:

ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ!

مگر سرہند شریف کی پہلی حاضری نے ہی ان کے قلب و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا تھا اور حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی توجہات قدسیہ کی بدولت وحدت الوجود

کے تنگ کوچہ سے وحدت الشہود کی شاہراہ پر گامزن ہو کر پکاراٹھے
 خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
 زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ
 یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
 بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ ذات حق جل سلطانہ بے رنگ اور بے جہت ہے وہ
 شکلوں و پردوں اور صورتوں میں محدود و مستور نہیں بلکہ ان سے بالا ہے اس لئے ذات
 اور بندوں کے درمیان جتنے بھی امکان و وجوب کے پردے ہیں ان کی نفی کرتے
 ہوئے انہیں چاک کرنا چاہئے تاکہ بلا حجاب وصل یار نصیب ہو سکے۔

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ وارث مسند
 آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ پنجاب پاکستان نقشبندی طریقت کی اس معرفت کو بیان
 کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم روحانی پیشوا قطب ربانی حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی
 رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بزرگ کے قریب سے گذر ہوا وہ بزرگ بڑے غور سے برتن کے
 اندر کچھ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟ کہنے لگے

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم

اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

یعنی میں پیالے میں صاف پانی ڈال کر اسمیں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ رات کا
 وقت تھا اور چاند چمک رہا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں جس طرح پانی میں
 چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں اسی طرح مخلوق میں خالق کا عکس دیکھ رہا ہوں (مطلب یہ
 تھا کہ میں سیر آفاقی کر رہا ہوں) آپ فرمانے لگے خدا کے بندے! چاند تو اوپر چڑھا

ہوا ہے اور تو پیالے میں چاند دیکھ رہا ہے اصل چھوڑ کر نقل کو کیوں دیکھتا ہے؟ حقیقت چھوڑ کر مجاز میں کیوں پھنتا ہے؟ منہ سیدھا اوپر کر، تیری گردن پر ورم تو نہیں وہ دیکھ! سامنے چاند چمک رہا ہے۔

بس عزیزان گرامی! بات یہ ہے کہ لوگ چاند پیالے میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی مجددی لوگ چاند سیدھا دیکھتے ہیں یہ ہے نقشبندی طریقت میں معرفت ذات کا تصور۔ ہم لوگ مجاز کے پردے ہٹا کر، صورت کے بت مٹا کر، حقیقت کے دیس میں جا کر، وحدت کے سمندر میں غوطہ لگا کر جلوہ یار سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اگر یہ معرفت بندے کو آجائے تو دنیا کسی رنگ میں فقیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ کوئی حسن اور کوئی طمع، کوئی خوف اور کوئی غم درویش کو خدا سے بیگانہ نہیں کر سکتا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

(مقالات خطیب الاسلام)

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

عنقا کسی نے شکار نہیں کیا جال اٹھا لے

کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

کہ اس جگہ ہمیشہ جال خالی ہاتھ آتا ہے ۳

۳ اس شعر کو حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے اپنے موقف کی تائید میں نقل فرمایا ہے کہ جس طرح شکاریوں نے نایاب پرندے ”عنقا“ کو شکار کرنے کیلئے جال پھیلائے مگر اسے دام میں پھنسانہ سکے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے خیالوں اور صورتوں کے پردوں میں کھینچ کر لانے والے کبھی بھی اسے ممکنات کے جال میں نہیں لاسکتے..... یہ ہے معرفت کا وہ تصور جو حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰات) کے سامنے پیش فرمایا ہے: جزاء اللہ تعالیٰ عنا ماہو اہلہ، بقول اقبال مرحوم

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگاہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہم و خیال، عقل و بیان اور مشاہدہ و رؤیت سے وراہ ہے حالانکہ علمائے اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن اس کی کیفیت کیا ہوگی ہم اس معاملہ میں مشغول نہیں ہوتے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ متکلمین اہلسنت کا رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق یہ موقف ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار واقع نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق

تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے مگر وہ دنیا میں دنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہونے پر ہوا ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا بلا کیف وادراک اور بے شبہ و مثال دیدار ہوگا مگر یہ رؤیت کالرؤیت ہوگی حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق رقمطراز ہیں: چنانچہ ملاحظہ ہو

مومنوں کو بہشت میں اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا بے چونی و بے چگونگی کے طور پر دیدار ہوگا کیونکہ وہ رؤیت جو بے چون سے متعلق ہے وہ بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی کی وجہ سے حظ وافر حاصل کرے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے لا يحمل عطايا الملك الا مطايا ه۔ آج اس معما کو اس نے اپنے انحصان خواص اولیاء پر ہل کر دیا ہے اور منکشف ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی اور دوسروں کے لئے تقلیدی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۷)

(مزید تفصیلات کیلئے سعادت العباد شرح مبداء و معاد جلد اول منھا ۹ ملاحظہ ہو)

بقی ان الرؤیة فی الآخرة حق نؤمن به ولا نشتغل بکیفیتہ
باقی رہا یہ کہ رویت آخرت میں حق ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں ۴ لیکن ہم اسکی کیفیت

عامۃ الناس کی عقول کیفیت رویت کے ادراک سے قاصر ہیں

۴ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہم اللہ
تعالیٰ کی آخرت میں رویت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس رویت کی کیفیت میں مشغول
اس لئے نہیں ہوتے کہ عامۃ الناس کی عقول و افہام اس رویت کی کیفیت کے ادراک
سے عاجز اور قاصر ہے بقول شاعر

لائق دولت نبود ہر سرے

بار میجا نکشد ہر خرے

ترجمہ: نہیں ہر شخص سرداری کے قابل، نہ ہر خر، عیسیٰ برداری کے قابل۔

لقصور فهم العوام عن درکہ لالعدم ادراک الخواص فان لهم
 میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ عوام کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے نہ کہ خواص کو
 نصیباً من ذالک المقام فی الدنیا وان لم یسم رؤیة
 ادراک نہیں کیونکہ دنیا میں ان کے لئے اس مقام سے حصہ ہے اگرچہ اسے رؤیت

والسلام علی من اتبع الهدی

کا نام نہیں دیا جاتا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کیفیت رؤیت کی بابت عدم مشغولیت کی وجہ،
 عوام کا تصور فہم بیان فرما رہے ہیں جبکہ خواص کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر روحانی استعداد
 اور باطنی قابلیت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ ان کی قوت مدرکہ رؤیت کی کیفیات کے
 ادراک سے شاد کام اور فائز المرام ہوتی ہیں۔ والحمد لله علی ذالک کیونکہ
 انہیں دنیا میں بھی رؤیت باری تعالیٰ نصیب ہوتی ہے اگرچہ اسے رؤیت نہیں کہا جائے
 گا یعنی یوں نہیں کہا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سر کی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار
 کر لیا ہے۔ (والله اعلم بحقیقة الحال)

امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے لا اعبد
 رباً لم اراہ یعنی میں اپنے رب کا دیدار کئے بغیر اس کی عبادت نہیں کرتا۔
 حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خدا کا دیدار
 ننانوے مرتبہ کیا ہے۔ اس قسم کے دیدار سے مراد رؤیت قلبی ہے۔

مِنهَا - ۲۱

ہرچہ دردید و دانش می آید مقیدست و از صرافت
 جو چیز دید و دانش میں آ سکتی ہے وہ مقید ہے لے اور اطلاق صرف سے
 اطلاق متنزل و مطلوب آنست کہ از جمیع قیود منزہ
 فرو تر ہے اور مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ و مبرا ہو
 و مبرا باشد پس ماورائے دید و دانش او را باید جست
 لہذا اس کو دید و دانش سے ماوراء تلاش کرنا چاہئے

لے زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تو حید خالص کا وہ نظریہ بیان
 فرما رہے ہیں جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ
 انسانی دید، فہم اور علم کی حدود سے بالا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو چیز بھی
 دید و دانش اور عقل و فہم میں آ جائے وہ مطلق نہیں رہتی بلکہ مقید ہو جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ
 مطلق محض ہے۔ مطلق محض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آ لاش، آمیزش اور
 شائبے سے بلند ہے اسی بنا پر کتب تصوف میں اللہ تعالیٰ کو ذات محض، ذات صرف،
 ذات سازج اور ذات بحت جیسے اسماء سے پکارا گیا ہے۔

عارف کا مطلوب حقیقی (حق تعالیٰ) ہر قسم کی حدود و قیود سے پاک اور خالی ہے
 یعنی وہ مخلوق اور حادث کے تعینات و تقیدات سے منزہ و مبرا ہے اس لئے اسے دید و
 دانش سے ماوراء تلاش کرنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ عقل کے اطوار و انداز سے بالا ہے۔

این معاملہ ورائے طور نظر عقل ست چہ عقل ماورائے
یہ معاملہ عقل کے انداز نظر سے وراء ہے کیونکہ عقل ماورائے

دید و دانش را جستن محال می داند

دید و دانش کو ڈھونڈنا محال جانتی ہے

راز درون پردہ ز رندان مست پرس

درون پردہ کا راز رند مستوں سے پوچھ ۲

کیں حال نیست صوفئی عالی مقام را

کیونکہ یہ عالی مقام صوفی کا حال نہیں ہے

۲ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے درج فرمودہ شعر سے دو مفہوم معلوم ہوتے ہیں

①..... ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ شکلوں اور صورتوں کے تعینات سے بالا ہے کیونکہ یہ سب مخلوق اور حادث ہیں اور عقل دید و دانش سے نتائج اخذ کر کے اس پر حکم لگانے تک ہی محدود ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے۔

②..... دوسرے یہ کہ عرفائے کاملین حظیرۃ القدس کے جملہ حجابات اٹھا کر بے پردہ جلوۂ یار سے شاد کام ہوتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ کبھی نہ کبھی بے خودی کے عالم میں ان سے حقائق و اسرار کا اظہار و اعلان ہو ہی جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر آپ اپنی طرف اشارہ فرما رہے ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال غالباً بایں وجہ بزبان اقبال مرحوم آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں

بہت مدت کے نخیچیروں کا انداز نگاہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شہبازی کا

مِنَهَا - ۲۲

مطلق بر صرافت اطلاق خود ست ہیچ قیدے باو راہ
مطلق اپنے اطلاق صرف پر ہے لے کسی قسم کی کوئی قید کا اس میں
نیافتہ است اما چون در مرآت مقید ظہور فرماید عکس
دخل نہیں ہے لیکن جب مقید کے آئینوں میں ظہور فرمائے اس کا
اوباحکام آن مرآت منصبغ گشتہ مقید و محدود نماید
عکس ان آئینوں کے احکام میں رنگین ہو جاتا ہے، وہ مقید اور محدود دکھائی
لاجرم در دید و دانش آید پس اکتفا بر دید و دانش اکتفا بر
دیتا ہے لامحالہ دید و دانش میں آتا ہے لہذا دید و دانش پر اکتفا،
عکسے است از عکوس آن مطلوب بلند ہمتان بجوز و
کسی عکس پر اکتفا کر لینا ہے اس مطلوب کے عکسوں میں سے بلند ہمت

حق تعالیٰ مقید کے آئینوں سے بالا ہے

لے زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ذات مطلق ہے اس اطلاق محض کو کسی قسم کی قید سے مقید نہیں کیا جاسکتا لیکن جب وہ
ذات مطلق ممکنات اور موجودات کے آئینوں میں ظہور فرماتی ہے تو ذات کا انعکاس

کائنات کے شیشوں کے احکام میں رنگین ہو کر مقید اور محدود دکھائی دیتا ہے نتیجتاً وہ فہم و عقل و علم اور دید و دانش میں آجاتا ہے۔

جب سالک مخلوقات و ممکنات کے محدود و مقید آئینوں میں ذات مطلق کے انوار و تجلیات کو مشاہدہ کرتا ہے جس کی بنا پر وہ ذات حق جل سلطانہ کی دید و دانش کا دعویٰ کر دیتا ہے حالانکہ اس نے ذات کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ انعکاس کو دیکھا ہے جس پر وہ اکتفاء کر بیٹھتا ہے جو اس کے کم ظرف ہونے کا عکاس اور دوں ہمت ہونے کا غماز ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال بقول اقبال مرحوم

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی
کو تہ دستی ، بے دلی ، دوں فطرتی

سویز سیر نشوند ۱ ان اللہ سبحانہ یحب معالی الہم جعلنا
 اخروٹ اور منقی سے سیر نہیں ہوتے۔ یقیناً اللہ سبحانہ عالی ہمتوں کو پسند فرماتا ہے
 اللہ سبحانہ من معالی الہم بحرمة سید البشر علیہ وعلی الہ
 اللہ سبحانہ ہمیں بلند ہمتوں میں سے بنائے بحرمت سید البشر آپ پر اور آپ کی آل

الصلوات والتسلیمات

پر صلوات و تسلیمات ہوں

۱ کچھ سالک تو اشیائے کائنات میں ذات مطلق کے انوار و انعکاس پر ہی اکتفا
 کر لیتے ہیں جبکہ عالی ہمت اور وسیع الظرف سالکین مخلوقات و ممکنات کے پردے
 چاک کر کے بے حجاب جلوۂ یار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
 دراصل یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے صوفیائے کرام کے توحید
 کے متعلق دو نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

۱..... نظریہ وحدت الوجود ۲..... نظریہ وحدت الشہود

اشیائے کائنات کے آئینوں اور شکلوں میں ذات کے انوار و تجلیات دیکھنے کو
 وحدت الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس نظریہ کے بانی حضرت محی الدین ابن عربی
 قدس سرہ العزیز ہیں۔ صوفیائے وجودیہ اس نظریہ کو آیات متشابہات سے ثابت کرتے
 ہیں جو فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنة
 وابتغاء تأویلہ (آل عمران ۷) کی رو سے محل غور ہے کیونکہ عقائد، متشابہات سے نہیں
 بلکہ محکمت سے ثابت ہوتے ہیں مگر صوفیائے وجودیہ کا یہ بیان عقیدہ نہیں بلکہ بیان حال
 ہے اس لئے انہیں غلبہء حال اور سکروقت کی بنا پر معذور جانا چاہئے اسے تجلی صوری بھی
 کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقة الحال)

بعض صوفیاء کرام نے ذات کے جلوؤں کو مختلف شکلوں اور صورتوں میں دیکھا چنانچہ کسی نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو لڑکے کی شکل میں دیکھا..... کسی نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کو عورت کی شکل میں دیکھا..... کسی نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کو گھوڑے کی شکل میں دیکھا..... حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے درخت کی شکل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا جیسا کہ درخت سے آواز آئی انی انا اللہ یقیناً میں تیرا اللہ ہوں۔

حضرت امام ربانی کا نظریہ توحید

اشیائے کائنات کے سارے آئینے توڑ کر اور صورتوں کے سہارے چھوڑ کر، بے پردہ ذات کے مشاہدے کو وحدت الشہود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس موقف کو باقاعدہ نظریہ کے طور پر منظر عام پر لانے والے حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ السجانی ہیں۔ آپ کا یہ نظریہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے جو آیات محکمات سے ثابت ہے، علمائے متکلمین اہلسنت کا یہی موقف ہے اور یہی مسلک اسلم ہے (والحمد لله على ذلك)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ کائنات کی شکلوں اور صورتوں میں ذات کے نہیں بلکہ اسماء و صفات کے ظلال کے عکس اور پرتو ہیں جنہیں دیکھ کر بعض صوفیاء کرام نے دید و دانش کا دعویٰ کر دیا اور اسی پر اکتفا کر بیٹھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شجر اور نار کی صورت میں تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور افاق ہونے پر توبہ کی..... جبکہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممکنات و مخلوقات سے آگے ماورائے عرش ذات کا جلوہ دیکھا اور مازاغ البصر و ما طغی کے مرتبے پر فائز ہوئے اور هل من مزید کانعرہ لگاتے رہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زبان او چکید
بلکہ بعض عشاق تو یہاں تک کہہ گئے

بدیں جمال و خوبی سر طور گر خرامی
ارنی بگوید آں کس کہ بگفت لن ترانی

یعنی کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب ارنی کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی اگر کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی کا جواب دینے والا اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا: ارنی اے میرے محبوب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتا ہی رہتا جیسا کہ آیت کریمہ فانک باعیننا سے عیاں ہے۔

سائلین مجددیہ کیلئے چند فکر انگیز گذارشات

تعلیمات شرعیہ کے طالبین، طریقت نقشبندیہ کے سائلین اور فکر مجددیہ کے حاملین کیلئے یہاں چند اہم اور فکر انگیز گذارشات پیش خدمت ہیں جو حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگی۔

◎..... حضرت ابن العربی قدس سرہ العزیز کے تبعین وحدۃ الوجودی حضرات اس قدر عالی واقع ہوئے ہیں کہ حضرت ابن العربی قدس سرہ العزیز کے توحید و جود پر مشتمل نظریات کو قطعی اور یقینی مانتے ہیں اور تصوف میں ان کی ہر بات کو حجت اور انکے ہر قول کو حرف آخر سمجھتے ہیں اس سلسلے میں وہ متکلمین اہلسنت کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ حضرت ابن العربی کی کتابوں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم وغیرہا میں جمہور متکلمین

اہلسنت کی سب سے زیادہ مخالفت موجود ہے اور ان کے توحید اور معرفت پر مبنی اکثر نظریات جمہور متکلمین اہلسنت کے خلاف ہیں اور ان کے نزدیک متکلمین، علمائے ظواہر میں سے ہیں اور معرفت سے خالی ہیں انہیں کیا خبر کہ توحید کیا ہے یہ تو بس عارفوں کا حصہ ہے متکلمین کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

◎..... ہمیں تو اس بات پر بہت سخت حیرت ہوتی ہے اور ابھی تک ہم اس کا جواب نہیں پاسکے کہ ہمارے اکابر علماء و فضلاء اور اساتذہ شرح عقائد، توضیح و تلویح اور مسلم الثبوت وغیرہ جیسی کتابیں اپنے مدارس میں طلباء کو پڑھاتے ہیں جو متکلمین کے عقائد پر مشتمل ہیں اور کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں جن کی درس و تدریس سے یہ علماء اور اساتذہ بنے ہیں اور جن کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے کہ جو مسلمان ان کے برعکس عقائد رکھے گا وہ گمراہ شمار ہوگا اور دائرہ اہلسنت سے خارج ہو جائے گا۔

لیکن جب حضرت ابن العربی کے نظریات کی باری آتی ہے تو یہ حضرات علمائے کرام بغیر کسی توقف کے متکلمین اہلسنت کو نظر انداز کرتے ہوئے حضرت ابن العربی کے ساتھ ہو جاتے ہیں فیاللعجب اور جب ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم چشتی ہیں ہم قادری ہیں، حالانکہ حضرت ابن العربی چشتی نہیں، قادری تھے۔ ہمارا کسی بزرگ پر اعتراض اور تنقید نہیں بلکہ ہم نے تو سوال کے طور پر کئی چشتی بزرگوں سے پوچھا کہ اگر حضرات چشتیہ وراثتاً توحید و جود کی قائل ہیں تو ارشاد فرمائیں کہ یہ توحید و جود کی وراثت حضرات چشتیہ میں کہاں سے ثابت ہے؟..... چشتیوں کو توحید و جود کی کس چشتی بزرگ نے سکھائی ہے؟..... جبکہ قادریوں میں توحید و جود کی حضرت ابن العربی کے ذریعے آئی ہے۔ ہمیں اس سوال کا ابھی تک جواب نہیں ملا۔

◎..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز متکلمین اہلسنت کی حمایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ متکلمین علماء بھی ہیں اور صوفیاء بھی، عالم بھی ہیں اور عارف بھی،

علوم ظاہریہ کے مالک بھی ہیں اور معارف باطنیہ کے حامل بھی، ارباب قیل و قال بھی ہیں اور اصحاب کشف و حال بھی۔

صوفیائے وجودیہ اپنے معارف کو کشف سے ثابت کرتے ہیں اور کشف ظنی ہوتا ہے جس میں شک و شبہ کا احتمال بھی ہے اور غلطی کا امکان بھی۔ یہ حضرات آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کو کھینچا تانی کر کے اپنے موقف کے مطابق ڈھالتے ہیں اور آیات متشابہات سے اپنا مسلک ثابت کرتے ہیں۔

جبکہ متکلمین اہلسنت اپنے عقائد کو علوم وحی سے ثابت کرتے ہیں جو قطعی اور یقینی ہیں اور قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں جن میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں۔

◎..... صوفیائے وجودیہ کا موقف یہ ہے کہ شریعت اور طریقت جدا جدا ہیں جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۴۰)

◎..... طریقت، صوفیاء کا کشف ہے اور شریعت، انبیاء کا علم وحی ہے۔ صوفی خادم ہیں اور نبی علیہم الصلوٰات مخدوم ہیں اس لئے خادموں کا علم مخدوموں کے علم پر غالب نہیں کرنا چاہئے۔

ہمیں فص نہیں نص چاہئے

جب حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سے حضرت شیخ عبدالکبیر یمنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ”حق تعالیٰ سبحانہ عالم الغیب نہیں ہے“ اور اس کی تاویلات کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ جواباً ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگ فاروقی ایسی باتوں سے بے اختیار جوش میں آ جاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل و توجیہ

کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا قائل خواہ شیخ کبیر یعنی ہو یا شیخ اکبر شامی ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدرالدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام، مارابانص کا راست نہ بفس، فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است ہم کونص (قرآن و سنت) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم) سے، فتوحات مدنیہ (احادیث مبارکہ) نے ہم کو فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے جن میں حق تعالیٰ اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۰)

◎..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ

صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے کیا ان کیلئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے الذین اتخذوا دینہم لہواً ولعباً یعنی ان لوگوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ (الاعراف) (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

ایک اور مقام پر حضرت امام ربانی رقمطراز ہیں:

کل روز قیامت شریعت کی بابت پوچھیں گے تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما تہ علیہم نے جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں اپنی شریعتوں کی طرف ہی دعوت دی ہے اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۴۸)

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صوفیائے کرام کی نسبت کشف و شہود پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے اور نہ ہی انکو ولایت کی شرائط میں سے جانتے ہیں۔ علمائے اہلسنت کے کتاب و سنت کی روشنی میں بیان فرمودہ عقائد و اعمال کے مطابق عقائد و اعمال درست ہونے چاہئیں، ہمارے نزدیک یہی معیار اور کسوٹی ہے کشف و شہود کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز متکلمین اہلسنت کا دفاع و حمایت اس لئے فرماتے ہیں کہ ان کی تحقیقات و اجتہادات کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں۔ مذکورہ بالا چند توضیحات کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ سالکین کے دل و دماغ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ و ابہام جنم نہ لے جو حصول فیض میں رکاوٹ کا باعث ہو۔ والحمد لله على ذلك

◎..... دوں ہمت سالکین حق تعالیٰ سبحانہ کو شکلوں اور صورتوں کے قید خانوں اور شیشوں میں دید و دانش پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں جبکہ بلند ہمت اور بلند حوصلہ عارفین اخروٹ و منقی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ وہ تو بے حجاب دید محبوب کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں عالی ہمت لوگوں میں سے بنائے جو حق تعالیٰ کی محبت کے حقدار ہوتے ہیں۔ اللهم آمین بجاء النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم خواجہ بے رنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

مِنَهَا - ۲۳

در اوائل حال می بینم کہ در مکانے طواف می کنم و
 میں ابتدائے احوال میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں
 جمعے دیگر نیز با من دران طواف شریک اند اما بطوئے
 اور ایک دوسری جماعت بھی میرے ساتھ اس میں شریک ہے لیکن

محفوظ اولیاء ہی ملائکہ سے افضل ہیں

اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اپنی روحانی اور باطنی استعداد کا
 تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ باطنی استعداد اور روحانی صلاحیت عطا
 فرمائی ہے کہ جس کے مقابلہ میں ملائکہ بھی ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت انسان
 اور ملائکہ کے درمیان باہمی فضیلت کے متعلق قدرے وضاحت ہدیہء قارئین ہے۔
 قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز اس کے متعلق
 تحریر فرماتے ہیں:

اتفاق اہل سنت و جماعت و جمہور مشائخ طریقت
 انبیاء و آناں کہ محفوظ اند از اولیاء فاضل تر اند از فرشتگان
 بخلاف معتزلہ کہ ایشان ملائکہ را فاضل تر از انبیاء گویند
 یعنی اہل سنت و جماعت اور جمہور مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں کہ

سیر آن جماعہ بحدی ست کہ تا من یک دور طواف را
 اس جماعت کی ست روی اس حد تک ہے کہ جب تک میں طواف
 بانجام می رسانم آن جماعہ دوسہ قدم مسافت را قطع می
 کا ایک دور پورا کر کے پہنچتا ہوں وہ جماعت دو تین قدم کی مسافت کو
 نمایند در آن اثنا معلوم میگردد کہ این مکان فوق العرش
 قطع کرتی ہے اسی اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عرش سے فوق ہے

انبیائے عظام اور اولیائے کرام جو محفوظ ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں جبکہ معز لہ کے
 نزدیک ملائکہ نبیوں سے افضل ہیں۔ (کشف المحجوب فارسی ۲۶۰)

حضرت مولانا مولوی فیروز الدین مرحوم اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام علماء و صوفیائے محققین کے اتفاق سے مومنوں میں سے
 خواص، خاص فرشتوں سے افضل ہیں اور عام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ پس
 انسانوں میں سے جو لوگ گناہ سے محفوظ اور معصوم ہیں یعنی اولیاء و انبیاء وہ جبریل و
 میکائیل وغیرہم (علیہم السلام) خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور جو محفوظ و معصوم نہیں یعنی
 عام مومن وہ محافظ اور کرانا کاتبین فرشتوں سے افضل ہیں واللہ اعلم

(بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار میں ہے:

خواص البشر و اوساطہ، افضل من خواص الملائکہ و اوساطہ
 عند اکثر المشائخ یعنی اکثر مشائخ کے نزدیک خواص اور درمیانہ درجہ کے انسان،
 خواص اور درمیانی درجہ کے فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے

است وجماعه طواف کنندگان ملائک کرام اند علی

اور طواف کرنے والوں کی جماعت ملائکہ کرام ہیں۔ ہمارے

نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات واللہ یختص برحمته من

نبی اور ان پر صلوات و تسلیمات ہوں اور اللہ اپنی رحمت سے مختص فرماتا ہے

یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔

ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

خاص انسان جیسے انبیاء و اولیاء خاص و عام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام

انسانوں سے خاص فرشتے افضل ہیں۔ رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے بھی بدتر ہیں

کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اولئک ہم شرالبریہ (مرآة ۳/۳۰۶)

یاد رہے کہ رسالہ مبداء و معاد حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مختلف

اوقات میں پیش آنے والے واقعات و احوال کی تحریر فرمودہ روحانی یادداشتیں ہیں جن

کو آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی ذاتی بیاض سے لے

کر مرتب فرمایا تھا۔

حضرت امام ربانی کا مشاہدہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر بیان فرما رہے ہیں

کہ ابتدائے احوال میں جب ہم ولایات سرگانہ (ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور

ولایت علیا) میں سے آخری ولایت ملاء اعلیٰ میں روحانی سیر اور باطنی طیر فرما رہے تھے

تو ایک روز ہم نے عرش سے بالا ایک مقام کا مشاہدہ کیا جس میں ہم اور ملائکہ کرام کی

جماعت باہم اکٹھے طواف کر رہے ہیں۔ دوران سفر ہماری سرعت رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ہم طواف کا ایک دور مکمل کر لیتے ہیں اور فرشتے ابھی دو تین قدم ہی اٹھاتے ہیں یعنی اس سرعت سیر میں فرشتے بھی ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ واللہ یختص برحمته من یشاء۔ اسی لئے حضرت انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ روحانی سیر کے دوران عارف کامل کی پرواز جہاں تک ہوتی ہے فرشتے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے

اگر از برج معنی پرد طیر او
فرشتہ فروماند از سیر او

دراصل روز اول سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جن جن امور کی انجام دہی پر مامور فرمایا ہے وہ انہی امور میں مشغول ہیں جیسا کہ آیت کریمہ و یفعلون مایؤمرون سے عیاں ہے وہ تذکیر و تانیث، خورد و نوش اور دیگر نفسانی خواہشات سے مبرا ہیں اس لئے کسی قسم کا کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتے بنا بریں وہ گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں جیسا کہ آیت کریمہ لا یعصون اللہ ما امرہم سے واضح ہے

لیکن بایں ہمہ فرشتے ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور راہ ارتقاء ان پر مسدود ہے جیسا کہ آیت کریمہ و ما مننا الالہ مقام معلوم سے آشکارا ہے، جبکہ انسان نفسانی خواہشات و موانعات اور دیگر ضروریات زندگی کے باوجود جب اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور مجاہدات و ریاضات اور مصائب و آلام کو بھی مطلوب حقیقی کی طرف سے نعمت سمجھ کر برداشت کرتا ہے تو روحانی سیر کے دوران فرشتوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے بقول جگر مراد آبادی

بے فائدہ الم نہیں ، بے کار غم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
نیز حضرت انسان ایسی نعمت عظمیٰ اور دولت قصویٰ سے سرفراز ہے جسے درد و آہ،
جذب و مستی، سوز و گداز اور الحاح و فغاں کہتے ہیں جس سے ملائکہ بھی محروم ہیں۔
حضرت شیخ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی در خورد نیست
علامہ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے
نداند جبریل ایں ہائے و ہو را
کہ شناسد مقام جستجو را



نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں غرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

اطاعت رسول کے ثمرات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیج کر انسانی روح کا جسم
کے ساتھ تعلق و عشق پیدا کر دیا اور اسے طاعات و عبادات پر مامور فرما کر رجعت قبقری
کا حکم دے دیا تاکہ یہ دوبارہ عالم قدس کی طرف پرواز کرے مزید برآں امت محمدیہ اور

ملت مصطفویہ کو فاتبعونی فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی کا حکم دیا تا کہ انسان شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات پر عمل پیرا ہو کر قرب خدا کی منازل و مدارج کو طے کرے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لمحہ عروج و ارتقاء نصیب ہوتا رہتا ہے اس لئے آپ کے امتیوں کو بھی آپ کے طفیل وراثت و تبعیت کے طور پر ارتقاء میسر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وللآخرۃ خیر لك من الاولی سے واضح ہے۔ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
 فروغ دیدہ افلاک ہے تو
 تیرے صید زبوں افرشتہ و حور
 کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

مِنهَا - ۲۲

قباہ اولیاء اللہ صفات بشریت ایشان ست بہرچہ سائر
 اولیاء اللہ کے حجاب ان کی بشری صفات ہیں لے جن کے تمام
 مردم محتاج اند این بزرگواران نیز محتاج اند ولایت
 لوگ محتاج ہیں یہ بزرگ بھی محتاج ہیں ولایت
 ایشان را از احتیاج نمی برآرد و غضب ایشان نیز در رنگ
 ان کو احتیاج سے بری نہیں کرتی اور ان کا غضب
 غضب سائر مردم ست ہر گاہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم
 بھی تمام لوگوں کے غضب کی مانند ہے جبکہ سید الانبیاء آپ پر اور ان پر

صفات بشریہ سے مراد علل معنویہ ہیں

لے اس منہا کے ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے اولیائے کرام
 رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پردوں اور حجابات کو بشریت کی صفات قرار دیا ہے۔ صفات
 بشریہ سے مراد ناجائز شہوت، غضب، حسد، تکبر، طمع اور نفس وغیرہا ہیں جو قابل نفرت
 اور لائق مذمت ہیں۔ سالک اور صوفی احکام شرعیہ کو بجالانے اور شیخ کامل مکمل کی
 توجہات قدسیہ کی بدولت ان کدورات بشریہ (جن کا ازالہ تو ممکن نہیں البتہ امالہ ہو جاتا
 ہے) سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا

الصلوات و التسليمات فرمايد اغضب كما يغضب البشر
 صلوات و تسليمات ہوں فرماتے ہیں مجھے غصہ آتا ہے جیسے ہر انسان کو غصہ
 باولیا چہ رسد و ہمچنین این بزرگواران دراکل و شرب
 آتا ہے اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے

غضب و جلال پہلے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوتا تھا مگر دولت اسلام سے مشرف
 ہونے اور صحبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات کی بدولت امالہ ہو جانے کی وجہ سے یہی
 غضب و جلال کفار اور دشمنان اسلام کے خلاف ہو گیا تھا۔

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ ایک
 درویش نے حضرت خواجہ عبدالخالق عجد وانی قدس سرہ العزیز سے پوچھا کیا شیطان کو اس
 راہ کے چلنے والوں پر کچھ قابو ہوگا؟ حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کہ اس راہ کا چلنے
 والا جو شخص فنائے نفس کی سرحد تک نہیں پہنچا جب وہ غصہ میں ہوگا تو شیطان اس پر قابو
 پالے گا لیکن اس راہ کا چلنے والا جو شخص فنائے نفس حاصل کر چکا ہو اس کو غصہ نہیں آتا بلکہ
 غیرت ہوتی ہے اور جہاں کہیں غیرت ہوتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے اس
 قسم کی صفت اس شخص کیلئے مسلم ہوگی جو اپنا رخ راہ حق کی طرف رکھتا ہو۔

(مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۹)

قباب (بکسر قاف) قبہ کی جمع ہے جس کا معنی پردہ اور حجاب ہے۔

اولیاء اللہ کے بطون بشریت کے حجابات و صفات میں مستور ہوتے ہیں یہی وجہ
 ہے کہ جس طرح عامۃ الناس ضروریات زندگی کے محتاج ہوتے ہیں اولیائے کرام کو بھی
 انہی اشیاء کی حاجت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کا قرب و ولایت انہیں بشری ضرورتوں اور
 انسانی تقاضوں سے خارج نہیں کرتیں بلکہ انہیں جسمانی ضروریات اور دنیوی معاملات

کی ضرورت و حاجت رہتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ) سے عیاں ہے۔

جب جسمانی تقاضوں اور دنیوی معاملات کی انبیائے کرام علیہم السلام کو حاجت ہوتی ہے تو اولیائے کرام تو بدرجہ اتم ان کے ضرورت مند ہونگے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اغضب كما يغضب البشر یعنی جیسے دوسرے بشروں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غضب اور جلال آتا ہے۔ حدیث پاک کے مکمل الفاظ مبارکہ یوں ہیں:

اللَّهُمَّ انا بشر (وفی روایة انما محمد بشر ارضی كما یرضی البشر) اغضب كما يغضب البشر فایما مسلم سبته او لعنته او ضربته فاجعلها منی صلاةً علیه و زکاةً و قربةً تقر به بها الیک یوم القیامہ (منداحمہ ۲/۲۹۳)

یعنی اے اللہ! میں بشر ہوں (ایک روایت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف بشر ہے میں راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتے ہیں) میں بھی غضب ناک ہوتا ہوں جس طرح دوسرے بشر غضب ناک ہوتے ہیں۔ جس شخص کو میں سب و شتم کروں یا اس پر لعنت بھیجوں یا اس کی پٹائی کروں تو اسے، اس شخص کیلئے میری طرف سے رحمت بنا دے اور پاکیزگی اور قرب کا سامان بنا دے اور ان کے ذریعے تو اس شخص کو قیامت کے روز قرب کا ذریعہ بنا دے۔

دوسری روایت میں یوں الفاظ ہیں: اللہم انی اتخذت عندک عهداً لن تخلفنیہ فانما انا بشر فای المؤمنین اذیتہ شتمتہ لعنتہ جلدتہ فاجعلها له صلاةً و زکاةً و قربةً تقر به بها الیک یوم القیامہ (وفی روایة رحمة و اجرأ و کفارة) (مسلم کتاب البر والصلہ)

یعنی اے اللہ میرا تجھ سے ایک عہد ہو چکا ہے تو میرے اس عہد کو اپنے کرم سے ضرور پورا فرما، میں بشر ہوں اگر مومنوں میں سے کسی کو میں اذیت پہنچاؤں، اس کو گالی دوں، اس پر لعنت کروں، اس کو ماروں تو تو میرے اس رنج پہنچانے کو اس کے حق میں رحمت، پاکی اور اپنے قرب کا سبب بنا (اور دوسری روایت میں رحمت، اجر اور کفارہ کے الفاظ بھی ہیں) اور اس کی وجہ سے قیامت کے روز اس شخص کو اپنا قرب عطا فرما۔

یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا البتہ اگر کبھی کسی کو سخت دست کہا تو وہ محض تادیبی کارروائی کے طور پر نظم و ضبط اور تربیت کی خاطر ایسا کیا ہے یا پھر حد و شرعیہ کے قیام کیلئے اور کفار کے خلاف جہاد و قتال میں ایسا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی ہے۔ ماضرب رسول اللہ شیئاً قط بیدہ ولا امرأۃ ولا خادماً الا ان یجاہد فی سبیل اللہ وما نیل منه شیئ قط فینتقم من صاحبه الا ان ینتھک شیئ من محارم اللہ فینتقم للہ عزوجل (صحیح مسلم کتاب الفہائل) یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو البتہ جہاد فی سبیل اللہ میں قتال فرمایا اور جب بھی آپ کو کچھ نقصان پہنچایا گیا آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حدود کی خلاف ورزی کی جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تأخذکم بہمارأفة فی دین اللہ یعنی تمہیں دین کے معاملے میں ان پر ترس نہ آئے (سورہ نور ۲) نظم و ضبط کی خاطر غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کے دوران حضرت عکاشہ کو مسواک چبھو کر صف درست کرنے کا حکم فرمایا مگر تعلیم امت کی خاطر خود کو قصاص کیلئے پیش فرما دیا۔ غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و جلال کی حقیقت کا کسی کو علم نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ کے چہرہ انور سے اس کے آثار سرنخی کی

صورت میں نمودار ہوتے اور آپ اس پر انتقام لیتے مگر امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کیلئے غضب نہیں فرماتے تھے۔ (جامع الترمذی ابواب الشمائل)

◎ یہ بھی یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و منافقین کے خلاف جو دعائے ضرر فرمائی وہ ان کے حق میں رحمت، اجر و کفارہ نہیں ہوئی بلکہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے مستجاب ہوئی۔

◎ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ضرر اس مسلمان کے حق میں رحمت، طہارت، اجر اور کفارہ کا باعث ہوگی جو دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت ہے فایما احد دعوت علیہ من امتی بدعوة لیس لها باہل ان يجعلها له طهورا الخ (مسلم) یعنی اگر میں غیر مستحق کے خلاف دعائے ضرر کروں تو اے اللہ تو اس کو اس کیلئے رحمت بنا دے۔ یہاں تین امور کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں

۱..... بشریت مطہرہ

۲..... غضب اور جلال کا اجمالی تذکرہ

۳..... حالت غضب میں جو اس کا توازن

بشریت مطہرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کے لئے تمام انبیائے کرام کو صورت بشریہ میں مبعوث فرمایا جیسا کہ آیات کریمہ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیہم (النحل) اور قل انما انا بشر مثلکم (الکہف) سے عیاں ہے تاکہ فیوض و برکات اور خیرات و حسنات کے افاضہ اور استفادہ میں سہولت رہے جبکہ ملائکہ

کرام کی نورانیت و لطافت اور بندوں کی بشریت و کثافت اور ان کی باہمی عدم مناسبت کی وجہ سے افادہ و استفادہ ممکن نہ تھا اسی لئے، کسی بھی فرشتے کو منصب نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

علمائے عقائد نے رسول کی تعریف میں یوں تصریح فرمائی ہے

الرسول انسان بعثه الله تعالى الى الخلق لتبليغ الاحكام (شرح عقائد) یعنی رسول وہ عظیم المرتبت انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔

یاد رہے کہ رسول، صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے جبکہ نبی کیلئے ان کا ہونا ضروری نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نورانیت (عالم امر) اور بشریت (عالم خلق) سے مرکب ہیں۔ نورانیت کے باعث آپ حق تعالیٰ سے فیض لیتے ہیں اور بشریت کی بدولت مخلوق کو فیض دیتے ہیں۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے کیا خوب بیان کیا ہے

أدھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدود کا

واضح رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت مقدسہ بھی بے مثل ہے

اور بشریت مطہرہ بھی بے مثل۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنصری پیدائش نے آپ کی ملکی

پیدائش پر غلبہ کیا ہوا تھا تا کہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ

مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بشریت (مبارکہ) کے ظاہر کرنے کی تاکید فرمائی

ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ یعنی اے پیکر رعنائی و زیبائی، آپ فرمائیے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ لفظ مثلکم کا لانا تاکید بشریت کیلئے ہے مگر وجود عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی جہت غالب آگئی اور آپ کی بشریت کی مناسبت کم ہوگئی۔

(دفتر اول مکتوب ۲۰۹)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی مزید توضیحات پیش خدمت ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی مانند نہیں ہے بلکہ عالم کے تمام افراد میں سے کسی فرد کے ساتھ آپ کی پیدائش اور آپ کا وجود انور مناسبت و مشابہت نہیں رکھتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود جسم عنصری رکھنے کے نور حق جل و علا سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا خلقت من نور اللہ (میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں)..... کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امکان سے پیدا ہوئے ہیں جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس امکان سے پیدا نہیں ہوئے جو باقی کائنات عالم میں پایا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخر کار مختلف رحموں سے منتقل ہوتے ہوئے حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر انسانی صورت میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا اور محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے موسوم ہوئے..... کتنی ہی دقت نظر سے صحیفہ ممکنات عالم کا مطالعہ کیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود انور مشہود نہیں ہوتا چونکہ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم اس ممکنات عالم میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے فوق ہیں اسی بنا پر آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

غالباً حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی قدس سرہ العزیز نے اسی مفہوم کو

یوں بیان فرمایا ہے:

گویند کہ آں مظہر جاں سایہ نداست
وین طرفہ کہ عالم ہمہ در سایہ اوست

انا بشر مثلکم کی حکمت

مظہر کمالات خفی و جلی حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کی تین قسمیں ہیں۔

①..... ایک عوام کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے دل و جان سے گرویدہ ہو کر ایمان لائے ہیں۔

②..... دوسرا ایمان اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ صاحبان مشاہدہ ہیں ان کا ایمان شہودی ہوتا ہے کیونکہ ظلمانی حجاب کو یہ حضرات چاک کر چکے ہوتے ہیں جو بے صبری، بے قناعتی، بے توکلی اور خیال غیر سے عبارت ہے اور نورانی حجاب کو طے کر کے مرتبہ شہود تک پہنچے ہوتے ہیں جو صفات و شیونات اور اعتبارات ذاتیہ سے عبارت ہے۔

③..... تیسرا ایمان اکابر کا ہوتا ہے کہ یہ بزرگ شہود سے بھی آگے گزر گئے ہوتے ہیں اور کمال وصال سے پیوستہ ہوتے ہیں اور ان کا ایمان بھی ایمان غیبی کے رنگ میں ہوتا ہے کیونکہ مشاہدے کی، کمال اتصال کے مرتبے میں گنجائش نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے لے جائے تو غیب ہے اور جب اپنے سامنے لے آئے تو مشاہدہ ہو جائے گا اور آنکھ کی پتلی پر رکھ لے تو پھر غیب ہو جائے گا پس وصل بے فصل کے مرتبہ میں بھی غیب متحقق ہے اسی لئے تو کہتے ہیں کہ جو خاص الخاص حضرات ہیں وہ عوام کی مانند ہوتے ہیں، انا بشر مثلکم

میں یہی راز پوشیدہ ہے۔ (درالمعارف)

اہل اللہ کے صفائے باطن کی بنا پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ جس عارف پر تجلیات جمالیہ کا غلبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اُس سے زیادہ محبت و پیار کا ظہور ہوتا ہے اور جس سالک اور صوفی پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات جلالیہ کا غلبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اس سے غضب اور جلال کا ظہور ہوتا ہے اور بعض عارف اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال دونوں کے مظہر ہوتے ہیں جب کبھی تجلیات جلالیہ کا غلبہ ہو جائے تو ان سے جلال کا ظہور ہوتا ہے اور جب کبھی تجلیات جمالیہ کا غلبہ ہو جائے ان سے جمال و پیار کا ظہور ہوتا ہے۔

جب کوئی سالک خلوص نیت اور صدق قلب کے ساتھ کسی شیخ کامل مکمل کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیتا ہے اور مردہ بدست غسل کے مصداق ہر قسم کی مشقت و ریاضت اور شیخ کی جلالی و جمالی تربیت کو بطیب خاطر برداشت کرتا ہے اور بادۂ وحدت کا متوالہ بن کر شاہراہ محبت پر گامزن جہاد اکبر میں مصروف ہو جاتا ہے تو کبھی زبان حال اور کبھی زبان قال سے نعرہ مستانہ لگاتا ہے لو وددت ان

اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی الخ بقول شاعر

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

چونکہ شیخ کامل کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر موقوف ہوتا ہے اس لئے اگر وہ کسی سالک کو سخت وست، زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ اور لعن طعن کرتا ہے تو اس میں المرید لا یرید الا اللہ کی اصلاح و تربیت مقصود ہوتی ہے، ذاتی اغراض اور نفسانی فساد و انتقام کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کم فہم، ظاہر بین اور نادان شخص شیخ کی ایسی حرکات و سکنات کو دیکھ یا سن کر چیں بچیں ہو جائے اور جلال، جلال کی رٹ لگاتا

رہے تو اس کا کیا علاج؟ (فافہم وتدبر)

مولانا روم مست بادۂ قیوم ایسے لوگوں کے متعلق یوں گویا ہیں

کار پا کاں را قیاس از خود مکیر
زانکہ ماند در نوشتن شیر و شیر
قہر و عتاب میں بھی تو رحمت ہے مستتر
یہ نکتہ کب خیال میں ناقص کے آسکے

درحقیقت جو سالک، صاحب جلال شیخ کامل کی جلالی تربیت کو بخوشی قبول کر لیتا ہے کندن بن جاتا ہے کیونکہ شیخ کی زجر و توبیخ میں نہ جانے کتنے راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ گو جمالی تربیت کی بڑی برکات ہیں مگر جلالی تربیت کی تاثیرات دیر پا اور زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت زید ابوالحسن فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی جامع الشریعہ والطریقہ حضرت عبداللہ شاہ ابوالخیر فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

ایک مرتبہ صاحب جذبہ و نسبت عبداللہ پٹھان کے واسطے چند ضرب چوب کی سزا آپ نے تجویز فرمائی تو دوسرے پٹھان نے تعمیل ارشاد کیا۔ جس وقت ان پر پہلی ضرب پڑی انہوں نے ضارب سے کہا زور سے مارو۔ ہر ضرب پر وہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ سزا پوری ہونے پر انہوں نے مسرت کا قبہ لگایا اور وجد کی حالت میں رقصاں اٹھے۔ تھوڑی دیر ان پر ایک خاص کیفیت طاری رہی۔ ایک ہندوستانی مخلص اس تمام کیفیت کو دیکھتے رہے آخر میں عبداللہ سے حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے کہا اے عزیز! یہ سزا نہیں تھی یہ تو میرے لئے اکسیر حیات تھی۔ مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور میں باطنی حلاوت کھو بیٹھا تھا اور دل پر غفلت کے پردے پڑ گئے تھے جس کی بناء پر

میں از حد متالم تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ ظلمت کے پردے چاک ہوتے گئے اور جب میں اٹھا تو وصل محبوب، نقد وقت تھا۔

بمجد للہ کہ چشم باز کردہ
مرا با جان جاں ہمراز کردہ
(بزم خیر از زید)

حالت غضب میں حواس کا اعتدال

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی نقشبندی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ قوت غصہ کا محل قلب ہے اور اس قوت کی غذا شہوت اور انتقام ہے۔ اس قوت کے اعتبار سے انسان فطرتی طور پر تین درجات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

۱.....تفریط ۲.....افراط ۳.....اعتدال

تفریط (کمی)

یہ اس وقت ہوتی ہے جب یہ قوت بالکل نہ پائی جائے یا اس میں کمزوری ہو اور یہ مذموم ہے، اس قسم کے لوگوں میں حمیت اور غیرت نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جس میں غصے اور غیرت کی قوت مفقود ہو وہ بالکل ناقص ہے۔ اس قسم کا انسان قابل نفرت اور لائق مذمت ہوتا ہے کہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میرے گھر میں کون آتا جاتا ہے ایسے شخص کو دیوٹ کہا گیا ہے جو منخت اور بیخوڑے سے بھی بدتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان سعداً لغبور وانا اغیر من سعد وان اللہ اغیر منی یعنی بے شک سعد رضی اللہ عنہ غیرت مند ہیں میں ان سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب اللعان)

غیرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ نسبتیں محفوظ رہیں۔ اگر اس میں چشم پوشی سے

کام لیں گے تو نسبتیں خلط ملط ہو جائیں گی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس امت کے مردوں میں غیرت رکھی گئی ہے ان کی عورتیں محفوظ رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شدت اور حمیت کو اشداء علی الکفار اور واغلظ علیہم سے بیان فرمایا ہے۔

افراط

جس شخص میں غصہ کی اس قدر زیادتی ہو کہ وہ شخص غصہ سے مغلوب ہو جائے اور اس کا اپنے آپ پر کنٹرول نہ رہے اور اس قدر منجبوط الحواس ہو جائے کہ عقل و دین کی سیاست و اطاعت اور نظر و فکر اور بصیرت نہ رہے۔ دوران غصہ اس کی حرکات و سکنات اور شکل و صورت کی ہیئت کذائی تک مضطرب اور متغیر ہو جاتی ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، نتھنے پھول جاتے ہیں، اعضاء پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، منہ سے نکلنے والے الفاظ کا نظم و ضبط ٹوٹ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ فحش گوئی اور گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ وغیرہا

احادیث مبارکہ میں غصہ کا علاج بھی تجویز فرمایا گیا ہے کہ جب کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے..... بیٹھا ہو تو تکیہ لگالے..... تکیہ لگائے ہو تو لیٹ جائے..... بلکہ فرمایا سو جائے..... غصہ آئے تو خاموش ہو جائے..... پانی کے ساتھ کلی کر لینی چاہئے یا وضوء کر لینا چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حالت غصہ میں درج ذیل دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی فلہذا یہ دعا پڑھنا علمائے کرام نے مستحب قرار دیا ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں اللهم رب النبی محمد اغفر لی ذنبی و اذهب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن (کنز العمال جلد ہفتم)

نیز حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل دعا نقل فرمائی ہے:

اللهم اغفر لی ذنبی و اذهب غیظ قلبی و اجرنی من الشیطان

الرجيم (احياء العلوم جلد اول)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے ایک جملے میں اخلاق حسنہ کی تلقین فرمائیے..... آپ نے فرمایا ”غصے کو چھوڑ دو“
حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے غصہ کو کفر کے ارکان میں سے بتایا ہے۔

اعتدال

حالت غضب میں انسان مغلوب الحواس اور مخبوط العقل نہ ہو، اس کے اعضاء و جوارح متوازن رہیں، بلکہ وہ بردباری اور تحمل مزاجی سے کام لے، اسے اعتدال کہتے ہیں اسی کو استقامت اور وسط سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس کا ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف فرمایا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا خیر الامور او ساطھا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی پائی جائے۔ (شعب الایمان ۲۶۱/۵) یہی صراط مستقیم ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

یاد رہے کہ بعض اوقات ضروری امور میں بھی غصہ بالکل مفقود ہوتا ہے جب اس کا قلب اس سے بھی اہم امر کی طرف مشغول ہو کیونکہ اس وقت قلب میں غصے کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے گالی دی تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اگر میزان میں میرا نامہ اعمال کم ہوا تو جو کچھ تو کہتا ہے میں اس سے بھی برا ہوں اور اگر میرے اعمال کا پلڑا بھاری رہا تو تیری گالی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (چونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تمام تر توجہ آخرت کی طرف مبذول تھی اس لئے آپ کا قلب گالی سے متاثر نہیں ہوا)

◎..... ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اے ریاکار، آپ نے فرمایا تیرے سوا کسی نے مجھے نہیں پہچانا گویا اس وقت آپ خود سے ریاکاری کی

آفت کو دور کرنے میں مشغول تھے اور جو کچھ شیطان کہتا تھا اس کا انکار فرماتے تھے فلہذا جب آپ کو ریاکار کہا گیا تو آپ کو غصہ نہیں آیا۔

○..... کسی شخص نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو گالی دی آپ نے فرمایا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔

مذکورہ واقعات سے معلوم ہوا کہ آتش غصہ سے نجات حاصل کرنا محبت دنیا سے قلب کو پاک کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب سالک کو دنیا کی آفات اور خرابیوں کا علم ہو جائے۔

جسمانی صحت اور معمولی رزق کو بھی دنیا فرایا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت ہے من اصبیح امنأ فی سربہ معافی فی بدنہ ولہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذا فیرہ یعنی جو شخص اپنے گھر میں امن کے ساتھ رہا اسے جسمانی صحت اور ایک روز کا رزق حاصل ہو گیا گویا دنیا اطراف سے اس کے پاس اکٹھی ہو گئی۔ (الترغیب والترہیب جلد اول کتاب الصدقات)

جبکہ قطب الابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ العزیز کے متعلق مشائخ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر مالدار تھے کہ آپ کے مویشیوں کی میخیں (کلیے) بھی سونے اور چاندی کی ہوا کرتی تھیں لیکن مال و دولت کی فراوانی کے باوجود "اگر داری برائے دوست دارد" کے مصداق ہمہ وقت مخلوق خدا کی امداد و اعانت، رشد و ہدایت اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مشغول تھے کہ سلطان العشاق حضرت مولانا عبدالرحمان جامی، محدث یگانہ حضرت ملا علی قاری احراری اور خواجہ، خواجگان حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہم جیسے ابنائے روزگار کے مقتدا و پیشوا تھے۔

در اصل فقر کا حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ

”اگر مال دنیا ہاتھ سے چلا جائے تو بندہ غریب ہو جاتا ہے اور اگر مال دنیا دل

سے چلا جائے تو بندہ فقیر ہو جاتا ہے“ (ماخوذ از احیاء العلوم وغیرھا)

یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت غضب و جلال میں بھی حواس

مبارک معتدل اور متوازن رہتے تھے اور اس حالت میں بھی آپ کی زبان اقدس سے

جو کچھ بھی نکلتا تھا حق ہی نکلتا تھا جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو تحریر کر لیا کرتے تھے۔ ایک

دن مشرکین مکہ نے منع کرتے ہوئے کہا انہ بشر یتکلم فی الغضب والرضاء

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بشر ہیں وہ کبھی غضب میں کلام کرتے ہیں اور کبھی

راضی ہوتے ہیں لہذا ان کی ہر حدیث نہ لکھا کرو۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ

عنہ نے حاضر خدمت ہو کر سارا ماجرا عرض کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اكتب فوالذي بعثني بالحق نبيا ما يخرج منه الا الحق یعنی میری ہر بات

لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس نے مجھے سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اس (زبان

مبارک کی طرف اشارہ فرمایا) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد جلد ثانی کتاب العلم)

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلنے والا ہر قول حق

ہے مگر وہ قول یا تو زبان نبوت سے من حیث الرسائلیا من حیث

البشریت صادر ہوا۔ جو قول من حیث الرسائل صادر ہوا وہ وحی منزل

من اللہ ہے اس کا انکار بندہ مومن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور جو قول من

حیث البشریت صادر ہوا اسے تسلیم نہ کرنا ہرگز کفر نہیں۔ (از افادات امام اہلسنت

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا اور ارشاد فرمایا

ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھوادوں کہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے کہا کہ کاغذ لانا چاہئے اور دوسری جماعت نے کاغذ لانے سے منع کر دیا حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی جماعت میں سے تھے جو کاغذ کیلئے راضی نہ تھے اور فرمایا حسبنا کتاب اللہ (ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ قلم و کاغذ طلب نہ فرمانا بلکہ اس سے اعراض کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ امر از روئے وحی نہیں تھا بلکہ یہ کلام بقاضائے بشریت، شدت درد و مرض کی وجہ سے بلا قصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہو گیا تھا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف، رد و انکار کی وجہ سے نہیں تھا عیاذ باللہ سبحانہ عن ذالک بلکہ یہ تامل و توقف استفسار کیلئے تھا جو ہرگز مذموم نہیں جیسا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد ”استفہموا“ سے واضح ہے۔

ملائکہ کرام نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کیلئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک (البقرہ) اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے وقت عرض کیا تھا انی یکون لی غلام وکانت امراتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا (مریم) اگر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی استفہام و استفسار کے طور پر کاغذ لانے میں توقف کیا تو کیا مضائقہ ہے اور یہ شور و شرکیوں ہے؟۔ (ماخوذ از مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۶، ۹۶ دفتر دوم)

ایسے ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر شرائط معاہدہ طے ہو جانے کے بعد جب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہذا ما اصطلع علیہ محمد رسول اللہ لکھا تو کفار کے احتجاج پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا اکتب محمد ابن عبد اللہ یعنی محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ امام بیہقی نے دلائل النبوة جلد چہارم میں جو روایت کے الفاظ نقل فرمائے ہیں وہ یہ ہیں قال لعلی امحہ فابی فمحاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ارشاد فرمایا اسے مٹا دو، ان کے انکار کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے محو کر دیا بلکہ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں بھی ہیں لا امحوک ابدأً قاجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ کے الفاظ محو کرنے سے انکار، حضرت اسید بن حفیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم کا مٹانے سے انکار پر اصرار معاذ اللہ کسی نافرمانی یا گستاخی کے باعث نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بر بنائے محبت تھا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کی قلبی طمانیت کا اہتمام فرماتے رہے۔ ایسے ہی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ پیش کرنے میں توقف و تامل، انکار کے باعث نہ تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت مرض کے پیش نظر تھا۔

یاد رہے کہ قرن اول کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تکلفات سے بری اور عبارتوں کی آلائش سے مستغنی تھے..... ان کی ہمتن کوشش اصلاح باطن میں ہوتی تھی اور انکا ظاہر انکی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا..... اس زمانے میں آداب کی رعایت حقیقت و معنی کے اعتبار سے ہوتی تھی صورت و لفظ کے اعتبار سے نہیں..... اس لئے اگر

اس قسم کی کوئی عبارت جو سوء ادب کا وہم پیدا کرتی ہو تو اس زمانے والوں کے نزدیک وہ جھوٹ اور فریب سے پرے ہے۔ آنسور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان بزرگوں سے صادر ہونے والی ایسی باتوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور عبارت کے اصل مطلب کو دیکھنا چاہئے الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں انکو ملحوظ نہ رکھنا چاہئے، سلامتی کا طریقہ یہی ہے۔ واللہ سبحانہ الموفق (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶)

واضح رہے کہ احکام اجتہاد یہ میں غیر پیغمبر (امتی) کو پیغمبر علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے بشرطیکہ وہ غیر پیغمبر اجتہاد کے مرتبے تک پہنچ چکا ہو۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۵)

یاد رہے کہ امور اجتہاد یہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو اختلاف ہوا اگر اس میں عیاذ باللہ سبحانہ ہو اور تعصب کا شائبہ بھی ہوتا تو وہ انکو اہل ارتداد کے زمرہ میں کھینچ لے جاتا اور اہل اسلام کے حلقہ سے خارج کر دیتا کیونکہ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوء ادب اور سوء معاشرت کفر ہے اعاذنا اللہ سبحانہ بلکہ یہ اختلاف امر فاعتبروا کی بجا آوری کی بنا پر ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تو احکام اجتہاد یہ میں اس کو دوسروں کے اجتہاد اور رائے کی تقلید کرنا خطا اور منہی عنہ ہے۔ ہاں نازل شدہ احکامات میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور ان میں تقلید کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور ان پر ایمان لانا اور ان کے تابع ہونا واجب ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زمانہ نبوت کے گزر جانے کے بعد احکام اجتہاد یہ ظنی ہیں جو عمل کرنے میں تو مفید ہیں لیکن اعتقاد کیلئے مثبت نہیں کہ ان کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے لیکن اگر مجتہدین کا اجماع ان احکام پر منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ احکام اعتقاد کیلئے بھی مثبت ہونگے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶)

ومعاشرت با اہل و عیال و موانست با ایشاں با سائر ناس
اہل و عیال کے ساتھ معاشرت اور ان کے ساتھ موانست میں تمام
شریک اند تعلقات شتی کہ از لوازم بشریت است از
لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ ۲ مختلف تعلقات جو بشریت کے لوازم ہیں

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح عامۃ
الناس ضروریات زندگی، معاشرتی تقاضوں اور باہمی محبت و پیار کے محتاج ہوتے ہیں
اہل اللہ کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہاں درج ذیل تین اشیاء کا اجمالی
تذکرہ ہدیہء قارئین ہے۔

◎ کھانے کے آداب مسنونہ

◎ اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرت

◎ اہل و عیال کے ساتھ موانست

کھانے کے آداب مسنونہ

چونکہ عامۃ الناس کے مانند اہل اللہ بھی خورد و نوش کے محتاج ہوتے ہیں کہ یہ
اعمال صالحہ کا ذریعہ ہیں کیونکہ علم و عمل پر مداومت جسم کی سلامتی کے بغیر ممکن نہیں اور
بدن کی سلامتی رزق کے بغیر نہیں ہوتی اسی بنا پر اعمال صالحہ سے پہلے رزق حلال کا ذکر
فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی جل سلطانہ کلوا من الطیبات و اعملوا صالحاً
سے عیاں ہے۔ سالک کیلئے رزق حلال کا اہتمام کرنا، مشتبہ اور حرام لقمے سے بچنا از بس
لازم ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل لحم بنت من
حرام النار اولیٰ بہ یعنی جو گوشت حرام سے پروان چڑھا آگ اس کی زیادہ حقدار

ہے۔ (شعب الایمان ۵/۵۷)

جو شخص روزانہ متواتر حلال روزی جسمیں حرام کی آمیزش نہ ہو کھاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے قلب کو پر نور کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل میں جاری کر دیتا ہے۔

علم و حکمت اور عشق و رقت، رزق حلال کا ہی ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں جس کے بغیر ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ مولانا روم مست بادۃ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال

یہاں کھانے کے مسنون آداب کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ سالکین ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں و باللہ التوفیق

◎ طعام سے قبل ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے۔

◎ جوتے اتار دینا کہ اس میں پاؤں کیلئے راحت ہے۔

◎ دسترخوان کو زمین پر بچھانا سنت کے زیادہ قریب ہے کہ اس میں تواضع پائی جاتی ہے۔

◎ دوزانوں ہو کر پاؤں کی پشت پر بیٹھنا یا دایاں گھٹنا کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھنا، یا سرین پر بیٹھنا اور دونوں گھٹنے کھڑے رکھنا۔

◎ اکٹھے ہو کر کھانا کہ اس میں برکت ہے۔

◎ آہستہ آواز سے بسم اللہ پڑھنا۔

◎ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔

◎ اپنے آگے سے کھانا البتہ جب طباق میں مختلف اشیاء پڑی ہوں تو دوسروں کے آگے سے اٹھا کر کھا سکتا ہے۔

- اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے بسم اللہ بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے اسی وقت یہ دعا پڑھ لے بسم اللہ اولہ، و اخرہ
- کھانے میں عیب نہ نکالے اگر پسند ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔
- جو شخص صحیح طریقے سے نہ کھائے اسے تنبیہ و تلقین کرے۔
- برتن کے درمیان سے نہ کھائے کیونکہ وہاں برکت نازل ہوتی ہے۔
- جب پانی وغیرہ پیئے تو دو، دو، تین، تین بار سانس لے کیونکہ اس میں زیادہ سیرابی ہوتی ہے اور یہ صحت کیلئے مفید و خوشگوار ہے۔
- برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے پرہیز کرے۔
- جب پانی پیئے تو بسم اللہ کہے اور جب منہ سے برتن ہٹائے تو الحمد للہ کہے۔
- پانی کھڑے ہو کر پینے کی بجائے بیٹھ کر پینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ البتہ آب زمزم، وضوء اور مشائخ کا بقیہ پانی بطور تبرک کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔
- حدیث شریف میں کھانے پینے کے وقت یہ دعا بھی پڑھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے بسم اللہ و باللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء یا حی یا قیوم پڑھنے والا ہر قسم کی بیماری و ضرر سے محفوظ رہے گا۔
- گرم کھانا کھانے سے اجتناب کرے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی۔
- کھانا کھانے کے بعد برتن اور انگلیوں کو چاٹ لے کہ یہ باعث برکت ہے اور برتن اس کیلئے دعا و استغفار کرتا ہے پھر کسی رومال وغیرہا سے ہاتھوں کو صاف کر لے۔
- کھانے کی ابتداء اور اختتام نمک سے کرنا چاہئے کہ اس سے ستر بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ (شامی)
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین۔

یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اپنے مرشد گرامی شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کی مجلس طعام میں حاضر تھے شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں باسم اللہ بلند آواز سے کہا تو آپ کونا گوار ہوا حتی کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ انکو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کریں۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرت

مشیت ایزدی نے تقاضائے ازلی کے تحت عورت کے ساتھ محبت اور رغبت انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے اس لئے انسان عورت کے ساتھ محبت و مودت پر مجبور اور مامور ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنْ آيَاتِهِ انْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً لِيَعْنَى اللّٰهُ تَعَالَىٰ نَ تَمَّهَارَے نَفْسوں سے عورتیں پیدا کیں تاکہ تمہیں ان سے سکون ملے اور تمہارے درمیان محبت اور مودت کا رشتہ قائم فرمایا۔ (الروم ۲۱)

ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت ہے:

حبب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وجعل قرۃ عینی فی الصلوۃ یعنی مجھے تمہاری دنیا سے تین اشیاء کی محبت دی گئی ہے وہ خوشبو ہے، عورتیں ہیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے۔ (احیاء العلوم ۴/۳۱۴)

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

النکاح سنتی فمن احب فطرتی فلیستن بسنتی یعنی نکاح میری سنت ہے پس جو شخص فطرت سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت کو اپنائے۔

(مسند ابویعلیٰ ۳/۱۷۳)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشيطان مع الواحد یعنی شیطان تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

چونکہ تنہائی میں شیطان انسان کا ہم نشین ہوتا ہے اس لئے وہ اس کی نفسانی شہوات کو برا بیچتے کرتا ہے اس لئے ارتکاب معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے میاں بیوی کی مجالست سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں بشرطیکہ دونوں میں باہمی موافقت اور ذہنی موافقت ہو، بصورت دیگر زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ جل سلطانہ ہن لباس لکم و انتم لباس لهن (عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو) اسی مفہوم کا غماز ہے۔ مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اس امر کو واضح کر دیا کہ لباس پردہ ہوتا ہے جو ستر پوشی اور زینت کا باعث ہوتا ہے، نیز انسان کے حسن و جمال کو نکھارتا، سنوارتا اور راحت کا موجب ہوتا ہے، علاوہ ازیں انسان کو سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔

لیکن انسان کو یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ نکاح کے ذریعے محض قضائے شہوت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی نہیں بلکہ پاکیزہ اور عفت مآب زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ نسل انسانی کی بقاء اور توالد و تناسل مقصود ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات ہے تناکحوا تکثروا فانی اباہی بکم الامم یوم القیامة حتی بالسقط یعنی نکاح کرو اور زیادہ ہو جاؤ بے شک میں روز قیامت تمہارے سبب دوسری امتوں پر فخر کروں گا حتی کہ اس بچے پر بھی جو نا تمام پیدا ہوا۔ (مصنف عبدالرزاق ۶/۱۷۳)

ایک روایت میں یوں ہے:

تناکحوا تناسلوا یعنی نکاح کرو اور نسل کو بڑھاؤ (احکام القرآن للقرطبی ۵/۳۹۱)

ایک روایت میں یوں ہے:

سوداء و لود خیر من حسناء لا تلد یعنی بچے جننے والی سیاہ رنگ عورت نہ جننے والی خوبصورت عورت سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد جلد چہارم، کتاب النکاح) نیز ایک روایت میں یوں ہے:

خیر نساء کم الولود الودود یعنی تمہاری عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جو زیادہ بچے جنتی اور زیادہ محبت کرتی ہے۔ (کنز العمال ۱۶/۲۹۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے دیندار عورت کو ترجیح دینے کی تلقین فرمائی ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے: تنکح النساء علی اربعة علی المال والحسب والدين فعليكم بذات الدين فانه ما استفاد امرء بعد الا سلام خيراً من زوجة مومنة موافقة ليسر بها اذا نظر اليها یعنی عورتوں سے چار اغراض کے پیش نظر نکاح کیا جاتا ہے مال، حسب، خوبصورتی اور دین کے لئے پس تم پر دیندار عورت سے نکاح کرنا لازم ہے کیونکہ اسلام کے بعد انسان مومنہ فرمانبردار بیوی سے بہتر کسی اور چیز سے مستفید نہیں ہو سکتا کہ وہ جب اسے دیکھے تو اسے مسرت ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خیار کم خیار کم لنسائهم یعنی تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ (جامع الترمذی)

شریعت مطہرہ میں جہاں اولاد کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل امور کی بھی تلقین فرمائی ہے چنانچہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات ہے:

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبيکم و حب اهل بيته و قراءة القرآن یعنی اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

محبت، آپ کی اہلیت سے محبت اور قرآن کا پڑھنا۔ (کنز العمال)

حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمانان عالم اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کرتے رہے تو کامیابی و کامرانی ہر قدم پر انکا استقبال کرتی رہی اور جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و سنت سے ہم محروم ہو گئے ہیں ذلت و رسوائی اور ہر میدان میں ہسپائی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔ بقول اقبال مرحوم

شے پیش خدا بگر بستم زار مسلماناں چرا خوارند و زارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایس قوم دلے دارند محبوبے ندارند

اردو زبان میں کسی نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

ان کے جو غلام تھے خلق کے پیشوا رہے

ان سے پھرے، جہاں پھرا، آئی کمی وقار میں

یاد رہے کہ جہاں اہل و عیال کی کثرت کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے وہاں

ازواج و اولاد کے فتنوں کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان من ازواجکم و اولادکم فتنۃ یعنی تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد

فتنہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ماترکت بعدی فتنۃ اضر

علی الرجال من النساء یعنی میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ

سے بڑھ کر ضرر رساں اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ (کشف المحجوب ۴۱۲)

اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت بھی ملاحظہ ہو۔

خیر الناس فی آخر الزمان خفیف الحاذقیل یا رسول اللہ وما

خفیف الحاذقیل الذی لا اهل له ولا ولد له یعنی اخیر زمانہ میں لوگوں میں وہ

شخص فائدے میں رہے گا جو خفیف الحاذق ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

خفیف الحاذقون ہوتا ہے؟۔ ارشاد فرمایا کہ جس کے اہل و عیال نہ ہوں۔ (کشف المحجوب ۴۱۱)

انہی مخالف المفہوم آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات کے پیش نظر مشائخ طریقت کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تجرید کو تزویج پر فوقیت دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ تزویج کو تجرید سے افضل گردانتا ہے۔

قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کو ایسی موافق الحال رفیقہء حیات میسر ہو جائے جو ضرورت سے زیادہ فضول خرچ اور محال چیزوں کی طالب نہ ہو نیز صوفی اور سالک کا قلب ماسوی اللہ میں مشغول اور لذت نفسانی میں منہمک بھی ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر گوشہ نشین اور عزلت گزین بعض اہل اللہ حالت تجرید کو افضل قرار دیتے ہیں بشرطیکہ ان کا قلب فتور سے خالی ہو اور ان کی طبیعت ارتکاب معاصی اور نفسانی خواہشات کے ارادوں سے روگرداں ہو۔

جبکہ صوفیاء کرام کا دوسرا گروہ تزویج کو تجرید پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس سے نفسانی خواہشات کے طغیان کی بناء پر حرام کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سے ترک سنت لازم آتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فقد رغب عنی یعنی نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے منہ پھیرا۔

(سنن ابن ماجہ ابواب النکاح)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

من نکح فقد حصن نصف دینہ فلیتق اللہ فی الشطر الآخر یعنی جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا تو اب اسے دوسرے حصے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ (احیاء العلوم جلد دوم)

غرضیکہ احکام شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے بجالانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا و دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ سالک کہیں بیجانی جذبات اور نفسانی شہوات میں ہی مبتلا ہو کر نہ رہ جائے اسی لئے حدیث میں یوں دعا سکھائی گئی ہے: اللھم انی اعوذ بک من شر سمعی و بصری و قلبی و شر منی (مسند احمد ۳/۲۲۹)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ

جب کوئی درویش کسی عورت سے نکاح کر کے اس کی ہم نشینی اختیار کرے تو اسے چاہئے کہ جب تک اس پر وہ نشین عورت کے نان و نفقہ کا اہتمام کسب حلال سے نہ کر لے اور اس کا حق مہر رزق حلال سے ادا نہ کر دے، دیگر حقوق الہیہ کو پورے نہ کر لے، اپنے اور او و وظائف کو نہ پڑھ لے لذات نفسانی میں مستغرق نہ ہو، ہم فراش ہونے سے قبل ہو اور حرص کو اندر سے ختم کر دے اور ازراہ مناجات خدا تعالیٰ کے حضور یوں عرض کرے بار خدایا! تو نے بقائے نسل کیلئے آدمی کی سرشت میں جذبہ موانست پیدا فرمایا ہے۔ تیری رضا ہے کہ مجھے یہ صحبت حاصل ہو۔ اے پروردگار! یہ صحبت میرے لئے دو چیزوں کا باعث ہو..... ایک یہ کہ میں اس فعل حلال کے ذریعے حرام کاری سے محفوظ رہوں اور دوسرے یہ کہ تو مجھے ایسا فرزند از زانی فرما کہ جو تیرا ولی اور پسندیدہ ہونہ کہ ایسا فرزند جو میرے دل کو تیری طرف سے ہٹا کر کسی اور جانب مشغول کر دے۔ (کشف المحجوب ۴۱۰)

اہل و عیال کے ساتھ موانست

چونکہ اہل و عیال کے ساتھ مودت اور رحمت کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے فطرتی طور پر انسان کے اندر ودیعت فرمایا ہے اس لئے یہ باہمی محبت و یگانگت اور قلبی پیار و موانست

کیلئے معذور اور مجبور ہے اس سلسلے میں انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے متعدد واقعات کتاب و سنت میں موجود ہیں چونکہ یہ رسالہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا ہی تحریر فرمودہ ہے اس لئے اسے تعلیمات مجددیہ کی روشنی میں ہی حل کرنا زیادہ تر پیش نظر ہے اس لئے مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی اقتباس ہدیہء قارئین ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم امامین کریمین (حسین) رضی اللہ عنہما کی پیشانی کا بوسہ لے رہے تھے اور بہت خوشی و انبساط کے ساتھ ان سے گھل مل رہے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے گیارہ لڑکے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو وہ اپنے رحیم بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

یاد رہے کہ چونکہ ان خاص خواص بھی بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں اگرچہ وہ شرکت ظاہری صورت کے اعتبار سے ہو اس لئے عوام اپنی نارسائی اور قصور فہم کی وجہ سے ان خاص خواص کے کمالات سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور ان کو اپنی مثل خیال کرتے ہیں اور جو شخص ان کے اوصاف و شمائل میں ان سے مختلف ہو، اس کے گرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور اس کو بزرگ خیال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے ان اوصاف و اخلاق کو جو عوام کے اوصاف سے مختلف ہیں ان کو بہتر سمجھتے ہیں جو ان کے اخلاق و اوصاف کے مشابہ ہیں اگرچہ وہ اخلاق انبیاء علیہم الصلوٰات و التسلیمات میں موجود ہوں۔

(اے عزیز) سنو! مخدوم شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کی خبر آپ کو پہنچی تو

آپ پر (رنج و غم سے متعلق) کچھ تغیر نہ ہو اور فرمایا کہ ”سگ بچہ مردہ است بیرون برتابید“ سگ بچہ مر گیا ہے اسے باہر پھینک دو اور جب حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غمگین ہوئے کہ ان کے آنسو نکل آئے اور فرمایا انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کی وجہ سے غمگین ہیں اور بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ غم و اندوہ کا اظہار فرمایا:

فرمائیں کہ حضرت شکر گنج بہتر ہیں یا حضرت سید البشر (صلوات اللہ علیہ)
عوام کا لانعام کے نزدیک پہلا معاملہ بہتر ہے اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور
دوسرے کو عین تعلق اور (اولاد سے) لگاؤ، خیال کرتے ہیں اعاذنا اللہ سبحانہ عن
معتقداتہم السوء (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۷۲)

خواص و عوام زائل نمیگردد حق سبحانہ و تعالیٰ در خواص اور عوام سے زائل نہیں ہوتے ۳ حق سبحانہ و تعالیٰ شان انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات سی فرماید ”وما انبیاء ان پر صلوٰت و تسلیمات ہوں کی شان میں فرماتا ہے اور ہم جعلناہم جسدا لا یاکلون الطعام“ و کفار ظاہر بین سی نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے جو طعام نہ کھائیں اور ظاہر بین کفار گفتند ”ما لہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق“ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

۳ بشریت کے لوازمات اور مختلف دنیوی تعلقات جس طرح عوام کالانعام میں ہوتے ہیں ایسے ہی اولیائے عظام اور انبیائے کرام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے اجسام مقدسہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰت و التسلیمات کے اجساد مطہرہ اور خوردونوش کا ذکر فرمایا ہے اور کفار اپنی ظاہر بینی اور کورچشمی کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا کرتے تھے جیسا کہ آیت کریمہ مالہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق سے عیاں ہے کفار گواہکار و بغض کی بنا پر کہا کرتے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

پس ہر کہ نظر او بر ظاہر اہل اللہ افتاد محروم گشت و

پس جس شخص کی نظر اہل اللہ کے ظاہر پر پڑی محروم ہو گیا ہے اور

خسران دنیا و آخرت نقد وقت او آمد ہمین ظاہر بینی

دنیا اور آخرت کا نقصان اس کا نقد وقت ہوا۔ اسی ظاہر بینی

۴ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم امر اور عالم خلق کے لطائف کا مجموعہ بنایا ہے۔

لطائف عالم امر میں نورانیت و لطافت ہے جبکہ لطائف عالم خلق میں کثافت و بشریت

ہے۔ فرق یہ ہے کہ اہل اللہ میں نورانیت و لطافت کا غلبہ ہوتا ہے اور کثافت و بشریت

مغلوب ہوتی ہے جبکہ عوام کا لانعام میں ثقالت و بشریت کے غلبے کے باعث نورانیت و

لطافت مغلوب ہوتی ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ چونکہ عالم دنیا آزمائش و

امتحان کا محل ہے عوام کو شبہ میں ڈالنا اور مشتبہ کرنا عین حکمت و مصلحت ہے۔ عامۃ الناس

کو عقل عطا فرمادی اور اہل اللہ کو ظاہری و باطنی استعدادات اور روحانی کمالات

عطا فرمادیے تاکہ اہل اللہ ان کے ذریعے لوگوں کو رشد و ہدایت اور خوارق عادات

واقعات کے ذریعے مسحور کر سکیں اور لوگ انہیں ملاحظہ کر کے اور عقل سلیم کے معیار پر

پرکھ کر ماننے پر مجبور ہو جائیں مگر بعض لوگ اپنی کور مذاقی اور قساوت قلبی کی وجہ سے اہل

اللہ کے ظاہر تک ہی محدود رہتے ہیں جبکہ کچھ سلیم الفطرت اور باذوق احباب اہل اللہ

کے باطنی کمالات کو مشاہدہ کر کے ان کے کمالات کو تسلیم کر لیتے ہیں، جسے ایک مثال

کے ذریعے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے

تخلیق فرما کر ان کے جسم اطہر میں روح پھونک دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و نفخت

فیہ من روحی سے عیاں ہے، فرشتوں کو فاسجدوا لادم کا حکم سنا کر سجدہ کرنے

کا حکم صادر فرمادیا مگر بنائے تکبر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جبکہ سیدنا

جبریل امین علیہ السلام اور دیگر ملائکہ فوراً سجدے میں گر گئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان لعین نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو اوپر اوپر سے دیکھا تھا کہ یہ مٹی ہے اور انکار کی وجہ بیان کی خلقتنی من نار و خلقتہ من طین یعنی اے خدایا! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور انہی مٹی سے تخلیق فرمایا ہے بس شیطان کی نظر سیدنا آدم علیہ السلام کے ظاہر پر ہی رہی کہ یہ خاکی ہیں جبکہ سیدنا جبریل علیہ السلام کی نظر سیدنا آدم علیہ السلام کے باطن تک پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر روح پھونکی ہے اس لئے یہ روحی اور نوری ہیں اور یہی اصل کمال ہے۔

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ

”نبی (علیہ السلام) کو محض اوپر سے دیکھنا ابلیس لعین کا کام ہے اور نبی (علیہ السلام) کو اندر سے دیکھنا جبریل امین (علیہ السلام) کا کام ہے۔

ایسے بعض بد مذاق لوگ انبیائے عظام اور اولیائے کرام (علیہم الصلوات والتسلیمات) کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے اور ان پر نہایت سوقیانہ انداز و الفاظ سے تنقید کرتے ہیں اور خود بظاہر بڑے عابد اور ساجد نظر آتے ہیں۔ ان کے اہل اللہ پر اعتراض و انکار کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نظر اوپر اوپر سے ہی دیکھتی ہے۔ بقول شاعر

وای ناکامی زاہد کہ جبیں پر اس کی

داغ سجدہ تو بنا داغ محبت نہ بنا

ایسے ہی مشائخ عظام کے بعض مرید اور اساتذہ کرام کے نااہل شاگرد اپنی کور بنی کی وجہ سے مرتد طریقت، گمراہ، گستاخ اور بے باک ہو جاتے ہیں جو اپنے اساتذہ و مشائخ کے باطنی کمالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔

اور جس مرید، شاگرد و طالب علم کو اپنے شیخ اور استاد کی حقیقت باطنی کا علم

ہو جاتا ہے وہ اس پر سو جان سے قربان ہوتا ہے۔ اسے اگر اپنے شیخ و استاد میں خدا نخواستہ ہزار عیب بھی نظر آئیں وہ معتقد اور نیاز مند ہی رہتا ہے، اسے اس بات کی خبر ہے کہ انکا ظاہر تو بشریت کے تقاضوں سے متاثر ہو سکتا ہے مگر ان کا بطون ہر وقت لذت وصل سے شاد کام رہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ چیز ہر نظر نہیں دیکھتی مگر اس پائے کے اساتذہ و مشائخ بھی عنقا ہیں۔

نہ دیکھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جن لوگوں کی نظر اہل اللہ کے صرف ظاہر کو ہی دیکھتی ہے وہ لوگ ازلی محروم

اور حرماں نصیب ہوتے ہیں اور اہل اللہ کو اپنے جیسا تصور کرتے ہیں۔ حضرت مولانا

روم مست بادۃ قوم رحمۃ اللہ علیہ تمثیلی انداز میں اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں۔

نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نبود

اشقیاء را دیدہ بینا نبود

اولیاء را ہم چو خود پنداشتند

ہمیری با انبیاء برداشتند

ما و ایثاں بستہ خوابیم و خور

گفت اینک ما بشر ایثاں بشر

ہست فرقے در میان بے انتہا

ایں نداشتند ایثاں از عما

لیک زیں شد نیش و زان دیگر غسل

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل

زین یکے سرگین شد و زان مشک ناب

ہر دوگون آہو گیا خوردند و آب

آن یکے خالی و آن پر از شکر

ہر دو نے خوردند از یک آنخور

فرق دان ہفتاد سالہ راہ بین

صد ہزاراں ایں چنین اشباہ بین

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کو اپنی طرح

جاننا شقاوت و بد بختی ہے اور ان کے کمالات کا انکار گمراہی و بے دینی کا پیش خیمہ ہے۔

دراصل لوگوں کی دو قسمیں ہیں

ظاہر بین اور باطن بین

ظاہر بین لوگوں کی باطنی آنکھ اندھی ہوتی ہے اس لئے ان میں باطنی کمالات تک رسائی کی استعداد ہی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے کمالات انہیں نظر ہی نہیں آتے۔

چام چڑی دے بخرے یارو سورج بہت کلونا
بے قدراں نوں یوسف مصری کیونکر لگدا سوہنا
جہاں نیں سٹ کھوہ وگایا کیہہ اونہاں دے بھانے
کھوٹے درہمیں وچج دتو نیں اوہ وی زور تگانے

بنابریں وہ انہیں اپنے جیسا خیال کر لیتے ہیں اور ازلی بد بختوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابو جہل اور ابولہب اسی قماش کے لوگ تھے کہ جو سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کے معجزات و کمالات کو دیکھ کر بھی مشرف باسلام نہ ہوئے۔

گر نہ بیند بروز شہرہ چشم
چشم آفتاب را چہ گناہ

جبکہ باطن بین وہ ازلی خوش بخت لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی چشم بصیرت وا ہوتی ہے اور انہیں باطن تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو مشاہدہ کر کے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (وللہ الحمد)

ابو جہل و ابولہب را از دولت اسلام محروم ساخت
 نے ابو جہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم بنا دیا ۵
 ودر خسران ابدی انداخت سعادت مند آنست کہ نظر او
 اور ابدی نقصان میں ڈال دیا سعادت مند وہی ہے کہ جس کی

۵ یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ ظاہر بین، اہل اللہ کو محض اوپر اوپر
 سے دیکھ کر ازلی خسارے میں پڑ گئے ہیں جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز
 رقمطراز ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے کمال جہل کے باعث نفس
 مطمئنہ کو نفس امارہ تصور کر لیتے ہیں اور امارگی کے احکام مطمئنہ پر لاگو کر دیتے ہیں جس
 طرح کفار نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو دوسرے لوگوں کی طرح سمجھتے
 ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۰۱)
 جبکہ سعادت مند احباب کی نظر اہل اللہ کے بشری تقاضوں کو دیکھنے سے قاصر و کوتاہ ہوتی
 ہے بلکہ ان کی حدت بصر اور تیزی نظر اہل اللہ کی باطنی صفات اور روحانی کمالات تک
 نفوذ و سرایت کر جاتی ہے اور ان کے باطنی جلووں میں گم ہو جاتی ہے۔
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ان دونوں کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے یوں
 رقمطراز ہیں:

جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے
 انسانوں کی طرح انکو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ انکے منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے
 آپ علیہ الصلوٰة والسلام کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے عنوان سے جانا اور باقی تمام
 لوگوں سے ممتاز گردانا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۶۴)

از ظاہر بینی اہل اللہ کوتاہ گشت وحدت نظر او
 نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ ہو گئی اور اس کی تیزی نظر
 بصفات باطنہ این بزرگواران نفوذ کرد و بر باطن مقصور
 ان بزرگواروں کی باطنی صفات تک نفوذ کر گئی اور باطن تک محدود
 گشت فہم کنیل مصر بلاء للمحبوبین و ماء للمحبوبین
 ہو گئی پس وہ مصر کے نیل کی مانند محبوبوں کے لئے بلا اور محبوبوں کیلئے آب حیات
 عجب کاریست صفات بشریہ آنقدر کہ در اہل اللہ
 ہے ۱ عجب کام ہے بشری صفات جس قدر اہل اللہ میں

۲ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ظاہر بین محروموں اور باطن بین خوش نصیبوں
 کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح دریائے نیل کا پانی فرعون اور اس
 کے فوجیوں کے لئے خون بن گیا تھا جبکہ اسی دریائے نیل کا پانی حضرت موسیٰ کلیم اللہ
 علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے شراب طہور بن گیا تھا۔ فرعون لعین اور اسکے
 فوجی محبوبین ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محبوبین ہیں فلہذا آب
 نیل محبوبین کیلئے مصیبت (بلاء) بن گیا اور محبوبین کیلئے نعمت (ماء) بن گیا تھا۔ یونہی
 حراما نصیب اہل اللہ کے متعلق غلط قیاس آرائیاں کر کے محبوب ہو جاتے ہیں اور اپنی
 عاقبت تباہ کر لیتے ہیں جبکہ سعادت مند اہل اللہ کی باطنی صفات سے آگاہ ہو جاتے ہیں
 اہل اللہ کا وجود مسعودان کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتا ہے اسلئے وہ اہل اللہ کے نیاز
 مند اور ارادت کیش ہو جاتے ہیں یوں وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے حقدار
 ٹھہرتے ہیں۔

ظاہر می گردد در سائر مردم ظاہر نیست و جمہش آنست
 ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتیں کے اس کی وجہ یہ ہے
 کہ ظلمت و کدورت در محل ہموار و مصفا اگرچہ اندک
 کہ ظلمت و کدورت ہموار اور صاف جگہ میں اگرچہ تھوڑی
 باشد بیشتر ہویدا می گردد از انچہ در محل ناہموار و
 ہو زیادہ نمایاں ہوتی ہے اس لئے کہ نا ہموار اور
 غیر مصفا اگرچہ بیشتر باشد لیکن ظلمت صفات بشریت
 غیر مصفا محل میں اگرچہ زیادہ ہو لیکن بشری صفات کی تاریکی
 در عوام در کلیت سرایت می کند و در قالب و قلب
 عوام کی کلیت میں سرایت کر جاتی ہے اور قالب و قلب اور روح میں

کے یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اظہار تعجب کرتے ہوئے ایک بڑی
 خاص بات بیان فرما رہے ہیں جو سالکین کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ اہل اللہ میں جس
 قدر بشری عیوب و نقائص و صفات اور نفسانی کدورات و حجابات کا ظہور ہوتا ہے، اس
 قدر عوام کا لانعام میں یہ کوتاہیاں، کمزوریاں اور نقائص و عیوب نمایاں نہیں ہوتے
 حالانکہ وہ پر لے درجے کے عیاش، بدقماش، قاتل، شرابی، زانی، راشی، مرتشی، ظالم،
 چور اور ڈاکو وغیرہم ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس کی وجہ بیان
 کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح ناہموار، غیر شفاف اور نشیب و فراز جگہ
 پر کدورتیں اور ظلمتیں کم نظر آتی ہیں جبکہ ہموار اور صاف شفاف جگہ پر ظلمتوں اور
 کدورتوں کا ظہور زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی عامۃ الناس میں بشری کدورتوں، ظلمتوں اور

و روح می دود و در خواص این ظلمت مقصور بر قالب و
 دوڑ جاتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت قالب اور
 نفس ست و در اخص خواص نفس نیز ازین ظلمت
 نفس تک مقصور ہے اور اخص خواص بھی اس ظلمت سے

صفتوں کا ظہور زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تاریکیاں اور ظلمتیں ان کی گھٹی میں اس قدر رچ بس
 جاتی ہیں کہ ان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہیں یعنی انکے قلوب و اذہان بھی تاریک
 ہو جاتے ہیں، ان کے ظاہر و باطن بھی مکمل طور پر ظلمات سے معمور ہو جاتے ہیں غرضیکہ
 وہ ظلمات در ظلمات، کدورات در کدورات سے لبریز اور تھڑے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ
 اہل اللہ کے لطائف کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ کی بدولت ان کے جسم لطیف اور نوری
 ہو جاتے ہیں اس لئے اگر ان سے کوئی معمولی سی لغزش سرزد ہو جائے بلکہ اگر خطاء
 و لغزش نہ بھی ہو مگر عوام کا لانعام اسے بزعم خویش گناہ تصور کر لیتے ہیں اور اہل اللہ پر خواہ
 مخواہ انگشت نمائی اور تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (الامان والحفیظ)

سبراست مقصور بر قالب ست و بس و ایضاً این ظلمت
مبرا ہیں بس قالب تک محدود رہتی ہے ۱ نیز یہ ظلمت
درعوام موجب نقصان و خسارت ست و درخواص
عوام نہیں نقصان اور خسارہ کا موجب ہے اور خواص میں

۱ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
لوگوں کی عام طور پر تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱..... عامۃ الناس ۲..... خواص ۳..... اخص خواص

۱..... عامۃ الناس کے قالب (بدن) دل اور روح بھی گناہوں کی نجاستوں اور بشری
صفتوں سے ملوث ہوتے ہیں۔

۲..... خواص کے عالم امر کے لطائف کا تصفیہ ہو جاتا ہے اس لئے بشری ظلمات ان
کے بدن اور نفس تک محدود رہتی ہیں۔

۳..... اخص خواص وہ اولیائے کاملین ہوتے ہیں کہ جنکے عالم امر کے لطائف (لطیفہ
قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی) کا ذکر و فکر اور شیخ کامل کی توجہات کی
بدولت تصفیہ بھی ہو جاتا ہے اور انکے نفس کا بھی تدریجاً تزکیہ ہو جاتا ہے یعنی نفس امارہ
سے لوامہ، لوامہ سے ملہمہ، ملہمہ سے مطمئنہ ہو جاتا ہے بالآخر وہ بھی نور ہو جاتا ہے۔
اس (نفس) میں بھی بشری کمورتیں نہیں رہتیں۔

موجب کمال و نصارت ہمیں ظلمت خواص ست کہ
کمال اور تروتازگی کا موجب ۹ یہی خواص کی ظلمت ہے جو
ظلمتہائے عوام رازائل میگرداند قلب ہائے ایشان را
عوام کی ظلمتوں کو زائل کرتی ہے ان کے دلوں کو

۹ اولیائے کالمین گناہوں کی نجاستوں و کثافتوں اور نفسانی خباثتوں و شرارتوں
سے پاک و منزہ ہو جاتے ہیں۔ جسمانی ثقلتیں و کثافتیں بتدریج ختم ہوتی رہتی ہیں ان
کی جگہ لطافت لے لیتی ہے البتہ بشری صفتیں ان میں موجود رہتی ہیں جو ان کیلئے باعث
زوال نہیں ہوتیں بلکہ موجب کمال اور باعث جمال ہوتی ہیں۔ ان اولیائے کالمین کی
بشری صفات و ظلمات جب عامۃ الناس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان کے قلوب کا تصفیہ
اور انکے نفوس کا تزکیہ کر دیتی ہیں۔

تصفیہ می بخشد و نفسہا را تزکیہ می دہد اگر این
تصفیہ بخشی ہے اور ان کے نفسوں کا تزکیہ کرتی ہے نہ اگر یہ
ظلمت نمی بود خواص را بعوام ہیچ مناسبت نمی
ظلمت نہ ہوتی خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور
کشود و راہ افادہ و استفادہ مسدود می نمود و این ظلمت
رستہ افادہ اور استفادہ کا مسدود ہو جاتا اور یہ ظلمت

۱۰ ان اولیائے کاملین میں اگر یہ ظلمات بشریہ نہ ہوتیں تو انہیں عوام الناس کے
ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ درحقیقت یہی ظلمات بشریہ عامۃ الناس کیلئے نعمت غیر مترقبہ
ہیں کہ جن کی بدولت اولیائے کاملین عالم و جوب سے فیض لیتے ہیں اور ان بشری
تقاضوں کی وجہ سے عوام کو فیض دیتے ہیں۔ اگر ان بشری صفات کی وجہ سے مناسبت نہ
ہوتی تو اہل اللہ حق تعالیٰ سے فیض لے کر مخلوق کو نہ دے سکتے یوں فیض لینے اور فیض
دینے کی راہ مسدود ہو جاتی۔

در خواص آن قدر نمی ایستد که مکدر سازد بلکه ندامت
 خواص میں اس قدر نہیں رہتی کہ مکدر کر دے لے بلکہ ندامت اور
 واستغفار کہ در قفائے او دست می دہد چندین ظلمت
 استغفار جو اس کے بعد ہاتھ آتی ہے اتنی ظلمت و
 و کدورت دیگر را ہم زداید و ترقیات می فرماید ہمین
 کدورت اور کو بھی دور کر دیتی اور ترقیاں عطا فرماتی ہے یہی

لے یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اولیائے کاملین
 میں بشری ظلمات اتنی زیادہ نہیں ہوتیں کہ ان کے بطون عالیہ اور روحانیت مقدسہ کو مکدر
 کر دیں اور ان پر بشریت کا غلبہ ہو جائے بلکہ ان کی بشریت لطیف اور نوری ہوتی ہے
 البتہ اگر بقضائے بشریت ان اولیائے کاملین سے کوئی لغزش یا خطا سرزد ہو جائے تو یہ
 فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور اس پر نادم ہوتے اور معافی مانگتے ہیں۔ بس اسی ندامت
 واستغفار کی بنا پر ان سے اتنی ظلمت اور کدورت بھی دور ہو جاتی ہے اور مزید ترقیاں عطا
 ہوتی ہیں۔

ظلمت ست کہ در ملائک مفقود ست و بسبب آن
 ظلمت ہے جو فرشتوں میں مفقود ہے ^{۱۲} اور اسی سبب سے
 راہ ترقی مسدود و اسم ظلمت بروے از قبیل مدح
 ترقی کی راہ مسدود ہے اور اس پر ظلمت کا نام مدح

^{۱۲} یہی بشری ظلمت جو مزید ترقیوں کا باعث ہوتی ہے فرشتوں میں مفقود ہے کیونکہ
 وہ محض نور ہیں بنا بریں ان پر ترقی کی راہیں مسدود ہیں جیسا کہ آیت کریمہ و ما مننا
 الا له مقام معلوم سے عیاں ہے۔

بمایشبه الذم ست عوام کا لانعام صفات بشریت
 بما یشیه الذم کے قبیل سے ہے ۱۳ عوام کا لانعام اہل اللہ

۱۳ اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر بشریت کی ظلمت کا اطلاق اس قدر نامعلوم اور برائے نام ہوتا ہے کہ جس سے ان کی بشریوں کیساتھ مناسبت رہ جائے باقی رہی یہ بات کہ ان پر جو لفظ ظلمت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کیلئے باعث مدح اور موجب کمال ہے البتہ بظاہر ذم معلوم ہوتا ہے۔

مدح بمایشبه الذم کا مفہوم یہ ہے کہ اولیائے کاملین پر بظاہر بشریت کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے جو ظلمت کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ عین ذم نہیں بلکہ مشابہ ذم ہے اسلئے وہ مذموم نہیں بلکہ قابل مدحت اور لائق تعریف ہے۔

اہل اللہ را در رنگ صفات بشریت خود می دانند و
 کی بشری صفات کو اپنی بشری صفات کی مانند سمجھتے ہیں ۱۴ اور
 محروم و مسخ ذول می مانند قیاس غائب بر شاہد فاسد
 محروم و خوار ہوتے ہیں غائب کا قیاس حاضر پر فاسد ہے
 ست ہر مقام را خصوصیات علیحدہ است و ہر محل را
 ہر مقام کی خصوصیات الگ ہیں اور ہر محل کے لوازمات
 لوازم جدا والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة
 جدا اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور متابعت مصطفیٰ
 المصطفیٰ علیہ وعلی الہ الصلوٰات والتسلیمات
 کا التزام کرے آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰات و تسلیمات ہوں۔

۱۴ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک غلط فہمی کا انزالہ فرماتے ہوئے رقمطراز
 ہیں کہ عامۃ الناس جو چوپایوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں وہ اولیائے کاملین کی صفات
 بشریت کو اپنی صفات بشریت کی مانند سمجھتے ہیں حالانکہ اہل اللہ کی بشریت نہایت نورانی
 اور لطیف ہوتی ہے جبکہ عوام کا لانعام کی بشریت غایت درجہ ثقیل اور کثیف ہوتی ہے۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس جہالت و حماقت کی وجہ سے عوام الناس ذلیل و محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ
 غائب کا حاضر پر قیاس کر لینا باطل اور فاسد ہے کیونکہ ہر مقام کی خصوصیات علیحدہ اور
 ہر محل کے لوازمات جدا ہوتے ہیں۔

کار پا کاں را قیاس از خود مکیر

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اولیائے کاملین اور اخص خواص میں صفات بشریہ کے باقی رکھنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

جب ”انسان کامل“ کو فنا و بقا کے بعد حق سبحانہ کی طرف سے مخلوق کو دین اسلام کی دعوت دینے کیلئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تو اس میں بشری صفات اور انسانی خصائص زائلہ جو مغلوب اور کمزور ہو گئی تھیں پھر اس کی طرف عود کر آتی ہیں تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان وہ مناسبت جو پہلے زائل ہو گئی تھی، از سر نو پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت کے ذریعے انسان کے اور عالم کے درمیان فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا دروازہ کھول دے۔

ان بشری صفات کو زوال کے بعد واپس کرنے اور اس انسان کامل کے ساتھ ملحق کرنے میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ مکلفین کا امتحان اور مدعوین کی آزمائش ہو جائے تاکہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے جدا کر دے اور جھٹلانے والے تصدیق کرنے والوں سے الگ ہو جائیں۔

نیز ان صفات کے رجوع کرنے سے ایمان بالغیب جو پہلے مشتبہ اور پوشیدہ تھا حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ یعنی اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے پھر بھی یہ لوگ اسی (شبہ) میں رہتے جس میں اب ہیں۔ (الانعام ۹)
(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۵۳)

مِنهَا - ۲۵

آدمی تازمانے کہ گرفتار علم و دانش ست و بنقوش
 آدمی جس وقت تک علم و دانش کا گرفتار ہے اور ماسوا کے
 ماسوائے منقش خوار و برے اعتبار ست نسیان ماسوائے
 نقوش سے منقش ذلیل و بے اعتبار ہے ۱ ماسوا کا نسیان
 شرط راہ است و فنائے ماعدا قدم پیشگاہ تا آئینہ باطنی
 اس راہ کی شرط ہے اور ماسوا کی فنا اگلی منزل کا قدم جب تک
 از زنگار امکان زدودہ نگرودد ظہور حضرت وجوب محال
 باطنی آئینہ، امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور
 ست چہ جمع علوم امکانی با معارف وجوبی از قبیل
 محال ہے کیونکہ علوم امکانی کا معارف وجوبی کے ساتھ جمع ہونا
 ۱ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی
 اشیائے کائنات کے علم و دانش اور دنیوی تعلقات کی طرف راغب ہے۔ دنیا کی محبت
 میں گرفتار ہے اور ماسوی اللہ کے نقوش اس کے قلب و نظر میں پیوست ہیں، وہ ناقابل
 اعتبار، بے لحاظ اور ذلیل ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز یہاں ارشاد فرماتے ہیں کہ نسیان ماسوا راہ

طریقت کی شرط ہے۔ نسیان ماسوا کا مطلب ہے حق سبحانہ کے ماسوا کو بھول جانا، اسی کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ماسوئی کی دو قسمیں ہیں

۲..... نفس

۱..... آفاق

آفاق کے نسیان سے مراد آفاق کی نسبت علم حصولی کا زوال ہے اور نفس کے نسیان سے مراد نفس کی نسبت علم حضوری کا زوال ہے کیونکہ علم حصولی کا تعلق آفاق سے ہے اور علم حضوری کا تعلق نفس سے ہے۔ اگرچہ اشیاء کے علم حصولی کا مطلقاً زوال دشوار ہے کیونکہ وہ اولیاء کا حصہ ہے اور علم حضوری کا مطلقاً زوال تو بہت ہی زیادہ دشوار ہے کیونکہ یہ کاملین اولیاء میں سے اکمل اولیاء کو حاصل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ تصور بھی اکثر عقلاء کے نزدیک محال ہو اور ”معلوم“ کا جاننے والے کیلئے عدم حضور، باطل سمجھیں کیونکہ ان کے نزدیک حضور شئی، نفس شئی کے لئے ضروری ہے لہذا علم حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگرچہ ایک لمحہ کیلئے ہی ہو، جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس علم کا مطلقاً اس طرح زوال ہو جائے کہ پھر کبھی عود نہ کر سکے، یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟۔

علم حصولی کا نسیان فنائے قلب پر موقوف ہے اور علم حضوری کا نسیان فنائے نفس کو مستلزم ہے جو اتم و اکمل ہے اور حقیقت فنا اسی مقام میں ہے خصوصاً فنائے قلب اس فنا کیلئے ظاہری صورت کی مانند ہے جو اس کا ظل ہے کیونکہ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے لہذا لازماً اس ظل کی فنا، اس کی فنا ہوگی اور اس فنا کے حصول کے ساتھ نفس، مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حق تعالیٰ سبحانہ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقا و رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے متعلق ہوتا ہے اور اسے عناصر اربعہ (خاک، باد، نار، آب) کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد و غزایا میسر ہو جاتا ہے۔

قلب سے ماسوا کے نسیان کی علامت قلب میں ماسوا کے خطرات کا نہ آنا ہے

اس طرح کہ اگر بہ تکلف ان خطرات ماسوا کو یاد دلا یا جائے تو بھی یاد نہ آئیں بلکہ قلب ان کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے متعلق علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے بالکل منتفی ہو جائے تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو کیونکہ اس مقام میں علم اور معلوم، نفس عالم ہے اور جب تک نفس عالم زوال پذیر نہ ہو جائے علم و معلوم کی نفی نہیں ہوتی اور فنائے اول فنائے آفاق ہے اور فنائے ثانی فنائے نفس ہے جو فنا کی حقیقت ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۵۲)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ کے ماسوا کا نسیان قرب الی اللہ کی طرف پیش قدمی ہے لہذا جب تک سالک کا آئینہء باطن ماسوا کی تلویشات سے بالکل صاف نہیں ہو جاتا حق تعالیٰ کا جلوہ ناممکن ہے کیونکہ علوم امکانیہ اور معارف وجودیہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع اضداد محال ہے۔

جمع اضداد ست این جا سوالی ست قوی و آن آنست
 جمع اضداد کے قبیل سے ہے۔ یہاں ایک قوی سوال ہے ۱ اور وہ یہ ہے کہ
 کہ چون عارف را بہ بقا مشرف می سازند و برائے تکمیل
 جب عارف کو بقا سے مشرف کر دیتے ہیں اور ناقصین کی
 ناقصان بازش می گردانند علومے کہ زائل شدہ بود عود
 تکمیل کے لئے واپس لوٹا دیتے ہیں وہ علوم جو زائل ہو گئے تھے عود کر آتے ہیں۔
 می نماید بریں تقدیر علوم امکانی با معارف و جوبی جمع
 اس صورت میں علوم امکانی معارف و جوبی کے ساتھ جمع ہو
 میگردند و تو آن را جمع ضدین گفته جوابش آن ست
 جاتے ہیں اور آپ نے ان کو جمع ضدین کہا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ
 کہ عارف باقی باللہ دریں وقت حکم برزخیت پیدا کردہ
 عارف باقی باللہ اس وقت برزخیت کا حکم پیدا کئے ہوئے ہے
 است گویا برزخ ست بین الوجوب والامکان و منصبغ
 گویا وہ وجوب اور امکان کے درمیان برزخ ہے اور دونوں مقامات

۱ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک سوال اور اشکال کا جواب بیان فرما رہے ہیں:

سوال یہ ہے کہ جب عارف فنا کے بعد مقام بقا سے مشرف ہوتا ہے اور اسے
 مسند دعوت و ارشاد پر متمکن کر دیا جاتا ہے تو زائل شدہ علوم امکانیہ پھر عود کر آتے ہیں

برنگ ہر دو مقام دریں صورت اگر علوم و معارف ہر دو
 کے رنگ سے رنگین ہے اس صورت میں اگر دونوں مقامات کے
 مقام جمع شوند چہ اشکال زیرا کہ محل اجتماع ضدین
 علوم و معارف جمع ہو جائیں کیا اشکال ہے کیونکہ ضدین کے اجتماع کا
 واحد نماند بلکہ گویا متعدد گشتہ است فلا جمع
 محل واحد نہیں رہا بلکہ گویا متعدد ہو گئے ہیں لہذا اجتماع نہ ہوا

دریں صورت علوم امکانیہ اور معارف وجودیہ پھر ایک مقام پر جمع ہو جاتے ہیں حالانکہ
 ان علوم و معارف کا جمع ہونا اجتماع ضدین کے قبیل سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب عارف بقا باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ
 علوم امکانی اور معارف وجودی کے درمیان برزخیت کا حکم پیدا کر لیتا ہے فلہذا ان
 علوم و معارف کا صورت اجتماع ہوتا ہے حقیقتہً اجتماع نہیں ہوتا، لہذا اجتماع ضدین نہ رہا۔

مِنهَا - ۲۶

علوم اشیاء کہ در مرتبہ فنا زائل شدہ بودند بعد از بقا اگر چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے بقا کے بعد اگر رجوع نمایند نقصے در کمال عازف لازم نیاید بلکہ کمال لوٹ آئیں تو عارف کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آتا بلکہ اس کا کمال اوست دریں رجوع بلکہ تکمیل او مربوط بہمیں رجوع اس رجوع میں ہے بلکہ اس کی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ

سالک کے عروجی مراتب اور نزولی مدارج

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سالک جب عروجی مرتبوں میں ہوتا ہے تو اس کے تعلقات دنیا اور محبت دنیا کے جذبات ماند پڑنا شروع ہو جاتے ہیں لامحالہ ماسوی اللہ کی معلومات کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں یہ فقر کی علامت اور ولایت کا درجہ ہے جس میں ہر سالک کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے کسی کو فنا کم ہوتی ہے کسی کو زیادہ ہوتی ہے اور کسی کو بہت زیادہ فنا سے حصہ نصیب ہوتا ہے مگر جب سالک عروج کے بعد نزول کرتا ہے تو دنیوی تعلقات پھر بحال ہونا شروع ہو جاتے ہیں، نتیجتاً اشیائے کائنات کے زائل شدہ علوم دوبارہ عود کر آتے ہیں۔

یاد رہے کہ عروجی مراتب، ولایت کے درجات میں سے ہیں جسے فنا سے تعبیر

کیا جاتا ہے اور نزولی مدارج کمالات نبوت میں سے ہیں جسے بقا کہتے ہیں جو بہت بڑا کمال ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ عروجی مدارج میں بعض اہل اللہ فاقہ کشی کرتے اور مخلوق خدا سے دور جنگلوں میں رہتے ہیں اور مرتبہ تکمیل کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، عامۃ الناس اسے کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقام ادھورا ہے۔ مگر جب سالک عروج کے بعد نزول اور فنا کے بعد بقاء کے مرتبے پر فائز المرام ہوتا ہے تو عام لوگ اسے دنیا دار سمجھتے ہیں جبکہ بقا کا مرتبہ، مرتبہ کمال ہے جو مسند مشیخت سے وابستہ ہے اور لوگوں کی رشد و ہدایت سے متعلق ہے اور کمالات نبوت سے مربوط ہے۔

ست چہ عارف بعد از بقا متخلق باخلاق اللہ است علم
 عارف بقا کے بعد اخلاق اللہ کے ساتھ متخلق ہو گیا ہے ۱۔ اشیاء کا علم
 اشیاء در واجب تعالیٰ عین کمال است و ضد آن موجب
 واجب تعالیٰ میں عین کمال ہے اور اس کی ضد نقصان کا موجب ہے
 نقصان فکذا حال العارف المتخلق والسر فیہ ان العلم فی
 پس یہی حال عارف متخلق کا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ممکن میں علم حاصل
 الممكن يحصل بحصول صورة المعلوم فیہ فلا جرم يتاثر
 ہوتا ہے معلوم فیہ کی صورت کے حصول سے پس لامحالہ عالم متاثر ہوتا ہے

۲۔ جب عارف کو فنا، وصل کے بعد بقا، رجوع اور نزول کا مقام نصیب ہوتا ہے تو یہ
 اس بات کی علامت ہے کہ اسے تکمیلی مرتبہ و مقام میسر ہو رہا ہے کیونکہ اسے بقا کے بعد
 متخلق باخلاق اللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا

مسلمان بندۂ مولا صفات است
 دل او سرے از اسرار ذات است

اہل طریقت نے اس کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱..... متخلق باخلاق اللہ

۲..... متصف بصفات اللہ

۳..... متحقق بحقائق اللہ

متخلق باخلاق اللہ : کا مطلب یہ ہے کہ عارف، اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے

متخلق ہو جائے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت تخلقوا باخلاق اللہ سے

العالم بحصول صورة المعلوم فيه و كلما كان العلم ازيد كان
 معلوم فيه كي صورت كي حصول سي اور جب علم زياده هو عالم ميں
 التأثير في العالم اكثر فيكون التغيير والتلون فيه اوسع و ابسط
 تاثير بهي زياده هوتا هي پس اس ميں تغيير و تلون زياده وسيع و بسيط هوتا هي
 فيكون نقصا فلا بد للطالب من نفي هذه العلوم كلها و نسيان
 لهذا يه نقص هو جاتا هي پس طالب كيليه ضروري هي ان تمام علوم كي نفي كرنا اور
 عيماں هي۔ قطب رباني حضرت امام عبدالوهاب شعراني رحمته الله عليه اس كي متعلق
 رقمطراز هيں:

اذا مرّ على حضرات الاسماء الالهية صار متخلّقا بصفاتھا فاذا
 مر على الرحيم كان رحيم او على الغفور كان غفورا او على
 الكريم كان كريما او على الحليم كان حليما او على الشكور كان
 شكورا او على الجواد كان جوادا و لهكذا فما يرجع من ذلك
 المعراج الا وهو في غاية الكمال (اليواقيت و الجواهر جلد دوم) يعني حضورا كرم صلي
 الله عليه وسلم شب معراج اسماء الہيہ كي بارگا ہوں سي گذرے تو ان اسماء كي صفات كي
 ساتھ متصف هوتے گئے جب صفت الرحيم پر گذرے تو رحيم بن گئے اور صفت
 الغفور پر گذرے تو غفور بن گئے صفت الكريم پر گزرے تو كريم بن گئے صفت
 الحليم پر گذرے تو حليم بن گئے صفت الشكور پر گذرے تو شكور بن گئے، صفت
 الجواد پر گذرے تو جواد بن گئے۔ اسي طرح جن جن اسماء سي گذرتے گئے ان ان
 صفات سي متصف هوتے گئے يهاں تك كي جب معراج سي واپس تشریف لائے تو
 انتہائے كمال كي حالت پر تھے۔

الاشياء جُلَّها والعلم في الواجب تعالى ليس كذالك اذ هو
 سب اشياء كا بھول جانا اور واجب تعالى كا علم ايسا نهیں هے كيونكه وه
 سبحانه منزه من ان يحل فيه صور الاشياء المعلومة بل ينكشف
 سبحانه منزه هے اس بات سے كه اس میں اشياء معلومه كى صورتیں حلول كریں بلكه
 الاشياء عليه تعالى بمجرد تعلق العلم بها فسبحان من لا يتغير
 اس تعالى پر اشياء منكشف هوجاتى هیں صرف ان كے ساتھ علم كا تعلق قائم هوتے هے

ايسے هے حضور اكرم صلى الله عليه وسلم كى تبعيت ووراثت میں حضرت سيدنا صديق
 اكبر رضی اللہ عنہ بھی اخلاق الہیہ سے متصف ہوئے چنانچہ ايك مرتبہ حضور اكرم صلى الله
 عليه وسلم نے ارشاد فرمایا كه اللہ تعالى كے ہاں خلق كى تین سوساٹھ صورتیں هیں جس خوش
 نصیب میں توحيد بارى تعالى كے ساتھ ان میں سے ايك صورت بھی پائى گئى وه جنت
 میں داخل هوكا۔ حضرت ابوبكر صديق رضی اللہ عنہ نے عرض كى هل فى منها يارسول
 الله يارسول الله صلى الله عليه وسلم كيا ان میں سے كوئى صورت مجھ میں بھی پائى جاتى هے تو
 ارشاد فرمایا كلها فيك يا ابوبكر واحبها الى الله السخاء اے ابوبكر تم میں
 سب كى سب صورتیں پائى جاتى هیں اور ان میں سے اللہ تعالى كے نزديك سخاوت سب
 سے زياده محبوب هے۔ (روح البیان)

تخلق باخلاق كے مختلف معانى

حضرت امام ربانى قدس سره العزیز اس كى مزید وضاحت كرتے ہوئے ارقام

پذیر هیں ملاحظه هو!

عمدة الابدال حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سره تخلقوا باخلاق الله كے مقام

بذاته ولا بصفاته ولا في افعاله بحدوث الاكوان و العارف
 پس وہ پاک ہے کہ تغیر نہیں کرتا اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں حدوث
 المتخلق يصير علمه بهذه الصفة فلا يحل فيه صور معلومات
 اکوان سے اور عارف متخلق کا علم اسی طرح کا ہوتا ہے۔ لہذا اس میں بھی
 الاشياء فلا تأثر في حقه فلا تغير ولا تلون فلا يكون نقصا بل
 اشیاء کی معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں پس اس کے حق میں نہ تاثر ہوتا ہے

کی تحقیقات کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہ) کی ایک صفت ملک ہے اور ملک
 کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں۔ جب راہ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو
 پالیتا ہے اور اس نفس کو مغلوب کر کے رکھتا ہے تو اس کا تصرف لوگوں کے دلوں پر بھی
 جاری ہو جاتا ہے اس وقت وہ اس صفت ملک سے منسوب (مناسبت رکھنے والا) کہلاتا
 ہے..... اور ایک صفت سمیع ہے اور سمیع کے معنی سننے والے کے ہیں، جب راہ حق
 کا سالک ہر شخص کی حق باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار
 و حقائق کو روح کے کانوں سے سنتا ہے تو وہ اس صفت سمیع سے مناسبت رکھنے والا
 کہلاتا ہے..... اور ایک صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب
 راہ حق کے سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہو جاتی ہے تو وہ اپنے تمام عیبوں
 کو نور فراست سے دیکھتا ہے اور دوسرے لوگوں کے حال کو کمال درجہ کا معلوم کر کے
 سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور یہ حق کا دیکھنا اس کو (حق تعالیٰ کا) منظور نظر
 بنا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ
 اس صفت بصیر سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے..... اور حق تعالیٰ کی ایک صفت محی ہے،

کمالاً هذا السر من غوامض الاسرار الالهية خص الله سبحانه
اور نہ ہی تغیر و تلون لہذا یہ نقص نہیں ہوتا بلکہ کمال ہے یہ راز دقیق اسرار الہیہ میں سے
وتعالیٰ به من یشاء من عبادہ ببرکۃ حبیبہ علیہ وعلیٰ آلہ
ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کے لئے مخصوص فرمایا جسے چاہا اپنے بندوں میں سے

الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا

اپنے حبیب کی برکت سے آپ پر اور آپ کی آل پر اتم و اکمل صلوات و تسلیمات ہوں

محی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں جب سالک ترک شدہ سنت کو زندہ اور قائم کرتا
ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسبت رکھنے والا کہا جائے گا..... اور حق تعالیٰ کی ایک
صفت ممیت ہے یعنی مارنے والا، جب سالک ایسی بدعات جو لوگوں نے سنت کو ترک
کر کے اختیار کر لی ہوں، کے خلاف آواز بلند کرتا اور منع کرتا ہے تو وہ اس صفت ممیت
سے مناسبت رکھنے والا ہو جاتا ہے۔ علیٰ هذا القیاس

عوام نے تخلق کے معنی غلط سمجھے ہیں اور خواہ مخواہ گمراہی کے جنگل میں جا پڑے
ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ولی کیلئے احیائے جسمی (مردے کا زندہ کرنا) ضروری ہے اور
اس پر اشیائے غیبی کا انکشاف ہونا چاہئے وغیرہ ذالک حالانکہ یہ باتیں فاسد گمانوں
کی مانند ہیں اور بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ان بعض
الظن اثم (الحجرات ۱۲) بیشک بعض گمان گناہ ہیں۔ نیز خوارق صرف کسی کو مارنے اور
زندہ کرنے میں ہی منحصر نہیں ہیں، علوم شرعیہ اور معارف الہامیہ سب سے بڑی نشانی
اور اعلیٰ درجہ کے خوارق ہیں، اسی لئے معجزہ قرآنی کو باقی تمام معجزات پر اقویٰ اور باقی
رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ تخلق باخلاق اللہ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عموم صفات میں مشارکت ہو سکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر و تبدل لازم آتا ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

متصف بصفات اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف، اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جائے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت و اتصفوا بصفات اللہ سے عیاں ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ صفات ثمانیہ کی تین اقسام ہیں:

۱..... صفات اضافیہ: ان صفات کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت و نسبت مخلوق کے ساتھ زیادہ تر ہے۔ چونکہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے (تکوین) کہ اس سے متعدد تعلقات کے اعتبار سے تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیاء (زندہ کرنا) امانت (مارنا) کی جزئیات پیدا ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے ایک گروہ (اشاعرہ) نے اس کے وجود کا انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین صفات اضافیہ میں سے ہے اور حق یہی ہے کہ وہ حقیقی صفات میں سے ہے جس میں اضافت غالب ہے۔

۲..... صفات حقیقیہ: یہ صفات عالم کے ساتھ بھی اضافت رکھتی ہیں لیکن پہلی قسم سے کم تر درجہ جیسے کہ علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

۳..... حقیقت محض: یہ اضافت کی کوئی بو اور امتزاج نہیں رکھتی۔ اضافت سے ہماری مراد عالم (دنیا) کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسے حیات۔ یہ صفت تینوں قسموں میں

سب سے اعلیٰ اور جملہ اقسام کی جامع ترین ہے اور امہات صفات میں سے اور سب کی اصل اور سب سے اسبق ہے۔ (صفت علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع اور اس کے قریب ترین ہے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء تعین ہے)۔
(مبداء و معاد منہا ۵۹..... مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۹۴)

متحقق حقائق اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف حقائق سب سے متحقق ہو جاتا ہے۔
حقائق سب سے مراد سات حقائق ہیں اور وہ یہ ہیں حقیقت محمدی، حقیقت احمدی، حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوة۔
پہلے چار حقائق کو حقائق کونیہ کہا جاتا ہے اور آخری تینوں حقائق کو حقائق الہیہ کہا جاتا ہے
حقیقت کعبہ، حقائق کونیہ سے افضل ہے کیونکہ حقیقت کعبہ ”ظہور تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ“ ہے اور یہ مرتبہء وجوب ہے اور حقائق کونیہ ظہورات مراتب وجوب ہیں نہ کہ خود مراتب وجوب۔ اسی طرح حقیقت قرآن باعتبار مبداء وسعت اور حقیقت صلوة باعتبار وسعت ذات ہونے کے حقیقت کعبہ سے بھی افضل ہیں۔

(الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

۳..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز یہاں اس بات کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اشیا کے کائنات کا علم ہونا نقص نہیں بلکہ باعث کمال ہے تو جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے اس میں زائل شدہ علوم کا واپس لوٹ آنا بھی نقص نہیں بلکہ موجب کمال ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ممکن کا علم صورت معلومہ کے حصول سے حاصل ہوتا ہے مثلاً عینک کے علم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ جب عینک کی ایک معلوم صورت کسی شخص کے ذہن میں نقش ہو جائے اور یہ حصول ہے باہر سے عینک کی صورت

معلومہ کے ذہن میں آنے کا۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص عینک کا لفظ بولے گا تو پہلا شخص خواہ آنکھیں بند ہی رکھے فوراً اسے عینک کا علم ہو جائے گا۔ ما حاصل یہ ہے کہ ممکن کو جب علم آتا ہے تو معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے تو لامحالہ صورت معلومہ کے حصول سے عالم کا علم متاثر ہوتا ہے یعنی وہ صورت معلومہ اس کے اندر اپنا تاثر پیدا کر دیتی ہے جیسے (کوئی خوشی، غمی یا خوف کی خبر سن کر) کسی شخص کے چہرے وغیرہا کی رنگت متغیر ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے متعلق حادثہ پیش آنے کی اطلاع دیتا ہے تو سننے والے شخص کے ذہن میں گاڑی، زخم اور تصادم اور تکلیف وغیرہا کے تصورات سے علوم مرتب ہوتے ہیں اور وہ اپنا تاثر پیدا کرتے ہیں جوں جوں علم بڑھتا جائے گا عالم کے تاثرات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

مِنَهَا - ۲۷

ایں درویش را دوازدهم سال از ابتدائے زمان انابت بمقام
 اس درویش کو انابت کے ابتدائی زمانہ سے بارہویں سال میں مقام
 رضا مشرف ساختند اول نفس را باطمینان رسانیدند
 رضا سے مشرف فرمایا گیا ۱ پہلے نفس کو اطمینان تک پہنچایا
 بعد ازاں بتدریج بمحض فضل ایزدی بایں سعادت مستسعد
 اس کے بعد بتدریج محض فضل ایزدی سے اس سعادت سے سعادت مند
 ساختند و بایں دولت مشرف نشد تا زمانے کہ پرتوے از
 ہوا اور اس دولت سے مشرف نہیں ہوا جب تک آنحضرت
 رضائے آن حضرت جل سلطانہ برنتافت فرضیت النفس
 جل سلطانہ کی رضا کا پرتو نہیں ڈالا گیا پس نفس مطمئنہ

حضرت امام ربانی کا مقام رضا سے بہرہ اندوز ہونا

۱ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر اس
 امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کے
 حلقہء ارادت میں شمولیت اور ان سے نسبت نقشبندیہ کے حصول کے بعد مجھے

المطمئنة عن مولاها ورضى مولاها عنها الحمد لله سبحانه
 اپنے مولا سے راضی ہو گیا اور اس کا مولا اس سے راضی ہو گیا اللہ سبحانہ
 علی ذالک حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه مباركاً عليه و كما
 کی اس پر حمد و ثنا ہے جو بے پایاں پاکیزہ جس میں برکت جس پر برکت جیسی
 يحب ربنا ويرضى والصلوة والسلام على رسول محمد وآله
 ہمارا رب پسند فرماتا اور چاہتا ہے درود و سلام ہو اس کے رسول حضرت محمد
 كما يحرى . اگر گویند کہ چون نفس راضی شد از
 اور آپ کی آل پر جیسا کہ ان کے لائق ہے۔ اگر کہیں کہ جب نفس اپنے

مقامات عشرہ کی تکمیل میں بارہ سال کا طویل عرصہ لگ گیا۔ سب سے پہلے نفس مطمئنة کی
 دولت قصویٰ سے مالا مال ہوا بعد ازیں تدریجاً مقام رضا عطا فرمایا گیا۔ طیٰ سلوک کی یہ
 ترتیب قرآن کریم کے عین مطابق ہے جیسا کہ آیہ کریمہ يَا أَيُّهَا النَّفْسَ الْمَطْمَئِنَّةُ
 ارجعی الی ربك راضية مرضیه سے عیاں ہے۔ والحمد لله علی ذالک

مولائے خود پس معنی دعا و طلب دفع بلا چہ باشد؟
 مولیٰ سے راضی ہو گیا پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا معنی ہوا؟
 گوئیم کہ رضا از فعل مولائے تعالیٰ مستلزم رضا از
 ہم کہتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ کے فعل سے رضا اس کی مخلوق کی رضا کو مستلزم نہیں
 مخلوق اونہست بلکہ بسا است کہ رضا از مخلوق
 ہے بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ مخلوق سے رضا کفر و معاصی کی
 مستقبح باشد در رنگ کفر و معاصی پس رضا از خلق
 صورت میں قبیح ہوتی ہے خالق قبیح سے رضا لازم ہوئی حالانکہ
 قبیح لازم باشد و کراہت از نفس قبیح واجب ہر گاہ
 نفس قبیح سے کراہت واجب ہے جب مولیٰ نفس قبیح
 مولا تعالیٰ از نفس قبیح راضی نباشد بندہ چگونہ راضی
 سے راضی نہ ہوا تو بندہ کیسے راضی ہوا بلکہ بندہ

یہاں ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جب کسی عارف کو راضیہ مرضیہ کا
 منصب عظیم عنایت ہو جاتا ہے تو مزید اس کا تحصیل خواہشات اور دفع بلیات کیلئے
 دعائیں کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صاحب راضیہ مرضیہ کے،
 فعل حق تعالیٰ سے راضی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی مخلوق (خیر و شر) سے بھی
 راضی ہو جائے۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ خیر و شر کا خالق حق تعالیٰ ہے وہ
 تعالیٰ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے خوش نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کفر و معاصی

شود بلکه بندہ دریں صورت مامور بشدت و غلظت
 اس صورت میں شدت اور سختی پر مامور ہے پس مخلوق
 ست پس کراہت از مخلوق منافی رضا از خلق آن
 سے کراہت کرنا اس کی خلق سے رضا کے منافی نہ ہوا لہذا
 نباشد پس طلب دفع بلا را معنی مستحسن باشد و
 دفع مصیبت کی طلب کے مستحسن معنی ہو گئے اور وہ
 جمعے کہ فرق نہ کردہ اند در میان رضا از فعل و کراہت
 جماعت جنہوں نے فعل سے رضا اور مفعول سے کراہت کے درمیان فرق نہیں کیا

اور طغیان و عصیان کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر وہ اس سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی ان
 افعال ناپسندیدہ کا حکم دیتا ہے جیسا کہ آیات کریمہ لا یرضی لعبادہ الکفر اور قل
 ان اللہ لا یامر بالفحشاء سے عیاں ہے بلکہ ان امور قبیحہ اور افعال ردیہ کے
 مرتکبین کیلئے حدود و تعزیرات کے قوانین مقرر فرمائے گئے ہیں اور قوت نافذہ کو ان
 احکام شرعیہ کے نفاذ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب افعال قبیحہ سے خود حق
 تعالیٰ راضی نہیں تو راضیہ مرضیہ کے مرتبہ پر فائز المرام بندہ مؤمن کیونکر خوش ہوگا۔

یہاں دعا اور رضا کے متعلق قدرے معلومات ہدیہء قارئین ہیں۔ وباللہ التوفیق
 حضرت امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیا
 دعا افضل ہے یا سکوت و رضا؟ بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ دعا چونکہ بذات خود عبادت
 ہے جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات الدعاء مَخَّ العبادۃ اور الدعاء
 ہو العبادۃ سے واضح ہے چونکہ دعا عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور عبادت کا خلاصہ و

از مفعول در وجود کراہت بعد از حصول رضا در اشکال
 حصول رضا کے بعد کراہت کے پائے جانے میں اشکال میں پڑ گئے
 مانند اند و در دفع آن تکلفات نمودہ اند و گفته اند کہ
 اور اس (اشکال) کے دفع کرنے میں تکلفات میں پڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں
 وجود کراہت منافی حال رضا است نہ مقام رضا والحق
 کہ کراہت کا وجود حال رضا کے منافی ہے نہ کہ مقام رضا کے۔ حق وہی ہے جو میں نے
 ما حقیقۃ بالہام اللہ سبحانہ والسلام علی من اتبع الہدیٰ
 اللہ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کر دی ہے اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے

حقیقت خضوع و تذلل اور خواری ہے جو دعا میں باکمل الوجوہ حاصل ہوتی ہے۔ اس
 لئے ادائے عبادت، ترک عبادت سے اولیٰ ہے۔ دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ دعا
 سے سکوت افضل و اولیٰ ہے تاکہ تقدیر الہی کے مطابق جریان حکم ہو جائے اور بندۂ
 مؤمن رضا بالقضاء پر عمل پیرا ہے۔ (میدان کربلا میں سید الشہداء حضرت سیدنا امام
 حسین رضی اللہ عنہ نے رضا بالقضاء کی لازوال مثال قائم فرمادی جیسا کہ آپ کے
 الفاظ مبارکہ رضا بقضاء ک سے واضح ہے۔ بقول شاعر

طاقت ہندیاں زور نہیں لایا بیٹھے مل رضائیں

دنیا اتوں پیاسے ٹر گئے دین دنی دے سائیں)

جبکہ تیسرے گروہ کا یہ موقف ہے کہ بندۂ مؤمن کو زبان سے صاحب دعا اور

قلب سے صاحب رضا ہونا چاہئے تاکہ وہ دعا اور رضا دونوں احوال کا جامع ہو جائے۔

(الاملاء فی تحقیق الدعاء)

مِنَهَا - ۲۸

مدتے آرزوئے آن داشت کہ وجہ پیدا شود وجیہ در
 مدت سے یہ آرزو رہی کہ معقول وجہ پیدا ہو جائے
 مذہب حنفی تا درخلف امام قرأت فاتحہ نمودہ آید ہر گاہ
 مذہب حنفی میں تاکہ امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت کی جا سکے! جبکہ
 قرأت در نماز فرض باشد از قرأت حقیقی عدول نمودہ
 نماز میں قرأت فرض ہے قرأت حقیقی سے عدول کر کے
 بقرأت حکمی قرار دادن معقول نمی شد با آنکہ در حدیث
 حکمی قرأت قرار دینا معقول نہیں تھا ساتھ ہی حدیث نبوی
 نبوی آمدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا صلوة الا بفاتحة الكتاب
 علیہ الصلوٰۃ و السلام میں آیا ہے کہ فاتحہ الكتاب کے بغیر نماز نہیں ہوتی
 ۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ
 رضی اللہ کے فضائل اور فقہ حنفی کی فضیلت و فوقیت بیان فرما رہے ہیں۔
 اس منہا کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے قرأت خلف
 الامام کے مسئلہ کو تمثیلاً نہایت احسن پیرائے میں بیان فرمایا ہے جسے باشعور شخص مطالعہ
 کر کے حنفی کی عظمت و اہمیت کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اسی واسطے رعایت مذہب بے اختیار ترک قرأت می کرد
لیکن رعایت مذہب کے واسطے سے بے اختیار قرأت ترک کرتا تھا
واین ترک را از قبیل ریاضت و مجاہدہ می شمرد آخر
اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ کے قبیل سے شمار کرتا تھا آخر کار
الامر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ببرکت رعایت مذہب
حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے رعایت مذہب کی برکت
کہ نقل از مذہب الحدادست حقیقت مذہب حنفی در
سے کہ مذہب سے خروج الحداد ہے ۲ مذہب حنفی کی حقیقت، مقتدی کے

تقلید کا بیان

۲ حق تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید و رسالت کا اقرار
کرنے والے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر
وسعت علم عطا فرمائی ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے جملہ مسائل کا حل کتاب و سنت
سے براہ راست استخراج کر سکتے ہیں، اہل علم کے نزدیک ایسی متبرک شخصیات کو مجتہد
کہا جاتا ہے جبکہ دوسری قسم کے وہ مسلمان ہیں جو اپنی کم علمی کے باعث استخراج مسائل
پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ پیش آمدہ مسائل کا حل، اہل علم کے اقوال سے حاصل کرتے
ہیں جنہیں مقلد کہا جاتا ہے۔

تقلید کا معنی و مفہوم

تقلید کے لغوی معنی ”قلادہ در گردن بستن“ یعنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا

ترك قرأت ماموم ظاہر ساخت وقرأت حکمی از قرأت
 ترک قرأت میں ظاہر فرما دی اور حکمی قرأت،
 حقیقی در نظر بصیرت زیبا تر نمود کہ امام و ماموم ہمہ
 حقیقی قرأت سے بصیرت کی نظر میں زیبا تر دکھائی دی کہ امام اور مقتدی تمام
 باتفاق در مقام مناجات سی ایستند لان المصلی یناجی ربہ
 مل کراتفاق سے مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ نمازی اپنے رب سے
 کے آتے ہیں۔

فقہائے کرام نے تقلید کی شرعی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ یقول اوفی فعلہ علی زعم انہ
 محق بلا نظر فی الدلیل یعنی کسی شخص کا اپنے علاوہ کسی اور کو اہل تحقیق میں سے
 جانتے ہوئے بغیر کسی دلیل میں غور و فکر کیے اس کے قول و فعل کی اتباع کرنے کو تقلید
 کہتے ہیں۔ (نور الانوار)

اس تعریف سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام اور ائمہ دین وغیرہم سب
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں مقلد نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول
 و فعل دلیل شرعی ہے جبکہ تقلید میں دلیل شرعی کا لحاظ نہیں ہوتا۔

تقلید کی اقسام

امور شرعیہ اور امور غیر شرعیہ کے اعتبار سے تقلید دو طرح کی ہے

تقلید غیر شرعی اور تقلید شرعی

وامام را دریس امر پیشوا سی سازند پس امام ہرچہ سی
 مناجات کرتا ہے اور امام کو اس امر میں پیشوا بناتے ہیں پس امام جو کچھ پڑھتا
 خواند گویا در زبان قوم سی خواند در رنگ آنکہ جماعہ
 ہے گویا قوم کی زبان میں پڑھتا ہے اس جماعت کی طرح
 پیش پادشاہ عظیم الشان بحاجتے بروند ویکے را پیشوا
 جو عظیم الشان بادشاہ کے حضور کسی ضرورت کیلئے پیش ہوتے ہیں اور کسی
 سازند تا از زبان ہمہ اینہا عرض حاجت نماید ، برین
 ایک کو پیشوا بنا لیں تاکہ ان تمام کی زبان سے عرض حاجت کرے

تقلید غیر شرعی

یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی امور میں کسی اہل فن کی پیروی کرنا بشرطیکہ وہ عندالشرع
 ممنوع اور حرام نہ ہوں۔ ممنوع اور حرام امور میں تقلید کرنے کی مذمت بیان کرتے
 ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

و اذ اقبل لهم تعالوا الی ما نزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما
 وجدنا علیہ آباءنا اولوکان آباء ہم لا یعلمون شیئاً ولا یہتدون
 یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول
 اللہ کی طرف، کہتے ہیں ہم کو وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگرچہ ان کے
 باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ ہدایت پر ہوں۔

مولانا روم مست بادۃ قیوم نے اس قسم کی تقلید کی یوں مذمت فرمائی ہے

تقدیر اگر دیگران نیز با وجود تکلم پیشوا در تکلم آیند
 اس صورت میں اگر دوسرے بھی پیشوا کی گفتگو کے باوجود گفتگو کرنے
 داخل سوء اد بست و موجب عدم رضائے پادشاہ پس
 لگیں تو بے ادبی میں داخل ہے اور بادشاہ کی ناراضگی کا موجب ہے پس

مر مرا تقلید شاہاں برباد داد

در صد لعنت بر اہل تقلید باد

داناے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عبادت بتقلید گمراہی است

خنک رہوئے را کہ آگاہی است

ایسے ہی یاد حق سے غافل اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے اہل ہوا کی تقلید کرنے

سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا تَطْعَمَنْ اَغْفَلْنَا

قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ یعنی اس کی اطاعت نہ کرو جس کا قلب ہم نے اپنی یاد

سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

خاصہء تقلید چنین بے حاصلان

کابرو را ریختند از بہر ناں

تقلید شرعی کی اقسام ثلاثہ

مسائل شرعیہ تین طرح کے ہیں

.....عقائد

تکلم حکمی این جماعہ کہ بزبان پیشوا ادا سی یا بد بہتر
 اس جماعت کا حکمی تکلم جو پیشوا کی زبان سے ادا ہوتا ہے بہتر ہے
 ست از تکلم حقیقی این ہا ہمچنین است حال قرأت
 اس حقیقی تکلم سے یہی حال ہے قوم کی قرأت کا
 قوم با وجود قرأت امام کہ داخل شغب است و از ادب
 با وجود امام کی قرأت کے جو شور و فساد میں داخل ہے ادب سے
 مستبعد و موجب تفرق کہ منافی اجتماع ست و اکثر
 دور اور موجب انتشار جو اجتماع کے منافی ہے اکثر

۲..... وہ احکام جو کتاب و سنت سے صراحتہ ثابت ہیں اور ان میں بظاہر کوئی تعارض نہیں
 انہیں مسائل منصوصہ غیر متعارضہ بھی کہا جاتا ہے۔ اجتہاد کا ان میں کوئی عمل دخل نہیں۔
 ۳..... وہ مسائل جو صراحتہ کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں یا ثابت تو ہیں مگر اس
 آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی بنا پر قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول
 نہیں کیا جاسکتا یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے اس قسم کے
 مسائل کو مسائل غیر منصوصہ کہا جاتا ہے جنہیں مجتہد بذریعہ اجتہاد مستنبط کرتا ہے۔ انہیں
 مسائل مستنبطہ میں غیر مجتہد کو کسی مجتہد کی تقلید کرنا پڑتی ہے۔

عقائد اسلامیہ اور اصول دینیہ میں کسی مجتہد کی تقلید نہیں ہوتی البتہ مسائل فرعیہ
 میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے۔

مجتہدین کی اقسام

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ شامی میں طبقات فقہاء کی بحث

مسائل خلافی میان حنفی و شافعی ازیں قبیل ست کہ
 حنفی اور شافعی (فقہ) کے درمیان اختلافی مسائل اسی قبیل سے ہیں جو
 ظاہر و صورت مرجح بجانب شافعی است و باطن و
 ظاہر اور صورت میں شافعی کی جانب ترجیح دینے والے ہیں اور باطن اور
 حقیقت مؤید مذہب حنفی و برین فقیر ظاہر ساختہ
 حقیقت میں حنفی مذہب کے مؤید اس فقیر پر ظاہر کیا گیا

کرتے ہوئے مجتہدین کے چھ طبقے بیان فرمائے ہیں۔

۱..... مجتہد فی الشرع: وہ ائمہ عظام ہیں کہ جنہوں نے اجتہاد کے قواعد کو وضع کیا ہے جیسے
 ائمہ اربعہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

۲..... مجتہد فی المذہب: وہ ائمہ کرام ہیں کہ جو ائمہ اربعہ کے وضع کردہ قواعد اجتہاد یہ کی
 روشنی میں مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور
 عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ یہ ائمہ قواعد میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے
 مقلد ہیں مگر مسائل میں خود مجتہد ہیں۔

۳..... مجتہد فی المسائل: وہ شیوخ کرام ہیں جو قواعد اجتہاد یہ اور مسائل فرعیہ دونوں
 میں مقلد ہیں مگر جن مسائل کی بابت ائمہ کرام کی تصریحات نہیں ملتیں ان کو قرآن
 و حدیث وغیرہا دلائل سے اخذ کر سکتے ہیں جیسے امام طحاوی، شمس الائمہ امام سرخسی اور
 قاضی خان وغیرہم

۴..... اصحاب تخریج: وہ حضرات ہیں کہ جن میں اجتہاد کی صلاحیت و قابلیت تو نہیں ہوتی
 البتہ ائمہ کرام میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل بیان فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

اند کہ درخلافیات کلام حق بجانب حنفی ست تکوین
 کہ علم کلام کے اختلافات میں حق حنفی کی جانب ہے تکوین
 را از صفات حقیقیہ سی داند ہر چند بظاہر رجوع بقدرت
 کو صفات حقیقیہ سے جانتے ہیں اگرچہ بظاہر قدرت اور ارادہ
 و ارادت سی نماید لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم
 کی طرف رجوع دکھائی دیتا ہے لیکن دقت نظر اور نور فراست سے معلوم

۵..... اصحاب ترجیح: وہ حضرات ہیں جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقوال
 میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں ایسے ہی جہاں امام اعظم اور صاحبین کا کسی مسئلہ
 میں اختلاف ہو تو یہ حضرات ہذا اصح یا ہذا اولیٰ وغیرہا کے الفاظ سے کسی
 ایک کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۶..... اصحاب تمیز: وہ علمائے اعلام ہیں جو ظاہر مذہب، نادر روایات، ضعیف، قوی
 اور اقویٰ اقوال میں تمیز و تفریق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تاکہ اقوال مردودہ
 اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیا جائے اور معتبر اقوال اور صحیح روایات کو لے لیا جائے جیسے
 صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جس شخص میں ان چھ اوصاف میں سے کوئی وصف نہ پایا جائے وہ مقلد محض ہے
 ایسے ہی اگر کوئی محقق فی المذہب کسی صحیح حدیث سے آگاہ ہو کر اس پر عمل پیرا ہو تو وہ
 اس سے غیر مقلد نہیں بن جائے گا بلکہ وہ حنفی ہی رہے گا کیونکہ اس نے اس حدیث صحیح
 پر عمل حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول اذا صحح الحدیث فهو مذہبی
 کے مطابق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ

می گردد کہ تکوین صفت علیحدہ است علیٰ هذا القیاس
ہوتا ہے کہ تکوین علیحدہ صفت ہے علیٰ هذا القیاس اور

و در خلافت فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی
اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی کی

متیقن است و در اقل متردد و این فقیر را در توسط احوال
جانب متیقن ہے اور بہت کم میں تردد ہے اس فقیر کو درمیانی احوال میں

و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی
اور اطاعت کرو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اولی الامر سے علمائے مجتہدین مراد ہیں جو صاحبان علم و
استنباط ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و لو ردوہ الی اللہ والی الرسول والی

اولی الامر منهم لعلہ الذین یستنبطونہ منهم سے عیاں ہے اس لئے اولی
الامر کی اطاعت من حیث الاستنباط ہے نہ کہ من حیث الحکومت۔ اس

لئے یہ اطاعت، شرعی اطاعت ہوگی اور اگر کوئی امر الہی کے خلاف حکم دے تو ہرگز اس
کی اطاعت واجب نہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت لا طاعة لمخلوق

فی معصیۃ الخالق سے واضح ہے مزید برآں اولی الامر کو بلا اعادہ فعل اطیعوا
”اطیعوا الرسول“ پر اطاعت کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جس طرح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت احکام شرعیہ میں بغیر مطالبہء دلیل واجب ہے
ایسے ہی علمائے مجتہدین کی اطاعت مسائل اجتہادیہ میں بلا طلب دلیل محض حسن ظن کی

بناء پر غیر مجتہدین پر واجب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت رسول
واجب قطعی ہے جبکہ ائمہ مجتہدین کی اطاعت تقویٰ و اجتہاد اور ان کے ساتھ حسن ظن کی

وجہ سے واجب ظنی ہے اسی اطاعت کو تقلید کہا جاتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی

تحمین و تصویب فرمائی ہے چنانچہ روایت میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی

بنا کر بھیجا تو یہ پوچھا کیف تقضی اذا عرض لك قضاء کہ اگر کوئی قضیہ پیش

آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟..... انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ

کروں گا۔

ارشاد فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے تو..... عرض کیا: اجتہد برائی ولا

الو میں اجتہاد کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرط مسرت سے) اپنا دست

مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی

توفیق دی جس پر اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث مبارکہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و منشاء کے مطابق

حضرت معاذ بن جبل کا مسائل غیر منصوصہ میں بذریعہ اجتہاد احکام شرعیہ ظاہر کرنا ثابت

ہوتا ہے نیز اہل یمن کا ان کی اتباع و تقلید کرنا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی

مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اسے قرآن سے نکالتے اگر قرآن میں نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت سے نکالتے اگر سنت رسول سے نہ ملتا تو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

کے ارشادات سے اخذ کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم متفق ہوتے اسے اخذ کرتے فان لم یکن فیہ امر برایہ اگر وہاں بھی نہ ملتا تو اس معاملے میں اپنی رائے سے کام لیتے۔ (الدارمی ۳۳)

استخراج مسائل کے سلسلے میں خود امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انسی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابة مقدا ما اتفقوا علی ما اختلفوا وحينئذ اقیس یعنی میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں..... پھر اس کے بعد احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات پر..... اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ فیصلہ پر..... اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہیں پھر قیاس کرتا ہوں۔ (الخیرات الحسان)

قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ میں مؤذن رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر خواب میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیرانہ سال شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ میرے قلبی اندیشہ پر مطلع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا ”ایس امام تست و اہل دیار تو یعنی ابوحنیفہ“ یہ تیرا امام ہے اور تیرے اہل وطن کا امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس خواب سے ظاہر ہوا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے تھے جو اوصاف طبع میں فانی اور احکام شرع میں باقی گذرے ہیں۔ یہ حقیقت اس امر سے عیاں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھائے ہوئے ہیں اگر وہ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔ باقی الصفت مخطی بھی ہو سکتا ہے اور مصیب بھی چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اٹھائے ہوئے تھے اس لئے وہ ذاتی صفات کے اعتبار سے فانی الصفت تھے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صاحب بقا تھے۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا نہیں ہو سکتی تو جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم ہو وہ بھی خطا

کے ارتکاب سے محفوظ ہوتا ہے این رمزے لطیف است۔ (کشف المحجوب ۱۰۱)
 شیخ الاتقیاء حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے
 خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا میں نے عرض کیا این اطلبک قال
 عند علم ابی حنیفہ میں آپ کو کہاں طلب کروں فرمایا ابو حنیفہ کے علم میں (رحمۃ
 اللہ علیہ)۔ (کشف المحجوب)

یوں تو ائمہ اربعہ کے چاروں مسالک حق و درست ہیں لیکن فقہ حنفی کو ان میں
 سب پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز زیر نظر منہا میں
 رقمطراز ہیں:

اکثر مسائل خلاقی میان حنفی و شافعی ازیں قبیل ست
 کہ ظاہر و صورت مرجح بجانب شافعی است و باطن و حقیقت
 مؤید مذہب حنفی یعنی حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قبیل سے
 ہیں کہ ان کا ظاہر اور صورت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب کو ترجیح دینے والی ہے لیکن
 ان کا باطن و حقیقت مذہب حنفی کی ہی مؤید ہے۔

ائمہ مجتہدین کا اپنے مقلدین کی اعانت کرنا

عالم ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ العزیز میزبان میں ائمہ
 مجتہدین اور صوفیائے کاملین کے مقلدین و معتقدین کو شفاعت و اعانت کا مشورہ سناتے
 ہوئے رقمطراز ہیں:

ان الصوفیة والفقهاء کلہم یشفعون فی مقلدینہم ویلاحظون
 احدہم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر و نکیر لہ وعند الحشر
 والنشر والحساب والصراط ولا یغفلون عنہم فی موقف من المواقف

الی آخره و اذا كان مشائخ الصوفیه یلاحظون اتباعهم و مریدیهم فی جمیع الاهیال و الشدائد فی الدنیا و الآخرة فکیف بائمة المجتهدین و هم ائمة المذاهب الذین هم اوتاد الارض و اوتاد الدین و امناء الشارع علی امت فطب نفسایا اخی و قرعینا بتقلید کل امام ماشئت منهم یعنی صوفیائے کرام اور فقہائے عظام اپنے مریدین و مقلدین کی شفاعت کریں گے اور وہ ان میں سے ہر کسی کی جاں کنی کے وقت، منکر نکیر کے سوالات و جوابات کے وقت، حشر و نشر، حساب اور پل صراط سے گذرتے وقت ملاحظہ کریں گے اور کسی مقام پر بھی ان سے غافل نہیں ہونگے۔ جب مشائخ صوفیہ دنیا و آخرت میں تمام مصائب و شدائد میں اپنے تبعین و مریدین کو ملاحظہ کرتے ہیں تو ائمہ مجتہدین اپنے مقلدین و تبعین کو کیوں ملاحظہ نہیں کریں گے حالانکہ ائمہ مذاہب وہ پاکباز حضرات ہیں جو زمین و دین کے اوتاد ہیں اور امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰات و التسلیمات پر حضرت شارع کے امین ہیں فلہذا اے بھائی! خوش ہو جا اور ائمہ کرام میں سے کسی امام کی تقلید سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ (الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ ۸۰)

دوسری صدی کے آخر سے تیسری صدی کے آخر تک ائمہ اربعہ کی فقہ کی تدوین و شیوع ہو چکا تھا اور چوتھی صدی میں ان چاروں اماموں کی فقہوں پر ملت اسلامیہ کا اتفاق ہو گیا تھا فلہذا اب جو چیز ائمہ اربعہ کے مخالف ہوگی وہ اجماع امت کا خلاف ہوگا جیسا کہ امام ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذہب مخالف الاربعہ لانضباط مذاہبہم و انتشارها و کثرة اتباعہم یعنی ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانے کے ممنوع ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے کہ ان چاروں کے مذاہب ہی منضبط و مدون ہیں اور عام و خاص میں مشہور ہیں اور انکے تبعین کی ہی کثرت ہے۔

(الاشاہ والنظار ۱۳۳)

مذہب اربعہ سے خروج گمراہی ہے

حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ کہف واذکر ربك اذانسیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ولا يجوز تقليد ما عدا المذاهب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحديث الصحيح والاية فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اذاه ذلك لكفر لان الاخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر یعنی مذہب اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ قول صحابہ، حدیث صحیح اور آیت کریمہ کے موافق ہی ہو جو ان مذہب اربعہ سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے کیونکہ کتاب و سنت کے فقط ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔ (تفسیر صاوی)

ادیان عالم میں دین اسلام جس طرح ایک معتدل اور متوسط دین ہے ایسے ہی فرق اسلامیہ میں اہل سنت و جماعت وہ معتدل گروہ ہے جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اہل سنت و جماعت کے مذہب اربعہ میں مجتہدین کی تقلید وہ نقطہ اعتدال ہے جو لوگوں کو خواہشات نفسانی، سہولت پسندی، بے احتیاطی، دینی آوارگی اور فکری افتراق و انتشار سے محفوظ رکھتا ہے اور غیر مجتہدین علماء اعلام اور عامۃ المسلمین کو ائمہ مجتہدین کا ممنون احسان اور نیاز مند رکھتا ہے اور غیر مقلدیت اور تلفیق کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی ہے۔ اس کی مثال امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لغات سبعہ پر جب باہمی اختلاف و نزاع پیدا ہوا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اتفاق و اجماع سے قرآن کریم کی سات لغتوں میں سے صرف لغت قریش اختیار کرنے اور بقیہ سب لغات والے مصاحف کے تلف کرنے کا واقعہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تلفیق کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

تلفیق

تلفیق کا لفظ لفق سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی شکرے کا شکار پر چھوڑا جانا مگر شکار نہ کرنا، مقصد میں ناکام اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا ملانا وغیرہا کے آتے ہیں۔

اصطلاحاً ایک امام کی اتباع کو دوسرے امام کی اتباع سے جوڑنا ہے ایسے کہ کوئی مقلد شخص محض نفسانی خواہشات اور سہولت کی خاطر کچھ مسائل میں ایک امام کی تقلید کرے، کچھ مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرے اور کچھ مسائل میں تیسرے امام کو پیروکار جانے اور کچھ مسائل میں چوتھے امام کی تحقیقات کو مانے۔ یوں مسائل ملا کر ایک نئے مذہب کا معجون مرکب بنا دے اور وہ کسی بھی امام کے نزدیک پسندیدہ نہ رہے یا ایک عمل میں مختلف مذاہب کو جمع کر دیا جائے اور وہ مجموعی عمل کسی امام کے ہاں بھی درست نہ رہے اسے تلفیق کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں ہو تتبع الرخص عن ہویٰ یعنی تلفیق نفسانی تقاضوں سے شریعت کی رخصتوں کو تلاش کرنا ہے۔ (قواعد الفقہ ۲۳۳)

جبکہ علامہ عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ان تتبع رخص المذاهب غیر جائز بالاجماع یعنی مذاہب میں رخصتیں تلاش کرنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (مسلم الثبوت)

در اصل تلفیق مذاہب تلاعب فی الدین ہے جو ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات میں ہے مثل المنافق کمثل الشاة العائرة بین

الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة یعنی منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ میں جاتی ہے کبھی دوسرے ریوڑ میں۔ (مشکوٰۃ)

دوسری روایت میں ہے:

ان شر الناس ذو الوجهين الذي يأتي هولاء بوجه وهو لاء بوجه
یہ امر ذہن نشین رہے کہ مسائل کی دو قسمیں ہیں۔

مسائل متفقہ اور مسائل مختلفہ

متفق علیہا مسائل میں تو سب ائمہ کا اتباع ہوگا اور مختلف فیہا مسائل میں سب کا اتباع ممکن نہیں لہذا کسی ایک امام کی اتباع ہی ہوگی۔

اسی بنا پر فتاویٰ عالمگیری میں ہے حنفی ارتحل الی مذهب الشافعی
یعزر یعنی جو حنفی، مذہب شافعی کی طرف منتقل ہوگا اسے تعزیراً سزا دی جائے گی۔
حضرت علامہ احمد حموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان المنتقل من مذهب الی مذهب بالاجتهاد والبرهان اثم
فیستوجب التعزیر فبالاجتهاد وبرهان اولیٰ عنی ایک مذہب سے دوسرے
مذہب میں اجتہاد و برہان کے ذریعے منتقل ہونے والا گناہ گار ہے اور تعزیر کا مستوجب
ہے اجتہاد و برہان کے بغیر کسی دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے والا زیادہ گناہ گار
اور تعزیر کا حقدار کیوں نہ ہوگا۔ (شرح اشباہ)

شرح مسلم الثبوت میں ہے:

غیر المجتهد المطلق ولو كان عالماً يلزمه التقليد لمجتهد یعنی
غیر مجتہد مطلق اگرچہ عالم ہی ہو اس پر مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے۔
حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تلفیق کے متعلق رقمطراز ہیں:

ان الحكم الملقق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً یعنی بلاشبہ تلفیق بالاجماع باطل ہے اور ایک مذہب کے مطابق عمل کرنے کے بعد (محض اپنی سہولت کیلئے) اس سے نکلنا بالاتفاق باطل و ناجائز ہے۔ (ردالمحتار ۱/۷۵)

تلفیق کی مثال

کسی حنفی شخص کے وضوء کے بعد چوٹ لگنے سے خون بہہ نکلا اس نے نئے سرے سے وضوء نہیں کیا پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ مس ہو گیا اب اگر اس نے اسی وضوء سے نماز پڑھ لی تو یہ نماز کسی امام کے نزدیک بھی درست نہیں ہوگی۔ عندالاحناف اس لئے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضوء ٹوٹ گیا اور شوائع کے ہاں اس لئے نہیں کہ عورت کو مس کرنے سے اس کا وضوء جاتا رہا فلہذا دونوں مذاہب (حنفیہ و شافعیہ) کے نزدیک اس کیلئے اس وضوء سے نماز پڑھنا درست نہیں یہاں مسئلہ کا حکم تو ایک ہے مگر دونوں مذاہب کے اعتبار سے اس کی جہات مختلف ہیں۔

جب اس کا خون بہا اور اس کا وضوء ٹوٹ گیا، اس لئے اسے ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنا چاہئے تھی بلکہ از سرے نو وضوء کرنا چاہئے تھا لیکن وہ حنفی اندر ہی اندر شافعی المسلک ہو گیا تا کہ پہلے وضوء کے ساتھ ہی نماز پڑھ لے کیونکہ وضوء کے بعد خون بہنے سے عندالشوائع وضوء نہیں ٹوٹتا مگر جب اس کا ہاتھ کسی عورت سے چھو گیا تو عندالشوائع اس کا وضوء جاتا رہا کیونکہ شوائع کے ہاں عورت کو چھو لینے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ احناف کے ہاں ہاتھ کے مس کرنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اس لئے اس نے پھر حنفی مسلک اختیار کر لیا یوں اس کا ایک ہی عمل میں مختلف ائمہ کے مذاہب پر آنا جانا تلفیق ہے جو ایک نازیبا حرکت ہے جو محض سہولت پسندی اور نفسانی خواہش ہے جس کی مذمت ارشاد باری تعالیٰ افرأیت من اتخذ الہہ ہواہ سے عیاں ہے۔

یاد رہے کہ کسی مذہب سے اگر کوئی شخص بر بنائے تحقیق نکلتا ہے تو یہ امر ممنوع نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ امام ہمام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن جب کتب حنفیہ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا اور فقہ حنفی کی حقیقت عیاں ہوئی تو شافعی مذہب کو ترک کر کے حنفی مذہب کو اختیار کر لیا فقہائے کرام کے نزدیک یہ تلفیق نہیں تحقیق ہے جو جائز ہے۔

مقلد محقق کا تفرد

اگر کسی محقق کو کسی مسئلہ میں اپنے امام کے قول صریح کے برعکس کوئی حدیث شریف مل جائے یا اپنے امام کے اقوال مختلفہ میں سے کسی مرجوح قول کی مضبوط دلیل نظر آئے یا دوسرے امام کے قول کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہو اور وہ محقق عالم اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث مبارک پر عمل کرے یا قول مرجوح پر عمل کرے یا اپنے امام کے قول کو ترک کر کے جانب مخالف کو اختیار کرے تو اسے اصطلاح میں مقلد محقق کا تفرد کہا جاتا ہے اور اس محقق کو اس طرح تفرد اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ مگر یہ بات مستحضر رہے کہ یہ حق صرف محقق کے علاوہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں ہے اور اسے اس قسم کے تفرد اختیار کر لینے سے اپنے امام کے مذہب سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے گا جیسا کہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی مجددی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ولا يخفى ان ذلك لمن كان اهلاً للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها یعنی یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہ اجازت صرف اسی محقق کو حاصل ہے جو اس پائے کا عالم ہو کہ نصوص میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہو اور ان کے محکم اور منسوخ کو پہچانتا ہو۔ (رد المحتار للشامی ۱/ ۶۷)

حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰات والتسلیمات در حضرت پیغمبر آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰات و تسلیمات ہوں نے واقعہ فرمودہ بودند کہ ”تو از مجتہدان علم کلامی“ واقعہ میں فرمایا تھا کہ تم علم کلام کے مجتہدین سے ہو ۳ ازان وقت درہر مسئلہ از مسائل کلامیہ این فقیر را اسی وقت سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی رائے خاص ست و علم مخصوص در اکثر مسائل خلافیہ خاص رائے ہے اور مخصوص علم۔ اکثر اختلافی مسائل میں کہ ماتریدیہ و اشاعرہ در آنجا متنازع اند در ابتدائے ظہور جو ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان متنازع ہیں اس مسئلہ کے ابتدائے ظہور

۳۔ علم کلام کا مختصر تعارف

وہ علم ہے کہ جس میں ذات و صفات باری تعالیٰ اور اعتقادات اسلامیہ کے متعلق بحث ہوتی ہے اسے علم عقائد اور فقہ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس فن کی تدوین و ترتیب کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس صنف خاص میں تمام معاصرین سے گئے سبقت لے گئے بعد ازیں علمائے اعلام نے اس میں مزید تحقیقات اور ادیان ضالہ کے شکوک و شبہات کو رفع کر کے اس کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور فرقہ باطلہ اور ملل ضالہ کی دسیسہ کاریوں اور دھوکہ دہیوں سے

آن مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم میگردد و
 میں حقیقت اشاعرہ کی جانب مفہوم ہوتی ہے اور جب
 چوں بنور فراست حدت نظر نمودہ می آید واضح می
 نور فراست کے ساتھ باریک بینی سے غور کیا جاتا ہے تو
 گردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است در جمیع مسائل
 واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے تمام اختلافی

قصر اہل سنت کو متزلزل ہونے سے مصون و مامون کر دیا اور دین اسلام کے عالیشان
 محل کو منہدم ہونے سے بچالیا۔ یوں ارشاد باری تعالیٰ یریدون لیطفوا نور اللہ
 بافواہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون کے مصداق ملت اسلامیہ کے
 شیرازہ کو بکھرنے سے محفوظ کر دیا۔ بقول شاعر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ نور بجھایا نہ جائے گا

جس طرح مسائل عملیہ فرعیہ میں اہل سنت و جماعت کے چار امام ہیں ایسے ہی
 علم کلام میں فتوح العقائد کے مطابق مسائل اعتقادیہ میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں
 اشاعرہ اور ماتریدیہ۔ متکلمین اشعریہ (اشاعرہ) کے رئیس امام اہل سنت حضرت امام
 ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جبکہ متکلمین ماتریدیہ کے امام شیخ الاسلام حضرت امام
 ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

گو حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز علم کلام میں امام المتکلمین حضرت امام
 ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر اختلافی مسائل میں
 علمائے اشاعرہ کی بجائے مشائخ ماتریدیہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں لیکن بارگاہ

خلافیہ کلامیہ رائے این فقیر موافق آرائے علمائے
 مسائل کلامیہ میں اس فقیر کی رائے علمائے
 ماتریدیہ است والحق کہ این بزرگواران را بواسطہ
 ماتریدیہ کی آراء کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو
 متابعت سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ
 روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی پیروی کے واسطہ سے
 رسالت مآب علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات سے آپ علم کلام کی مسند اجتہاد پر فائز
 المرام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں بر بنائے الہام و فراست نہ کہ
 تقلید و تخمین کے لحاظ سے خاص رائے اور مخصوص علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ سشترے نمونہ
 از خروارے ایک مثال پیش خدمت ہے۔
 پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا بت پرست باشندہ جسے دعوت حق نہیں دی گئی اس کے
 جنتی اور جہنمی ہونے کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت کا اختلاف ہے۔

علمائے اشاعرہ کا موقف

ان کے نزدیک شاہق الجبل صنم پرست دائمی جنتی ہے اگرچہ بت پرست
 ہے کیونکہ اس تک کوئی دعوت حق نہیں پہنچی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و ما کنا معذبین
 حتی نبعث رسولا سے واضح ہے۔

متکلمین ماتریدیہ کا موقف

ان کے نزدیک شاہق الجبل بت پرست دائمی جہنمی ہے کیونکہ اس نے شرک

شان عظیم است کہ مخالفان ایشان را بواسطہ خلط
 شان عظیم حاصل ہے جو ان کے مخالفین کو فلسفیات میں
 فلسفیات آن شان میسر نیست اگرچہ ہر دو فریق از اہل
 مشغولیت کی وجہ سے وہ شان میسر نہیں ہے اگرچہ دونوں فریق اہل حق
 حق انداز علو شان امام بزرگترین این بزرگواران امام
 سے ہیں بلندی شان ان بزرگوں کے بزرگ ترین امام

کا ارتکاب کیا ہے بنا بریں اس پر جنت حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ انہ من
 یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنة وما واه النار سے عیاں ہے۔

حضرت شیخ ابن العربی کا موقف

ان کے نزدیک روز قیامت کسی پیغمبر کو اس قسم کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا
 جائے گا جس نے دعوت حق کو قبول کر لیا اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جس نے
 قبول حق سے انکار کیا اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

حضرت امام ربانی کا امتیازی موقف

آپ ارشاد فرماتے ہیں: نزد ایں فقیر مستحسن نیست، چہ
 آخرت دار جزا است نہ دار تکلیف تابعثت پیغمبر مے نمودہ آید
 یعنی اس فقیر کے نزدیک یہ مطابقت مستحسن نہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار تکلیف
 کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا جائے۔ مزید رقمطراز ہیں:
 مدت مدید کے بعد عنایت خداوندی جل سلطانہ نے راہنمائی فرمائی اور اس معما

کا حل منکشف فرمایا کہ یہ جماعت (پہاڑوں کے مشرک باشندے) نہ بہشت میں رہے گی نہ دوزخ میں بلکہ دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ان کا حساب و کتاب ہوگا اور ان کے گناہوں کے اندازے کے مطابق انہیں عتاب و عذاب ہوگا اور ادائیگی حقوق کے بعد غیر مکلف حیوانات کی مانند انہیں معدوم مطلق اور لاشیٰ کر دیا جائے گا فلہذا بہشت میں دائی ٹھکانہ کس کا ہوگا اور کون دوزخ میں چلے گا۔

آخر میں رقمطراز ہیں کہ

ایس معرفت غریبہ را چون در محضر انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات عرضہ نمودہ شد ہمہ تصدیق آن فرمودند و مقبول داشتند و العلم عند اللہ سبحانہ یعنی اس نادر معرفت کو جب واقعہ یا خواب میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے حضور پیش کیا گیا تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی تصدیق بھی فرمائی اور شرف قبولیت سے بھی نوازا۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۵۹)۔

اجل پیشوائے اکمل ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ
 امام اجل ، پیشوائے اکمل ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا لکھی
 نویسند کہ اعلم و اورع و اتقائے مجتہدین است چہ
 جو مجتہدین کے سب سے زیادہ عالم، صاحب ورع اور صاحب تقویٰ ہیں

سراج الامة امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) کنیت ابوحنیفہ (باعتبار و صفی
 معنی) اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں بزمانہ خلافت عبدالملک بن
 مروان متولد ہوئے۔ آپ طویل القامت، گندمی رنگ، خوبرو، باہیت، خوش لباس،
 شیریں آواز مگر کم گو شخصیت کے مالک تھے۔ آپ فصاحت و بلاغت، دانشمندی، دقیقہ
 سنجی اور نکتہ شناسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ دعائے مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) اور
 تمنائے مصطفیٰ (علیہ التحیۃ و الثناء) تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
 لو کان العلم بالشریاء لتناولہ رجال من ابناء فارس یعنی اگر علم شریاء کے پاس
 بھی ہوا تو ابنائے فارس میں سے ایک جوان مرد اس کو پالے گا۔ بقول شاعر

صاحبان جرأت و اقبال کی پیشانیاں
 کھینچ لیتی ہیں فلک سے عشق کی تابانیاں

آپ کے متعلق منقول ہے لو وزن عقل ابی حنیفۃ بعقل نصف اہل
 الارض لرجح بہم یعنی اگر آدھی دنیا کی عقل کو حضرت امام ابوحنیفہ کی عقل سے
 وزن کیا جائے تو ان کی عقل کا پلڑا بھاری رہے گا۔

آپ متعدد صحابہ، کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے

چار ہزار اساتذہ تابعین وغیرہم سے علم حاصل کیا جن میں سب سے زیادہ معروف حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کو امام الاولیاء حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بھی شرف تلمذ و ارادت حاصل ہوئی جیسا کہ آپ کے ارشاد گرامی لولا السنن لهلك النعمان سے واضح ہے۔ آپ چار ہزار احادیث مبارکہ کے راوی ہیں جن میں ۱۲۱۵ احادیث میں آپ منفرد ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عجباً للناس بقولون انی افقی بالرأی ما فقی الا بالاثر یعنی ہمیں لوگوں پر تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔ (مکتوبات سعیدیہ مکتوب ۹۷)

قال ابوحنیفہ اذا جاء الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلى الرأس والعین وان كان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم نخرج من قولهم وان كان من التابعین زاحمنا هم یعنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سر آنکھوں پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے ہم باہر نہیں نکلتے اور اگر تابعین (رضی اللہ عنہم) کا قول سامنے آ جائے تو ہم ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (مکتوبات سعیدیہ)

حضرت ابو عبد اللہ مروزی حضرت امام کے متعلق فرماتے ہیں هو فی الفقہاء کقطب الریح علیہ یدور امر الفقہ وهو فیہ بارع الی یوم الدین یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ فقہاء کرام میں ایسے ہیں جیسے چکی کی میخ، جن پر فقہ کا دار و مدار ہے اور آپ روز قیامت تک اس میں یکتا ہیں۔ (مکتوبات سعیدیہ)

جب حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آخری حج ادا کیا تو خدام کعبہ نے آپ کیلئے خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیا جہاں آپ تلاوت و عبادت میں مشغول رہے اچانک بحالت نوم ہاتھ غیب سے آواز سنائی دی ”یا اباحنیفہ اخلصت خدمتی

واحسنّت معرفتی فقد غفرت لك ولمن اتبعك ببركة اخلاصك
 واحسانك الی قیام الساعة یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابوحنیفہ! تو نے
 میری (دین اسلام) خدمت اخلاص کے ساتھ کی ہے اور میری معرفت خوب حاصل کی
 ہے، میں نے تجھے بخشا اور تیرے اخلاص واحسان کی برکت سے ہر اس شخص کو بخشا جو
 تیری اتباع (تقلید) کرے گا۔ (مکتوبات سعیدیہ)

آپ کو عہدہ قضاة قبول نہ کرنے کی پاداش میں کھانے میں زہر دیا گیا اور سو
 کوڑے مارے گئے جس کی آپ تاب نہ لاسکے اور ۱۵۰ھ بحالت سجدہ خالق حقیقی سے
 جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت ترفع زینة
 الدنيا سنة خمسين ومائة میں آپ کے وصال باکمال کی طرف ہی اشارہ ہے۔
 (مکتوبات سعیدیہ) آپ کی نماز جنازہ میں ۵۰ ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ چھ مرتبہ
 آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تقریباً بیس دن تک لوگ آپ کی قبر پر نماز پڑھتے رہے۔
 آپ کی تدفین کے بعد تین رات تک ندائے غیبی سنی گئی کہ کوئی شخص کہتا ہے

ذهب الفقه فلا فقه لكم فاتقوا الله وكونوا خلفاً
 مات نعمان فمن هذا الذي يحيى الليل اذا ما سجعاً
 یعنی فقہ جاتا رہا اب تمہارے لئے فقہ نہیں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے خلف
 بنو حضرت امام نعمان انتقال کر گئے تو اب کون ایسا شخص ہے جو شب کو عبادت کرتا ہو
 جب وہ تاریک ہو جائے۔

منقول ہے کہ خلیفہ منصور حضرت امام پاک کی قبر انور پر گیا اور وہاں نماز پڑھی اور کچھ
 معذرت خواہ الفاظ بھی کہے بقول شاعر

وہ آئے ہیں پشیمان لاش پر اب
 تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

ایک زمانہ کے بعد سلطان ابوسعید خوارزمی نے آپ کی قبر مبارک پر ایک بڑا شاندار قبہ بنوایا اور اس کے متصل ایک جانب مدرسہ جاری کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے علم دوست اور عادل بادشاہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں آپ کے روضہ اقدس کی تعمیر کروائی۔ چنانچہ آپ کا مزار پر انوار آدمیہ بغداد میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے اور وہ ان کے اجتہادات کو وقت معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں ان کو اور ان کے اصحاب کو ”اصحاب رائے“ خیال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت و درایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ان (امام ابوحنیفہ) کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرماتے ہیں الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ (یعنی تمام فقہاء حضرت ابوحنیفہ کی عیال ہیں) ان کم نظر معترضین کی جرأت پر افسوس ہے جو اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قاصرے گر کند این قافلہ را طعن قصور

حاشا للہ کہ بر آرم بزباں این گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند

روبہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنت کی پیروی میں سب سے پیش پیش ہیں حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور اسی طرح صحابہ کرام کے قول کو حضرت

خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحابی کے قول کو خواہ وہ حضرت صدیق ہوں یا حضرت امیر (رضی اللہ عنہما) اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے کے موافق عمل کرنا صواب و بہتر جانتے ہیں خواہ وہ صحابی کے قول کے مخالف ہی ہو)۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶) اس کے باوجود مخالفین ان کو ”صاحب رائے“ کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ وہ سب ان کے کمال علم اور ورع و تقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا کرے کہ وہ پیشوائے دین اور اہل اسلام کے سردار کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے ”سواد اعظم“ کو ایذا نہ دیں۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواہم (التوبہ ۳۲) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ بلا تکلف و تعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۵)

مملکت عراق کا مشہور شہر کوفہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خاص نگرانی میں تعمیر و آباد ہوا تھا جہاں جلیل القدر صحابہ کرام اور علمائے اعلام نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے مگر سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جانشین رفقہاء و اہل بیت کو کر بلا (کوفہ) کے جھلتے ہوئے ریگزاروں میں جس سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ خاک و خون میں تڑپایا اور رہی سہی کسر حجاج بن یوسف کے ظلم و استبداد نے نکال دی۔ ان گھناؤنے افعال کے ارتکاب کی وجہ سے کوفہ کی روشن جبین پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا اور

لوگ کوفہ کو شہر بے وفا کے نام سے پکارنے لگے جو بعد میں ایک نامور بزرگ شخصیت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ایک بار پھر شریعت محمدیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کا مینارۂ نور بن کر ابھرا اور کوفہ پھر علم و عرفان کا فانوس ثابت ہوا یوں خلافت راشدہ کے بعد پیدا ہونے والا خلا پُر ہو گیا۔

آنے والی ہر بڑی حکومت خواہ وہ سلطنت عباسیہ ہو یا سلطنت عثمانیہ یا ہندوستان میں مغل حکومت سب نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدونہ قوانین کو اپنی سلطنت میں رائج کیا۔ (والحمد لله على ذلك)

شافعی و مالک و چہ احمد حنبل امام شافعی می فرماید
کیا شافعی و مالک ۵ اور کیا احمد حنبل ۶ امام شافعی فرماتے ہیں

امام دارالہجرتین امام مالک رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

۵ حضرت امام مالک وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیا سے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے۔ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ امام مالک شکم مادر میں عام معمول کے خلاف تین سال تک رہے ہیں۔

حضرت امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگان دین شامل تھے، آپ نے نو سو سے زیادہ مشائخ اور بزرگان دین سے علم دین حاصل کیا۔

حضرت امام مالک کا قدم مبارک دراز، بدن فرہ اور رنگ سفید مائل بہ زردی تھا۔ آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں ناک بلند اور سر پر برائے نام بال تھے۔ حضرت امام مالک نے ستاسی سال کی عمر گزاری لیکن داڑھی میں خضاب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یمن، مصر اور خراسان کے بنے ہوئے بیش قیمت لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ عام طور پر سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور خوشبو کا خاص اہتمام فرماتے تھے سر پر عمامہ باندھتے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکایا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک کو تحصیل علم کی بے حد لگن تھی زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس کچھ زیادہ مال نہ تھا لیکن کتابوں کا اشتیاق اس قدر تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کیں اور کتابیں خرید لیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر دولت کا دروازہ کھول دیا۔

آپ مدینہ منورہ کے جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھی۔ مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھا کرتے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ آپ نے حرم مدینہ میں کبھی قضاے حاجت نہیں کی۔ قضاے حاجت کے لیے تمام عمر حرم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی بھی سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جس شہر میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا روضہ ہو اس شہر کی سر زمین کو سواری کے سموں سے روندتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔

امام العشاق حضرت امام مالک انتہائی سادہ اور بے نفس تھے۔ ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا میں اس کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ وہ شخص کہنے لگا میں بڑی دور سے آپ کا نام سن کر مسئلہ معلوم کرنے آیا تھا آپ نے فرمایا جب واپس تم اپنے گھر پہنچو تو بتا دینا کہ مالک نے کہا تھا کہ میں یہ مسئلہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔

درس حدیث میں آداب کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ ایک دفعہ دوران درس ایک بچھو کی بیش زنی کے باوجود آپ نے نہ پہلو بدلا نہ سلسلہ روایت ترک کیا اور نہ ہی آپ کے تسلسل کلام میں کچھ فرق واقع ہوا۔ بعد میں آپ نے فرمایا میرا اس تکلیف پر اس قدر صبر کرنا کچھ اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے: یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینة (جامع ترمذی) یعنی عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔ آپ کی حضوری کا یہ عالم تھا فرماتے تھے کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی ہو۔

آپ نے فرمایا:

کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سو حج کرنے سے افضل ہے، کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت امام مالک کا سن وصال مورخین کے اتفاق سے ۱۷۹ھ ہے۔

اس وقت امت کے ہاتھوں میں موطاء کے دو نسخے موجود ہیں ایک یحییٰ بن یحییٰ مسمودی کا اور دوسرا امام محمد بن حسن شیبانی کا۔ یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ موطاء امام مالک اور امام محمد کا نسخہ امام محمد کی روایت کے سبب موطاء امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۔ امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام نامی احمد بن حنبل، کنیت ابو محمد اور ابو عبد اللہ ہے آپ ماہ ربیع الاول میں ۱۶۲ھ بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی آپ پر نجابت و صلاحیت کے آثار اور تقویٰ و طہارت کے انوار نمایاں تھے جنہیں دیکھ کر آپ کے زمانے کے ایک صاحب نظر نے کہا تھا اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔

آپ کی مجلس درس میں سامعین و طالبین کی پانچ پانچ ہزار تعداد ہوا کرتی تھی۔ آپ نے حرمت قرآن کے سلسلہ میں جو تکالیف و مصائب برداشت کئے وہ صاحبان عزیمت کیلئے ابتلاء و امتحان کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ آپ کا جسم مبارک بڑھاپے کی طرف مائل اور نحیف و نزار تھا مگر اعصاب فولاد کی مانند مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے زیادہ مستحکم تھی۔ خلق قرآن کے انکار و اصرار پر آپ کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے..... ۲۸ ہفتے آپ کو قید کیا گیا..... اور ہزار کوڑے مارے گئے مگر آپ نے قرآن کو مخلوق نہ کہا..... بلکہ ہر کوڑے پر آپ فرماتے اعطونی شیئا من

کتاب اللہ و سنہ رسولہ حتی اقول بہ یعنی میرے سامنے قرآن و سنت سے دلیل پیش کرو تا کہ میں اسے مان لوں۔ اسی اثناء میں آپ کا ازار بند کھل گیا اتنے میں ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آپ کا ازار بند باندھ دیا۔ جب لوگوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا۔

اگر کوئی شخص معاملات کی بابت سوال کرتا تو آپ جواب ارشاد فرمادیتے اور اگر حقائق کے متعلق استفسار کیا جاتا تو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کا حکم فرمادیتے چنانچہ کسی نے آپ سے پوچھا ما الا خلاص قال الا خلاص هو الخلاص من افات الاعمال یعنی خلاص کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا خلاص اعمال کا ریا کاری، شہرت، فریب اور غرض پرستی سے پاک ہونا ہے۔ جب محبت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو جب تک وہ بقید حیات ہیں میں جواب نہیں دوں گا۔

آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۲۳۱ھ کو جان، جان آفریں کے سپرد کر دی آپ کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتوں نے شرکت کی۔

الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفة منقول ست کہ امام شافعی
تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں منقول ہے کہ امام شافعی نے جب
چون بزیارت قبر امام اعظم سی رفت ترك اجتہاد خود
امام اعظم کی قبر کی زیارت کو جاتے اپنے اجتہاد کو ترک
سیکرد و برائے خود عمل نمی نمود و می گفت کہ شرم
کردیتے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے

امام ہمام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد بن ادریس ہے آپ رجب میں غزہ یا عسقلان کے مقام پر
۱۵۰ھ میں متولد ہوئے اسی روز سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا
انتقال ہوا۔ ساتویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا
ہے۔ آپ تبع تابعین میں سے ہیں اس لئے آپ کا زمانہ علم و عرفان کے عروج کا دور
ہے۔ جب آپ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرف تلمذ کیلئے حاضر ہوئے
تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے قلب میں ایک نور ہے معاصی سے اسے ضائع نہ
کرنا تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا ایک دن آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے آپ حضرت امام
محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں تین سال سے زائد عرصہ رہے۔ حضرت امام محمد
نے اپنا سارا مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالے کر دیں جن کے مطالعہ سے متاثر ہو کر
آپ نے کہا کہ جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے اصحاب سے
استفادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان پر
کشادہ کر دی ہیں۔

سی آید کہ در حضور ایشان عمل برائے خود بکنم کہ
کہ میں ان کی بارگاہ میں اپنی رائے پر عمل کروں جو
مخالف رائے ایشان باشد ترک قرأت فاتحہ خلف الامام
ان کی رائے کے مخالف ہو فاتحہ خلف الامام کی قرأت
سی نمود و قنوت در فجر نمی خواند آرمے بزرگی شان ابی
ترک کر دیتے اور فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے ہاں ابوحنیفہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد
فرمایا اللہم اهد قریشا فان عالمها یملا طبق الارض یعنی اے اللہ! قریش
کو ہدایت دے بلاشبہ قریش کا ایک عالم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔
قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ
کسی شیخ طریقت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور پوچھا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حدیث ہے کہ روئے زمین پر مختلف درجات کے
نیک لوگ ہیں اوتاد، اولیاء، ابرار۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راوی نے تجھے
صحیح خبر دی ہے۔ شیخ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان میں سے کسی
ایک کو دیکھنا چاہتا ہوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن ادریس
یکرے از ایشان ست یعنی محمد بن ادریس شافعی ان میں سے ایک ہیں۔
آپ اپنے اصحاب و تلامذہ کی ایک جماعت چھوڑ کر ماہ رجب کے اواخر میں جمعہ
کی شب بصرہ ۵۴ سال ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
آپ کا مزار مبارک مصر کے شہر قراۃ میں ہے۔

حنیفہ را شافعی داند فردا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و
 کی شان کی بزرگی کو شافعی جانے کل جب حضرت عیسیٰ ^ع ہمارے نبی اور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید بمذہب ابی حنیفہ
 ان پر درود و سلام ہو نزول فرمائیں گے ابوحنیفہ کے مذہب پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف

۱ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے اور اولوالعزم رسول ہیں
 ان کی پیدائش ایک معجزہ اور خدا کی قدرت کا عظیم اظہار ہے۔ عالم شیرخوارگی میں ہی
 اپنی عبدیت اور نبوت کا اعلان فرمایا۔ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے مردوں کو
 باذن اللہ زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ
 علیہ التحیۃ والثناء کی آمد کی نوید جانفزا سنائی۔ بنی اسرائیل نے جب انہیں قتل کرنے کا
 منصوبہ بنایا تو حق تعالیٰ نے ان سے بشری علائق کو سلب فرما کر زندہ آسمان پر اٹھالیا۔
 اب قرب قیامت دمشق کی جامع مسجد میں صبح کے وقت نزول فرمائیں گے اور حضرت
 امام مہدی رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز فجر ادا فرمائیں گے..... دجال کی پیٹھ میں نیزہ
 مار کر اسے واصل جہنم کریں گے..... صلیب توڑیں گے..... خنزیر کو قتل کریں گے.....
 جتنے غیر مسلم ہوں گے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیں گے..... روئے
 زمین پر صرف دین اسلام ہی ہوگا جیسا کہ نزول عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ارشاد
 نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و یہلک اللہ تعالیٰ فی زمانہ الملل کلہا الا
 الاسلام (ابوداؤد ۲/۲۳۸) سے واضح ہے۔ امن و آشتی کا ایسا دور دورہ ہوگا کہ بچے

سانپ سے کھیلیں گے، شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے اور کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ آپ نکاح بھی فرمائیں گے، اولاد امجاد بھی ہوگی، چالیس برس دنیا میں جلوہ افروز رہنے کے بعد آپ کا وصال ہوگا۔ تجہیز و تکفین کے بعد مسلمان نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کریں گے اور گنبد خضریٰ کے نیچے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔

عمل خواہد کرد چنانکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ،
 عمل کریں گے چنانچہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ^۹
 در فصول ستہ سی فرماید و ہمیں بزرگی ایشان را کافی
 فصول ستہ میں فرماتے ہیں یہی بزرگی ان کی کافی ہے کہ
 ست کہ پیغمبر اولوالعزم بمذہب او عمل نماید صد
 اولوالعزم پیغمبر ان کے مذہب پر عمل کرے دوسری سو

۹ فردالافراد خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود حافظ بخاری ہے۔ امام الطریقہ حضرت خواجہ
 بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ پہلی مرتبہ جب آپ
 حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور در دولت پر دستک دی،
 اتفاقاً اسی وقت ایک خادمہ باہر سے اندر آئی تو حضرت خواجہ نے اس سے دریافت کیا
 کہ باہر کون ہے؟ خادمہ نے عرض کیا ایک شخص متقی و پارسا صورت کھڑا ہے، آپ نے
 فرمایا وہ حقیقت میں ”پارسا“ ہے اس کے بعد آپ کا نام ہی ”پارسا“ مشہور ہو گیا۔
 حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ وہ حق اور امانت جو خواجگان سے اس
 فقیر کو پہنچی ہے اور جو کچھ میں نے اس راہ میں کسب سے حاصل کیا ہے وہ تمہارے سپرد
 کرتا ہوں اس کو قبول کر کے مخلوق خدا تک پہنچائیں۔ آپ نے تو اضع و انکساری کے
 ساتھ قبول کر لیا۔ خواجہ بلاگردان حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے ایک موقعہ
 پر آپ کو صفت برخ عطا فرمائی۔ حضرت برخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ
 علیہا السلام کے زمانہ مبارک کے ایک ولی تھے جیسے خیر التابین حضرت خواجہ اولیس قرنی

بزرگی دیگر را باین بزرگی عدیل نمی توان یافت
 بزرگی کو اس بزرگی کے ساتھ برابری نہیں ہو سکتی ہمارے
 حضرت خواجہ ماسی فرمودند قدس سرہ کہ چند گاہ
 حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی کچھ
 من ہم خلف امام قرأت فاتحہ سی نمودم آخر الامر شبی
 عرصہ امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت کرتا رہا ہوں بالآخر میں نے
 امام اعظم را در خواب دیدم کہ قصیدہ غرا در مدح خود
 امام اعظم کو ایک شب خواب میں دیکھا کہ اپنی مدح میں شاندار قصیدہ

رضی اللہ عنہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ میں سے ہیں سابقہ امتوں میں
 برخ اس جماعت کیلئے مستقل تھا جو بلا زبانی تعلیم کے محض صحبت سے یا کبھی بغیر صحبت
 کے معارف حقیقی کو باہمی ہم نشینی سے حاصل کرتے تھے انہیں برخیاں کہا جاتا تھا جبکہ
 شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات میں اس قسم کے لوگوں کو اویسی کہا جاتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ ابونصر پارسا رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں
 کہ آپ کے وصال باکمال کے وقت میں موجود نہ تھا جب میں حاضر ہوا اور دیدار کیلئے
 آپ کے چہرہ انور کو کھولا آپ نے آنکھ کھولی اور مسکرائے جس سے میرا قلق و اضطراب
 اور بڑھ گیا اور جب میں نے اپنے منہ کو آپ کے مبارک قدموں سے ملا تو آپ نے
 پاؤں مبارک اوپر کو کھینچ لئے۔

آپ نے علوم و معارف پر مشتمل اکیس کتابیں تصنیف فرمائیں فصل الخطاب
 لوصل الاحباب، فصول ستہ اور رسالہ قدسیہ آپ کی مشہور زمانہ تصانیف ہیں۔

سی خواند و این مضمون مستفاد می گردد کہ چندین
 پڑھ رہے ہیں اس مضمون سے استفاد ہو رہا تھا کہ بہت سے
 اولیا در مذہب من بودہ اند ازان وقت ترک قرأت فاتحہ
 اولیاء میرے مذہب میں ہوئے ہیں اس وقت سے میں نے فاتحہ
 خلف امام نمودم

خلف امام کی قرأت کو ترک کر دیا۔

حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر
 محمد پارسا پیری شروع کر دے تو سارا عالم ان سے روشن ہو جائے، مگر آپ نسبت
 فردیت کے غلبہ کے باعث اس کی طرف مشغول نہ ہو سکے۔
 آخر کار بروز بدھ ۲۳ ذی الحجہ ۸۲۲ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع
 میں مدفون ہوئے۔

مِنهَا - ۲۹

گاہ باشد کہ کاملے ناقصے را اجازت تعلیم طریقت سی
 کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقت کی
 کند و در ضمن اجتماع مریدان آن ناقص کار آن ناقص
 اجازت عطا فرما دیتا ہے اور اس ناقص کے مریدوں کے اجتماع
 با تمام سی رسد حضرت خواجہ نقشبند مولانا یعقوب
 کے ضمن میں اس ناقص کا کام تکمیل تک پہنچ جاتا ہے حضرت خواجہ نقشبند
 چرخ علیہ الرحمہ را پیش از وصول بدرجہ کمال
 نے مولانا یعقوب چرخ علیہ الرحمہ کو درجہ کمال تک
 اجازت تعلیم طریقت فرمودہ بودند و گفته بودند کہ اے
 رسائی سے قبل ہی تعلیم طریقت کی اجازت فرما دی تھی اور

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے
 ہیں کہ بعض اوقات شیخ کامل مکمل اپنے کسی صاحب استعداد، ذکر و فکر میں مصروف
 و مشغول مرید کو لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت مرحمت فرمادیتے ہیں تاکہ دوسروں کی
 تعلیم و تربیت کے دوران اس ناقص کی بھی تکمیل ہو جائے۔ اس قسم کے من وجہ ناقص اور
 من وجہ کامل مرید کو خلیفہ مقید کہا جاتا ہے جبکہ تکمیل سلوک کے بعد صوفیائے کاملین

يعقوب آنچه از من بتورسیده است بمردم برسان و کار
 کہا تھا کہ اے یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے پہنچا ہے لوگوں تک پہنچا دو اور
 مولانا بعد از ان در خدمت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس
 مولانا کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ
 سرہ سرانجام یافت لہذا خدمت مولانا عبدالرحمن
 کی خدمت میں سر انجام پایا اس لئے حضرت مولانا عبدالرحمن جامی
 جامی در نفحات مولانا را اول از مریدان خواجہ علاء الدین
 نفحات میں مولانا کو پہلے خواجہ علاؤ الدین عطار کے

اسے خلافت مطلقہ عطا فرمادیتے ہیں۔ یہاں خلیفہ مقید کیلئے حضرت امام ربانی قدس سرہ
 العزیز کی تحریر فرمودہ شرائط و قیود کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طالبان طریقت کو تنبیہ
 و آگاہی حاصل ہو جائے، چنانچہ بہ قدرے تغیر سیر ہدیہ قارئین ہے ملاحظہ ہو:

اگر کوئی طالب و مرید آپ کے پاس ارادت کے ساتھ آئے اور مشغول رہنے کا
 ارادہ ظاہر کرے تو اسے شیر ببر کی مانند سمجھنا چاہئے اور اسے طریقہ سکھانے میں بہت
 تامل کرنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے مبادا اس امر میں پیر کیلئے استدراج مطلوب اور
 خرابی منظور ہو۔ اگر بالفرض کسی مرید کا آنا خوشی و سرور کا باعث ہو تو اس کو کفر و شرک کی
 مانند برا سمجھنا چاہئے اور اس کا تدارک استغفار و ندامت کے ذریعے اس حد تک کرنا
 چاہئے کہ فرحت و سرور کا اثر بالکل زائل ہو جائے بلکہ خوشی کی بجائے غم و خوف قلب پر
 مستولی ہو جائے اور اس بارے میں التجاء و تضرع کا طریق اختیار کر کے چند مرتبہ
 استخارہ کرنا چاہئے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہئے یا نہیں

عطار می شمرد ثانیاً بخواجه نقشبند نسبت می کند۔
 مریدوں میں شمار کرتے ہیں ثانیاً خواجہ نقشبند کے ساتھ نسبت کرتے ہیں
 وازیں قبیل است کاملے مرید را کہ استعداد یک درجہ
 اور یہ اسی قبیل سے ہے کہ کوئی کامل ایسے مرید کو جو درجات
 از درجات ولایت دارد بعد از حصول آن درجہ آن مرید را
 ولایت میں سے ایک درجہ کی استعداد رکھتا ہے اس درجہ کے حصول کے
 اجازت تعلیم طریقت می کند و آن مرید من وجہ کامل
 بعد مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دے دیتا ہے اور وہ مرید من وجہ
 ست و من وجہ ناقص و ہمچنین ست حال مریدیکہ
 کامل ہے اور من وجہ ناقص اور یہی حال ہے اس مرید کا

اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی و استدراج مراد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں
 تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا حق تعالیٰ کے اذن و اجازت کے
 بغیر جائز نہیں۔ آیہ کریمہ لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربهم
 اسی معنی پر دال ہے تا کہ کل روز قیامت ہر قسم کی جو ابد ہی اور باز پرس سے محفوظ رہ سکیں۔
 مرید کے مال میں طمع اور دنیوی منافع کی توقع ہرگز نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ ایسا کام مرید
 کی ہدایت میں رکاوٹ اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے ہاں خالص دین
 کا مطالبہ ہے الا للہ الدین الخالص اس کی بارگاہ قدس جل سلطانہ میں شرک کی
 طرح بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۷۱، ۱۳۲ و غیرہا)

استعداد دو درجہ یا سہ درجہ از درجات ولایت دارد من
جو درجات ولایت میں سے دو درجے یا تین درجے استعداد رکھتا ہے
وجہ کامل ست و من وجہ ناقص چہ پیش از رسیدن
وہ من وجہ کامل ہے اور من وجہ ناقص کیونکہ
بنہایت النہایت ہمہ درجات ازیک وجہ کمال دارد و
نہایت النہایت تک رسائی سے پہلے تمام درجات ایک قسم کا کمال رکھتے ہیں

صوفیائے طریقت تلقین و ارشاد کی مسند کیلئے صاحب تزکیہ ہونا ضروری قرار
دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک خلیفہ کی دو قسمیں ہیں

خلیفہ مقید اور خلیفہ مطلق

خلیفہ مقید

وہ خلیفہ ہوتا ہے جس کے بعض لطائف فنا پذیر ہوں لیکن ابھی کامل طور پر تزکیہ
نفس نہ ہوا ہو۔ ایسے سالک کیلئے ضروری ہے کہ عمل ارشاد جاری رکھے لیکن وساوس کے
پیش نظر کثرت استغفار سے کام لیتا رہے اور استخارہ کے ذریعے بھی رہنمائی حاصل کرتا
رہے تا آنکہ معاملہ مقام رضا تک پہنچ جائے۔ (الہیات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱)

خلیفہ مطلق

وہ خلیفہ ہوتا ہے جو تزکیہ نفس اور لطائف کی فنا کے بعد نفسانی اور شیطانی تسلط
سے محفوظ ہو جائے لازماً اس کے اعمال مرضی حق تعالیٰ میں گم ہو جاتے ہیں اور اس کا
عمل وعظ و ارشاد بھی رضا میں داخل ہوتا ہے۔ (الہیات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱)
واضح رہے کہ خلیفہ مطلق ہی اپنے شیخ مکرم کے سجادہ کا وارث، اس کے جملہ

ازيك وجه دیگر نقص مع ذالك شيخ كامل اور رابعه از
 اور دوسری وجہ سے ناقص اس کے ساتھ ساتھ شیخ کامل (اسے) اس کی
 حصول مرتبہ استعدادی او اجازت تعلیم طریقت می
 استعداد کے مرتبہ کے حصول کے بعد تعلیم طریقت کی
 کند پس اجازت موقوف بر کمال مطلق نشد باید
 اجازت دے دیتا ہے پس اجازت کمال مطلق پر موقوف نہیں ہے۔

تبرکات کا مستحق، اس کا قائم مقام اور جانشین ہوتا ہے اور مرید کو اپنے نام کا شجرہ دے
 سکتا ہے جبکہ خلیفہ مقید بطریق سفارت اور برسبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت
 لیتا ہے اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے اور اپنے شیخ کے نام کا ہی شجرہ دیتا ہے، اسے
 اپنے نام کا شجرہ دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ (ماخوذ سردلبرائے ۱۵۹)

حضرت مولانا عبدالرحمان جامی قدس سرہ العزیز کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی نورالدین عبدالرحمان بن احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ
 کے والد کا اسم گرامی نظام الدین احمد تھا۔ آپ ایران میں علاقہ خراسان کے قصبہ جام
 محلہ خرجرد میں ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ کو پیدا ہوئے۔ طریقت میں آپ کے پہلے شیخ
 سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ تھے (جو حضرت مولانا نظام الدین خموش رحمۃ اللہ علیہ
 کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شیخ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت
 شاہ نقشبند بہاؤ الدین اویسی بخاری قدس سرہ کے جانشین و خلیفہ تھے) حضرت شیخ
 سعد الدین کاشغری کے وصال کے بعد آپ سلسلہ نقشبندیہ کے غوث الاعظم

دانست کہ نقص بہر چند منافی اجازت ست اما چوں
جاننا چاہئے کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے لیکن جب
کامل مکمل ناقص را نائب خود می سازد و دست او
کامل مکمل ناقص کو اپنا نائب بنا لیتا ہے اس کے ہاتھ کو

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت
ہوئے۔ آپ نے متعدد مشائخ سے فیض حاصل کیا لیکن تکمیل حضرت خواجہ عبید اللہ احرار
رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ نے مسند مشیخت پر رونق افروز ہو کر مدرسوں اور
خانقاہوں کا وسیع نظام قائم کیا تھا۔ آپ کے خلفاء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت
خواجہ ضیاء الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مودود لاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت
حسین واعظ کاشفی وغیرہم کے اسماء نقل کیے گئے ہیں مگر افسوس کہ صفوی سلطنت کے
پہلے متعصب شیعہ حکمران اسماعیل صفوی نے (آپ کے وصال سے سات سال بعد)
علماء و مشائخ اہلسنت کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھوں ہزاروں علماء و صوفیاء نے
جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے اکثر خلفاء اور شاگرد علماء اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور
کچھ ترک وطن کر کے روم، مصر، شام اور سمرقند وغیرہا کی طرف چلے گئے، جن کے
حالات معلوم نہ ہو سکے۔ آپ کی قائم کردہ مسجدیں، دینی مدرسے اور خانقاہیں بھی
منہدم کر دی گئیں یہاں تک کہ آپ کے مزار کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ
کے بعد آپ کے کسی خلیفہ سے سلسلہ نقشبندیہ کی نشرو اشاعت کیلئے کام نہ ہو سکا۔ حضرت
جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اکیاسی سال عمر پائی اور اٹھارہ محرم بروز جمعۃ المبارک ۸۹۸ھ
میں علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی مرقد انور
ہرات میں ہے۔ (شرح مکتوبات مکتوب ۱۱ جلد اول)

را دست خود می داند ضرر نقص تعدی نمی نماید۔
اپنا ہاتھ جانتا ہے تو نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوتا۔ ۲

واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلہا

اور اللہ سبحانہ تمام امور کے حقائق کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔

۳ یہاں ایک شبہ کا ازالہ فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ جب کوئی شیخ کامل مکمل کسی ناقص مرید کو خلافت مقیدہ عطا فرما کر اسے لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت و اذن مرحمت فرما دیتا ہے تو مریدین کے ناقص شیخ کے ہاتھوں بیعت ہونے کی وجہ سے ان کی استعدادوں میں نقص سرایت کر جائے گا بنا بریں ان کے ذوق میں کمی اور طلب میں فتور آئے گا جس سے ان مریدین کی منزل کھوٹی ہو جائے گی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز جو ابا ارشاد فرماتے ہیں کہ جب شیخ کامل مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بنا کر اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہہ دیتا ہے تو اس نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوتا جیسا کہ امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہ العزیز نے خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ یعقوب چرخنی قدس سرہ العزیز کو خلافت مقیدہ سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ

”تمہارا ہاتھ میرا ہاتھ ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا“
واضح رہے کہ حضرت خواجہ یعقوب چرخنی قدس سرہ العزیز نے حضور شاہ نقشبند بخاری قدس سرہ العزیز کے وصال باکمال کے بعد ان کے جانشین مکرم قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں رہ کر سلوک کی تکمیل فرمائی تھی۔

خواجہ، خواجگان خواجہ یعقوب چرخنی قدس سرہ العزیز

کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد یعقوب اور والد ماجد کا نام نامی عثمان تھا۔ آپ ۶۲ھ موضع چرخ غزنی (افغانستان) کے مضافات میں متولد ہوئے، آپ کے والد بزرگوار ایک پاکباز، صوفی منش عالم دین تھے۔ ان کے تقویٰ و عزیمت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے چونکہ پانی یتیم کے پیالہ میں تھا اس لئے نہ پیا۔ جب آپ خواجہ جہاں بلاگرداں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں درخواست گزار ہوئے کہ آپ ازراہ کرم مجھے اپنے حلقہء ارادت میں شامل فرما کر اپنی غلامی میں قبول فرمائیں تو حضور شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا:

”ہم مامور ہیں ہم خود کسی کو قبول نہیں کرتے آج رات دیکھیں گے کہ کیا اشارہ ہوتا ہے اسی پر ہی عمل کیا جائے گا اور اگر انہوں نے تجھے قبول کیا تو ہم بھی قبول کر لیں گے“

یہ رات آپ پر بڑی بھاری تھی آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ شاید حضرت خواجہ مجھے قبول نہ فرمائیں۔ اگلے روز آپ نے نماز فجر حضرت خواجہ کے ساتھ ادا کی، بعد نماز حضرت خواجہ نے آپ کو مخاطب ہو کر فرمایا ”مبارک ہو کہ اشارہ قبول کرنے کا آیا ہے۔ ہم کسی کو قبول نہیں کرتے اور اگر قبول کریں تو دیر سے کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کوئی کس نیت سے آتا ہے اور کس وقت آتا ہے۔“

جب حضور شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز کا وصال ہو گیا تو آپ کو خیال آیا کہ درویشوں کے کسی دوسرے گروہ سے جا ملیں اور ان کے طریقہ میں مشغول ہو جائیں پھر آپ نے روحانی عالم میں حضرت خواجہ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں

قال زید بن الحارثہ "الدین واحد" یعنی فرمایا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہ دین ایک ہی ہے اس سے آپ سمجھ گئے کہ اجازت نہیں ہے۔

قطب الابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ العزیز جب آپ کی خدمت اقدس میں حلقہء ارادت میں شامل ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کی طرف بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بیعت کرو۔ چونکہ آپ کی پیشانی مبارک پر کچھ سفیدی مشابہ برص (داغ و دھبے) تھے جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی طبیعت آپ کے ہاتھ مبارک پکڑنے کی طرف مائل نہ ہوئی۔ آپ بفرست ایمانی ان کی کراہت کو جان گئے اور جلد ہی اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور بطریق خلع و لبس اپنی صورت تبدیل کر کے ایسی صورت میں ظاہر ہوئے جسے دیکھ کر وہ بے خود ہو گئے آپ نے دوسری مرتبہ اپنا ہاتھ مبارک آگے بڑھایا اور فرمایا کہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ تیرا ہاتھ..... میرا ہاتھ ہے، جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے ہمارا ہاتھ پکڑا فلہذا خواجہ نقشبند کا ہاتھ پکڑ لو..... انہوں نے بلا توقف آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو رخصت کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا تو اب خدا سپردیم ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا کیونکہ حدیث میں ہے:

ان اللہ تعالیٰ اذا استودع شیئاً حفظہ یعنی جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں حضور شاہ نقشبند قدس سرہ الصمد سے عرض کیا کہ روز قیامت کس عمل کی برکت سے آپ کا قرب حاصل کروں؟..... تو ارشاد فرمایا "تشریح سے" یعنی شریعت پر عمل کرنے سے۔

گو آپ حضور شاہ نقشبند رحمۃ اللہ سے صاحب مجاز تھے مگر آپ کی تکمیل سلوک
 جانشین شاہ نقشبند حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ نے ۵ صفر
 المظفر ۸۵۱ھ بمقام مضاف حصار علاقہ ماوراء النہر (تاجکستان) میں جان جان
 آفرین کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مِنهَا - ۳۰

یادداشت عبارت از دوام حضور حضرت ذات ست تعالیٰ
یادداشت حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے دوام حضور سے عبارت ہے۔
و تقدس و این معنی گاہ است کہ مرارباب قلوب را نیز
اور یہ معنی کبھی ارباب قلوب کو بھی منخیل ہو جاتا ہے
متخیل شود بواسطہ جامعیت قلب زیرا کہ ہرچہ در
جامعیت قلب کی وساطت سے کیونکہ جو کچھ انسان کی
کلیت انسان ست در قلب تنہا نیز ثابت ست ہر چند
کلیت میں ہے تنہا اکیلے قلب میں بھی ثابت ہے اگرچہ

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اصطلاحات نقشبندیہ میں
سے ایک معروف اصطلاح طریقت ”یادداشت“ کے مدارج ثلاثہ کا تذکرہ فرما رہے
ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یادداشت کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی
جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے وباللہ التوفیق

یادداشت

اس سے مراد سالک کا ذات بے چون و بے چگون حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف بغیر
ملاحظہ الفاظ و خیال کے متوجہ رہنا ہے بقول شاعر

دارم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال
در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

بعض مشائخ کے نزدیک یادداشت حفظ القلب علی شہود تجلی
الذات سے عبارت ہے اور بعض نے فرمایا: حضور القلب مع اللہ تعالیٰ علی
الدوام فی کل حال سے کنایہ ہے۔ امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند اویسی بخاری
قدس سرہ العزیز کے نزدیک یادداشت سے مراد ذکر نہیں بلکہ دوام حضور و آگاہی علی
سبیل الذوق ہے۔ غرضیکہ یادداشت عارف کے قلب پر استیلائے شہود حق بتوسط
حب ذاتی ہو جائے اور وہ ہر حال میں بہ سبیل ذوق ذات کے ساتھ محو اور متوجہ رہے یہ
مقام، مرتبہ حقیقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس میں حجابات شیونیہ اور حجابات اعتباریہ
مرفع ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ انتہائی مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر عارفین نقشبندیہ تجلی ذاتی دائمی
سے شاد کام ہوتے ہیں جبکہ دیگر مشائخ نے تجلی ذاتی برقی کو نہایت نہایت قرار دیا ہے
اسی بنا پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو تمام نسبتوں سے بالاتر
قرار دیا ہے ان نسبتنا فوق جمیع النسب یہ وہ دولت قصویٰ ہے جو فنائے اتم
اور بقائے اکمل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اللہم ارزقنا ایاہا بقول شاعر

یاد داشت حاصل شود بعد از فنا

بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

حضرات خواجگان نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ہاں یادداشت کو نسبت حضور
و آگاہی، حضور ذاتی دائمی اور دوام حضور مع اللہ بلا غیبوبہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ مقام
عارفین کو ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کے مرتبے میں حاصل ہوتا ہے فلہذا اگر کوئی
صوفی و سالک اس مرتبہ کا خواہشمند ہے تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت
و متابعت اختیار کرنا لازم ہے نیز وہ سنت و شریعت کی پابندی کا خوب اہتمام کرے

کیونکہ یہ مقام عزیز الوجود اور کمیاب و نادر ہے۔

واضح رہے کہ یادداشت اور عالم خواب (نیند جو سراسر غفلت ہے) کے درمیان اہل طریقت نے یوں تطبیق بیان فرمائی ہے کہ

عامۃ الناس سراپا غفلت ہوتے ہیں کیونکہ ان کا باطن، ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ اور الگ نہیں ہوتا اس لئے ان کی غفلت ظاہری، غفلت باطنی کا موجب ہوتی ہے جبکہ عرفائے کاملین کا باطن ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ اور گستا (جدا) ہوتا ہے بنا بریں ان کی غفلت ظاہری ان کے باطن میں سرایت نہیں کرتی۔ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور خواب، حضور بیداری سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ محبوبوں و معشوقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب محب و عاشق کو اپنی طرف ملتفت و متوجہ دیکھتے ہیں تو کنارہ کشی کرتے ہیں اور جب عاشق کو اپنی طرف سے غافل پاتے ہیں تو خود کو آشکارا اور نمایاں کرتے ہیں۔ بقول شاعر

پری رو تاب مہجوری ندارد

چو در بندے ز کلکین سر بر آرد

کسی شاعر نے بزبان اردو اس مفہوم کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے

عشق کا ذوق تماشا مفت میں بدنام ہے

حسن خود بے تاب ہے جلوہ دکھانے کیلئے

یادداشت اور یادکرد میں فرق

یادکرد اور یادداشت میں فرق یہ ہے کہ یادکرد میں کبھی غیبت اور کبھی حضور

ہوتا ہے بلکہ غیبت زیادہ اور حضور کم ہوتا ہے اور یادداشت میں حضور ذات، دائمی ہوتا

ہے اور اسی کو تجلی ذاتی دائمی کہتے ہیں جبکہ یاد کرد تجلی ذاتی برقی سے عبارت ہے۔ در حقیقت تجلی برقی، تجلی ذاتی نہیں کیونکہ تجلی ذاتی جب ظہور کرتی ہے پھر کبھی غائب نہیں ہوتی اور تجلی برقی کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ اکابر مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کی خاص نسبت تجلی ذاتی دائمی ہے لیکن دوسرے مشائخ نے تجلی ذاتی برقی کو نہایت نہایت قرار دیا ہے اسی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو تمام نسبتوں سے بالاتر قرار دیا ہے۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۷ جلد اول)

فرق اجمال و تفصیل ست پس در مرتبہ قلب نیز حضور
اجمال اور تفصیل کا فرق ہے پس مرتبہ قلب میں بھی
ذات تعالیٰ و تقدس برسبیل دوام میسر شود اما این معنی
ذات تعالیٰ و تقدس کا حضور برسبیل دوام میسر ہوتا ہے^۲ لیکن یہ معنی
صورت یادداشت است نہ حقیقت یادداشت و اندراج
یادداشت کی صورت ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت اندراج
نہایت در بدایت تواند بود کہ باین صورت یادداشت ست
نہایت در بدایت سے ہو سکتا ہے کہ یہی صورت یادداشت ہو
اشارت فرمودہ باشند و حصول حقیقت یادداشت بعد از
مشائخ نے جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حقیقت یادداشت کا حصول
تزکیہ نفس و تصفیہ قلب ست لیکن اگر مراد از حضرت
تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد ہے لیکن اگر حضرت
ذات مرتبہ وجوب داشته شود کہ ذات دران مرتبہ جامع
ذات سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے کہ اس مرتبہ میں ذات،

یادداشت کے تین معانی

^۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز یادداشت کے معنی اول کا تذکرہ فرما
رہے ہیں کہ بعض اوقات اہل قلوب کو بھی قلبی جمعیت کی وجہ سے دوام حضور محسوس و میسر
ہوتا ہے جو یادداشت کی صورت و اجمال ہے یادداشت کی حقیقت نہیں کیونکہ

صفات وجوبیہ است پس حصول یادداشت بمجرد رسیدن
 صفات وجوبیہ کی جامع ہے پس یادداشت کا حصول اس مرتبہ کے
 بشہود این مرتبہ بعد از طے جمیع مراتب امکانی صورت
 شہود تک محض رسائی سے تمام امکانی مراتب کے طے کر لینے کے بعد
 می بندد و در تجلیات صفاتی نیز این معنی مستحق می
 صورت باندھتا ہے اور صفاتی تجلیات میں بھی یہ معنی متحقق ہو جاتا ہے
 شود کہ ملاحظہ صفات درین تقدیر منافی حضور حضرت
 کیونکہ صفات کا ملاحظہ اس صورت میں حضرت
 ذات تعالیٰ نیست و اگر مراد از حضرت ذات تعالیٰ
 ذات تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے اور اگر حضرت ذات تعالیٰ سے مراد
 مرتبہ احدیت مجردہ داشتہ شود کہ معرّا است از اسماء
 احدیت مجردہ کا مرتبہ لیا جائے جو معرّا ہے اسماء و
 حقیقت یادداشت تو تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ممکن ہے
 حضرت خواجہ بزرگ شاہ نقشبند اویسی بخاری قدس سرہ العزیز نے اسی صورت
 یادداشت کو اندراج النہایہ فی البدایہ فرمایا ہو۔

وصفات و نسب و اعتبارات پس حصول یادداشت بعد صفات اور نسبتوں اور اعتبارات سے پس یادداشت کا از طے جمیع مراتب اسمائی و صفاتی و نسبی و اعتباری حصول بعد طے کرنے تمام اسمائی ، صفاتی ، نسبی اور اعتباری متصور شود و این فقیر بہر جا کہ بیان کردہ است یادداشت مراتب کے متصور ہوتا ہے ۳ اور اس فقیر نے جہاں کہیں بیان فرمایا ہے را بمعنی آخر فرود آوردہ ہر چند اطلاق حضور دران یادداشت کا آخری معنی لیے ہیں اگرچہ حضور کا اطلاق مرتبہ ملایم نیست کمالا یخفی علی اربابہ چہ او از حضور اس مرتبہ میں مناسب نہیں ہے جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں و غیبت بلند است اطلاق حضور را ملاحظہ صفتے از کیونکہ وہ حضور اور غیبت سے بلند ہے حضور کے اطلاق کو صفات میں سے ۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز یادداشت کے معنی دوم کا ذکر فرما رہے ہیں جس میں ذات حق سبحانہ اپنے اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات سمیت مراد ہے جس کا حصول سا لکین طریقت کو مراتب امکانیہ طے کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے اور اس مرتبہ میں سا لکین کو ذات کے علاوہ صفات و اعتبارات وغیرہا کا بھی شہود و حضور ہوتا ہے فلہذا اس مرتبہ میں توحید عیانی میسر نہیں ہوتی۔

صفات در کارست آنچه مناسب لفظ حضور ست تفسیر
 کسی صفت کا ملاحظہ درکار ہے وہ جو لفظ حضور کے مناسب ہے۔ یادداشت
 یادداشت بمعنی ثانی است و برین تقدیر یادداشت را
 کی تفسیر معنی ثانی میں ہے اس لحاظ سے یادداشت کو
 نہایت گفتن باعتبار شہود و حضور ست کہ فوق این
 نہایت کہنا شہود اور حضور کے اعتبار سے ہے ۴ کیونکہ

۴ یہاں یادداشت کا معنی سوم بیان فرمایا گیا ہے..... جس میں عرفائے کاملین کو
 جب شیونی اور جب اعتباراتی پھاڑ کر احدیت مجردہ کے ساتھ وصل عریانی نصیب
 ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت یادداشت ہے جس سے حضرات نقشبندیہ شادم کام و بامراد و
 ممتاز ہوتے ہیں۔ والحمد لله علی ذالک

مرتبہ شہود و حضور را گنجایش نیست یا حیرت ست
 اس مرتبہ سے فوق شہود و حضور کی گنجائش نہیں ہے یا حیرت ہے
 یا جہل یا معرفت نہ آن معرفت کہ تو آن را معرفت
 یا جہل یا معرفت ۵ وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت
 دانی کہ آن معرفت تو معرفت افعالی ست و صفاتی و
 جانتے ہو کیونکہ تیری وہ معرفت افعالی اور صفاتی معرفت ہے اور
 این مقام فوق معرفت اسماء و صفات ست بچندیں مراحل
 یہ مقام اسماء و صفات کی معرفت سے فوق ہے کتنے ہی مرحلے
 والصلوة والسلام علی سید البشر وعلی آلہ الاطهر

اور درود و سلام ہو سید البشر پر اور آپ کی آل اطہر پر۔

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ حقیقت
 یادداشت کے حصول کے بعد عارف پر حیرت و جہل کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے
 - حیرت و جہل سے مراد اشیائے کائنات سے لا تعلق اور بے خبری ہے۔ جب کثرت
 ذکر اور فرط محبت کے غلبے سے عارف اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدے میں ڈوب جاتا
 ہے اور محبوب کے سوا سب کچھ اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور مرتبہء احدیت میں
 محو ہو کر تجلی اسم ہو کا مشاہدہ کرتے ہوئے انکشاف حقیقت پر ہکا بکا رہ جاتا ہے تو اسی
 حالت کو حیرت و جہل کہا جاتا ہے لیکن یہ حیرت و جہل محمود ہے نہ کہ مذموم۔ اسی کو
 صوفیائے کرام فنائے مطلق، مرتبہء جمع اور ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۶ جلد اول)

اسی کو حقیقی معرفت کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے العجز عن درك الادراك ادراك فسبحان من لم يجعل للخلق اليه سبيلاً الا بالعجز عن معرفته (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) یعنی ادراک معرفت سے عاجز ہونا ہی اس کی معرفت کا ادراک ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عجز کے سوا اپنی مخلوق کیلئے کوئی رستہ نہیں بنایا۔

مِنَهَا - ۳۱

تمامی ایسے طریق و وصول بنہایت النہایت مربوط
 اس راہ کی تقسیم اور نہایت النہایت تک وصول ، مشہور
 بطرے مقامات عشرہ مشہورہ است کہ اولش توبہ است
 مقامات عشرہ طے کرنے کے ساتھ مربوط ہے ۱ کہ ان میں پہلا مقام توبہ ہے
 و آخرش رضا ہیچ مقامے درمراتب کمال فوق مقام
 اور ان کا آخری مقام رضا ہے۔ کوئی مقام مراتب کمال میں مقام
 رضا متصور نیست حتی کہ رویت اخروی نیز و
 رضا سے بالا متصور نہیں ہے حتی کہ رویت اخروی بھی
 حقیقت مقام رضا کما ینبغی در آخرت ظہور خواہد
 مقام رضا کی حقیقت جیسا کہ چاہئے آخرت میں ظاہر ہوگی

تکمیل سلوک کا انحصار مقامات عشرہ پر ہے

۱ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما
 رہے ہیں کہ راہ سلوک کی تکمیل کا انحصار مقامات عشرہ پر ہے۔ ان مقامات میں سے
 پہلا مقام توبہ ہے اور سب سے آخری اور افضل مقام رضا ہے یہاں تک کہ جنت میں
 دیدار خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ دیگر مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا کیونکہ ان کا

یافت و حصول مقامات دیگر در آخرت متصور نیست
دیگر مقامات کا حصول آخرت میں متصور نہیں ہے
توبہ آنجا معنی ندارد و زہد گنجایش ندارد و توکل
توبہ وہاں کوئی معنی نہیں رکھتی اور زہد کی گنجائش نہیں، توکل
صورت نہ بندد و صبر احتمال ندارد آرمے شکر ہر چند
کی کوئی صورت نہیں بنتی، صبر کا احتمال نہیں ہاں شکر اگرچہ
در آنجا متحقق ست اما آن شکر از شعب رضاست نہ
وہاں متحقق ہے لیکن وہ شکر رضا کی شاخوں میں سے ہے
امر مباین از رضا اگر پرسند کہ در کامل مکمل گاہ
نہ کہ رضا سے جدا کوئی امر اگر دریافت کریں کہ کامل مکمل میں
ہست کہ رغبتے در دنیا مفہوم میگردد و منافی توکل
کبھی ہوتا ہے کہ اس سے دنیا کی طرف کوئی رغبت مفہوم ہوتی ہے اور توکل
چیز ہادیہ می شود و بے طاقتی کہ منافی صبر ست
کے منافی کئی چیزیں دیکھی جاتی ہیں اور بے طاقتی جو صبر کے منافی ہے

تعلق عالم شہادت کے ساتھ ہے عالم آخرت کے ساتھ نہیں البتہ مقام شکر جو کہ مقام
رضا کا ایک شعبہ ہے وہ اہل جنت کو ضرور حاصل ہوگا تا کہ مزید انعامات و اکرامات
و عنایات سے مالا مال ہو سکیں جیسا کہ آیہ کریمہ لئن شکرتم لازیدنکم سے عیاں
ہے۔ (مقامات عشرہ کی تفہیمات سعادت العباد جلد اول منہا ۱۰ میں ملاحظہ فرمائیں)

مشہود می گردد و کراہت کہ ضد رضا است یافتہ می
 مشہود ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے
 شود وجہ آن چہ باشد؟ در جواب گویم کہ حصول این
 اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان
 مقامات مخصوص بقلب و روح ست و نسبت باخص
 مقامات کا حصول، قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے اخص خواص
 خواص این مقامات در نفس مطمئنہ نیز حصولی می
 کی نسبت یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک سوال کا جواب مرحمت فرما رہے
 ہیں کہ بعض اوقات شیخ کامل مکمل (جس نے مقامات عشرہ کی تحصیل اور راہ سلوک کی
 تکمیل کر لی ہوتی ہے) سے بھی ان مقامات کے برخلاف عادات قبیحہ اور افعال
 ناپسندیدہ کا اظہار ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مقامات کا تعلق قالب اور جسم انسانی
 کے ساتھ نہیں ہے بلکہ قلب و روح کے ساتھ ہے البتہ ان مقامات کے حصول سے جسم
 انسانی میں پائی جانے والی ردی عادات و افعال کی شدت و صولت ٹوٹ جاتی ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہ العزیز کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی جعفر بن یونس اور کنیت ابوبکر ہے آپ کا وطن مصر تھا مگر آپ
 بغداد میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ حضرت خیر نسا ج رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچ کر
 تائب ہوئے اور سید الطائف حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست

یابد اما قالب ازین معنی خالی و بے نصیب است ہر
 لیکن قالب اس معنی سے خالی اور بے نصیب ہے
 چند از صولت و شدت می ماند شخصی از شبلی
 اگرچہ تیزی اور شدت ماند پڑ جاتی ہے کسی شخص نے شیخ شبلی
 پرسید کہ تو دعوائے محبت می کنی و این فریبہی
 سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ فریبہی تو
 تو منافی محبت است شبلی در جواب او این شعر خواند
 محبت کے منافی ہے شیخ شبلی نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

پر بیعت ہوئے، آپ زبردست عالم دین اور فقیہ تھے۔ آپ امام دارالہجرہ حضرت
 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور موطا امام مالک آپ کو حفظ تھی۔ معاملات
 طریقت میں آپ کے اشارات نہایت لطیف و عمدہ ہیں۔ آپ آئیے کریمہ قل للمومنین
 یغضوا من ابصارہم (اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم) اہل ایمان کو فرما دیجئے! کہ اپنی
 نگاہیں نیچی رکھا کریں کی تفسیر میں فرماتے ہیں ابصار الرؤس عن المحارم
 و ابصار القلوب عن ماسوی اللہ یعنی سر کی آنکھوں کو حرام چیزوں سے محفوظ
 رکھو اور دل کی آنکھوں کو ماسوی اللہ کے خیال سے بچاؤ۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کسی شخص کے
 قلب سے شہوت کا ارادہ نہ نکال دے سر کی آنکھ اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی
 آپ نے ایک دفعہ عہد کر لیا کہ سوائے حلال کے کچھ نہیں کھاؤں گا چنانچہ آپ
 جنگل میں انجیر کے درخت کے پاس سے گذرے اور انجیر توڑ کر کھانا چاہا تو ندا آئی کہ

احب قلبی وما دری بدنی

میرے قلب نے محبت کی لیکن میرا بدن بے خبر رہا

ولو دری ما اقام فی السمن

اگر اسے خبر ہوتی تو فربہ نہ ہوتا

پس منافع آن مقامات اگر در قالب کاملے ظہور کند

پس ان مقامات کے منافی اگر کسی کامل کے قلب میں کچھ ظہور کرے

ضرر ندارد حصول آن مقامات نسبت بباطن آن بزرگ

تو ضرر نہیں دیتا ان مقامات کا حصول اس بزرگ کے باطن کی نسبت

شبلی مجھے مت کھاؤ اپنے عہد کا پاس کرو، میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔ جان لیوا

مرض کے دوران اپنے خادم حضرت بکیر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مجھے وضو کراؤ۔ خادم

دوران وضوء داڑھی مبارک کا خلال کرانا بھول گئے اس وقت آپ کی زبان بند ہو چکی

تھی تو آپ نے خادم کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلیوں سے اپنی داڑھی کا خلال فرمایا۔ کسی شیخ

طریقت کا یہ قول ہے کہ اس شخص کے مراتب کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جس سے

آخر وقت بھی شریعت کا کوئی ادب فوت نہیں ہوا۔

غالباً اسی بنا پر آپ کے مرشد و مربی مقنن قوانین طریقت حضرت سیدنا جنید

بغدادی قدس سرہ العزیز آپ کو قوم صوفیہ کا تاج کہتے تھے۔

آپ ہر نماز کے بعد لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم

حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم کے بعد صلی اللہ علیک یا محمد

تین بار پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ

و در غیر کامل نقائص آن مقامات در کلیت ظہور می
 اور غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص کلیت میں ظہور کرتے ہیں
 کند بباطن و ظاہر راغب دنیا میگردد و منافعی توکل
 باطن اور ظاہر دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور توکل کے منافی
 صورت و حقیقت او را شامل می شود و بقلب و قالب برے
 اس کی صورت اور حقیقت کو شامل ہو جاتی ہے اور قلب اور قالب میں
 طاقتی و اضطرار ظہور می نماید، و بروح و بدن کراہت
 بے طاقتی اور اضطرار ظاہر ہونے لگتا ہے اور روح اور بدن میں کراہت
 ظاہر میگردد ہمیں چیز ہاست کہ حضرت حق
 ظاہر ہونے لگتی ہے یہی چیزیں ہیں کہ حضرت حق

کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

آپ پر اکثر سکر کا غلبہ رہتا تھا آخر عمر میں اس خیال سے کہ نہ معلوم کب پیغام
 اجل آجائے لا الہ الا اللہ کی بجائے صرف اللہ کہنے لگے تھے۔
 آپ نے ۲۷ ذی الحج ۳۳۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک
 بغداد میں ہے۔

سبحانہ و تعالیٰ قباب اولیائے خود ساختہ است و اکثر
 سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے حجاب بنایا ہے ۳ اور اکثر
 مردم را از کمالات این بزرگواران محروم داشته و در
 لوگوں کو ان بزرگواروں کے کمالات سے محروم رکھا ان
 ابقائے آن چیز ہا در اولیاء حکمتے است غامض و آن
 چیزوں کے اولیاء میں باقی رکھنے میں کوئی دقیق حکمت ہے اور وہ حق
 عدم امتیاز حقست از باطل کہ از لوازم این دارست
 کا باطل سے عدم امتیاز ہے جو اس دار دنیا کے لوازم سے ہے

صوفیائے کاملین میں نقائص باقی رکھنے کی حکمتیں

۳ یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ عامۃ الناس اور ناقصین میں ان
 مقامات عشرہ کے برعکس نقائص و عیوب ان کی کلیت و مجموعی حیثیت اور ظاہر و باطن میں
 سرایت کئے ہوتے ہیں جبکہ صوفیائے کاملین کے بطون مقدسہ ان نقائص سے پاک ہو
 جاتے ہیں تاہم ان کے اجسام مبارکہ میں ان عیوب و نقائص کے باقی رکھنے میں
 دو حکمتیں کار فرما ہوتی ہیں۔

حکمت اولیٰ

یہ ہے کہ عامۃ الناس کو ان اولیائے کاملین کے کمالات سے محروم رکھنا ہوتا ہے
 جیسا کہ حدیث قدسی اولیائی تحت قبائی لایعرفہم سوائی سے عیاں ہے
 تاکہ حق و باطل میں التباس رہے یوں لوگوں کیلئے ابتلاء و آزمائش کا سلسلہ جاری رہے

کہ محل ابتلا است و حکمت دیگر در ابقائے این اشیاء جو آزمائش کا محل ہے اور دوسری حکمت اولیاء میں ان چیزوں در اولیاء اگرچہ بحسب صورت باشد ترقی ایشان کے ابقاء کی اگرچہ صورت کے لحاظ سے ہو ان کی ترقی ست اگر این اشیا از اولیاء بالکل مرفوع شود راہ ترقی ہے۔ اگر یہ چیزیں اولیاء سے بالکل مرفوع ہو جائیں تو ترقی کا مسدود میگردد و در رنگ ملک محبوبس می مانند۔

راستہ مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی مانند محبوس ہو جائیں
والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ
اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور التزام کرے متابعت مصطفیٰ کا

تا ہم اہل بصیرت جو ایسے القلوب ہونے اور ولسی راولسی می شناسد کے مصداق ان صوفیائے کالمین کے بطون میں بھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جب ہمیں خاندان قادریہ کا کشف ہوتا ہے تو حضرت غوث الثقلین قدس سرہ العزیز کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری قدس سرہ العزیز جیسا بزرگ نظر نہیں آتا۔“

حکمت ثانیہ

ان عادات ردیہ کے باقی رکھنے کی یہ ہے کہ جب کبھی ان صوفیائے کالمین سے کسی فعل شنیع کا صدور اور خلق قبیح کا ظہور ہو جاتا ہے تو یہ حضرات اس پر سخت نادم و

وَعَلَىٰ إِلَهِ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمَاتِ اِتْمَعَا وَاكْمَلَهَا

آپ پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوات و تسلیمات ہوں

پشیمان ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کے حضور توبہ و انابت کرتے ہیں، آہ و گریہ اور الحاح و زاری کرتے ہیں تو بارگاہ قدس جل سلطانہ سے پردہ پوشی و عفو کا مژدہ پاتے ہیں، یوں ان اہل اللہ کے لئے نوید مغفرت اور بلندی درجات کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ اگر عادت قبیحہ کا ان سے بالکل ہی ارتقاع ہو جائے تو ملائکہ کرام کی مانند ان کی راہ ارتقاء مسدود ہو کر رہ جائے جیسا کہ آیہ کریمہ و مامنا الا لہ مقام معلوم سے عیاں ہے۔

مِنهَا - ۳۲

الہی چیسٹ اینکہ اولیائے خود را کردی کہ باطن ایشان
 الہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے اولیاء کی بابت کر دیا ہے کہ ان کا باطن خضر کا
 زلال خضرست بہر کہ قطرہ ازاں چشید حیات ابدی
 آب حیات ہے جس نے اس سے قطرہ چکھ لیا اس نے ابدی حیات
 یافت و ظاہر ایشان سم قاتل بہر کہ بآن نگریست بموت
 پالی اور ان کا ظاہر زہر قاتل ہے جس نے اسے دیکھا موت ابدی

حصول فیض کیلئے اہل اللہ کی نیاز مندی لازم ہے

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اہل اللہ کے ظاہر و باطن کے
 درمیان امتیاز کا تذکرہ فرما رہے ہیں کیونکہ اہل اللہ محبوبین کے لئے دریاے نیل کی مانند
 باعث بلیات ہیں اور محبوبین کے لئے آب حیات کہ ان اہل اللہ کا ظاہر سم قاتل اور
 باعث زحمت ہے جبکہ ان کا باطن حیات بخش اور موجب رحمت ہے۔ ظاہر بین شخص
 کیلئے اہل اللہ کی دید باعث ہلاکت ہے اور دیدہ بینا کے لئے ان کی زیارت باعث
 نجات ہے۔ اسی لئے عامۃ المسلمین کیلئے بالعموم اور سالکین طریقت کیلئے بالخصوص یہ
 تلقین و تاکید فرمائی گئی کہ اہل اللہ کا ہمیشہ نیاز مند ہی رہنا چاہئے اور خستہ دلی کے ساتھ
 ان کے حضور حاضر ہونا چاہئے کیونکہ شکستہ دلی ہی قابل توجہ اور لائق التفات ہوتی ہے

جیسا کہ آیہ کریمہ امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء سے عیاں ہے۔ حضرت مولانا روم مست بادۃ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا

دست اشکتہ بر آور در دعا
 سوئے اشکتہ پر فضل خدا
 شکر کن مر شاکراں را بندہ باش
 پیش ایثاں مردہ شو پائندہ باش
 خاک شو مردان حق را زیر پا
 خاک بر سر کن حسد را ہم چو ما

ابدی گرفتار آمد ایشانند کہ باطن ایشان رحمت ست
 میں گرفتار ہو گیا۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ ان کا باطن رحمت ہے ۲
 وظاہر شان زحمت باطن بین ایشان از ایشان ست و
 اور ان کا ظاہر زحمت۔ ان کا باطن دیکھنے والا نہیں سے ہے اور
 ظاہر بین ایشان از بد کیشان بصورت جو نما اند و
 ان کا ظاہر دیکھنے والا بدکیشوں سے ہے بصورت جو دکھانے
 بحقیقت گندم بخش بظاہر از عوام بشر اند و بباطن از
 والے ہیں حقیقت گندم عطا فرمانے والے۔ بظاہر عوام بشر ہیں اور باطن میں
 خواص ملک بصورت بر زمین اند و بمعنی برفلک جلیس
 خاص فرشتوں سے، بظاہر زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔
 ایشان از شقاوت رستہ است و انیس ایشان بسعادت
 ان کا ہم مجلس شقاوت سے بچا ہوا اور ان کا مونس سعادت سے ہمکنار
 پیوستہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ هم المفلحون
 ہے یہی لوگ حزب اللہ ہیں خبردار یقیناً حزب اللہ ہی فلاح پانے والا ہے

۲ ان سطور میں اہل اللہ کی عظمت اور ان کی صحبت کے برکات و فوائد کا تذکرہ ہو رہا
 ہے۔ دراصل علمائے راخین اور عرفائے کاملین بظاہر باہمہ اور بباطن بے ہمہ ہوتے
 ہیں۔ ان کی بے داغ سیرت اور دل آویز شخصیت کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ان کی
 طرف دور و نزدیک سے کھچے چلے آتے ہیں۔ ان کے فرمودات عالیہ اور انفاس قدسیہ

و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وسلم

اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا محمد پر اور آپ کی آل پر درود و سلام نازل فرمائے۔

کی بدولت لوگوں کا تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس ہوتا ہے یوں ان کے صحبت یافتہ، سعادت کونین اور فلاح دارین سے مالا مال ہوتے ہیں اسی گروہ کو حزب اللہ کہا جاتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ هم المفلحون سے عیاں ہے۔

مِنهَا - ۳۳

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اولیاء اللہ را بر نہ جے مستور
 حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو اس انداز سے مستور
 ساختہ است کہ ظاہر ایشان از کمالات باطن ایشان
 کر رکھا ہے۔ کہ ان کا ظاہر ان کے باطنی کمالات کی خبر
 خبر ندارد فکیف ما عدائے ایشان باطن ایشان رانسبتے
 نہیں رکھتا تو کیسے خبر ہو گی ان کے سوا کو ان کے باطن کو

۱۔ اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اولیاء اللہ کی پوشیدگی کا سبب
 بیان فرما رہے ہیں۔ دراصل حق تعالیٰ نے اہل اللہ کے صفائے باطن کی وجہ سے ان کے
 بطون کو ان کے لطائف عالم امر کی طہارت و لطافت اور بے چون و بے چگون کے
 ساتھ رنگین ہونے کی بنا پر صورت بشریت اور اپنی قبائے قدرت میں پوشیدہ رکھا ہے
 جیسا کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفہم سوائی سے عیاں ہے تا کہ ان کی
 صورت بشریت ان کے باطنی و حقیقی کمالات کی پردہ پوش ہو جائے اور یہ پردہ پوشی
 لباس کے جسم انسانی کو چھپانے کی مانند ہے نیز ہر کس و ناکس ان کے باطنی کمالات سے
 آگاہ نہ ہو اور یہ پردہ پوشی اس قدر زائد ہوتی ہے کہ ان اہل اللہ کے ظاہر کو بھی ان کے
 باطن کی اطلاع نہیں ہوتی۔ جب اولیائے کاملین کے باطن پر ان کے ظاہر کو بھی آگاہی
 نصیب نہیں ہوتی تو عامۃ الناس کیسے مطلع ہو سکتے ہیں؟۔

کہ بمرتبہ بیچونی و بیچگونی حاصل گشتہ است نیز
بیچونی اور بے چگونی کے مرتبہ سے ایسی نسبت حاصل ہو گئی ہے ۱
بے چون ست و باطن ایشاں چوں از عالم امرست نیز
کہ وہ بھی بے چون ہے اور ان کا باطن جو عالم امر سے ہے
نصیبے از بیچونی دارد و ظاہر کہ سراسر چون ست حقیقت
وہ بھی بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے اس کی حقیقت
آن را چہ در یابد بلکه نزدیک ست کہ از نفس حصول آن
کو کیا دریافت کر سکتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس نسبت کے نفس حصول کا
نسبت انکار نماید بغایۃ الجہل وعدم المناسبتہ وتواند
انکار کر دے بوجہ غایت جہالت اور عدم مناسبت کے اور
بود کہ نفس حصول نسبت را داند اما نداند کہ متعلق
ہو سکتا ہے کہ نفس حصول نسبت کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق
۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ صوفیائے کاملین
کے بطون کو بے چونی اور بے چگونی کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے تو ظاہر اس کیساتھ عدم
مناسبت کی بنا پر اس کا انکار بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ نسبت جملہ نسبتوں سے بالاتر ہے
جیسا کہ ان نسبتنا فوق جمیع النسب سے واضح ہے بلکہ ظاہر تو رہا در کنار باطن
بھی اس نسبت کے آگے مغلوب ہونے کی وجہ سے عجز و جہل و حیرت میں مبتلا ہو جاتا
ہے۔ مزید براں جب صاحب نسبت ہی مغلوب ہے تو دوسرے اس نسبت سے کیونکر
آگاہ ہوں؟۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

آن کیست بلکہ بسا است کہ نفی متعلق حقیقی او
 کیا ہے بلکہ اکثر ایسا ہے کہ اس متعلق حقیقی کی نفی کر دے
 نماید و کل ذالک لعلو تلک النسبة و دنوالظاهر و باطن خود
 یہ سب کچھ اس نسبت کی بلندی اور ظاہر کی پستی کی وجہ سے ہے اور باطن
 مغلوب آن نسبت ست و ازدید و دانش رفتہ است
 اس نسبت سے خود مغلوب ہے اور دید و دانش سے گذرا ہوا ہے
 چہ داند کہ چہ دارد و بکہ دارد پس ناچار غیر از عجز از
 وہ کیا جانے کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے پس لامحالہ
 معرفت بمعرفت راہ نباشد لہذا صدیق اکبر رضی
 معرفت سے عجز کے سوا معرفت کی طرف رستہ نہیں اسی لئے صدیق اکبر
 اللہ تعالیٰ عنہ فرمود ”العجز عن درک الادراک ادراک
 رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادراک کے درک سے عجز ہی ادراک ہے۔
 نفس ادراک عبارت از نسبت خاصہ است کہ عجز از
 نفس ادراک نسبت خاصہ سے عبارت ہے کہ جس کے ادراک
 ادراک آن لازم ست لان صاحب الادراک مغلوب لایعلم
 سے عجز لازم ہے کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہے جو اپنے ادراک کو نہیں جانتا
 ادراکہ وغیرہ لایعلم حالہ کما مرّ

تو دوسرے لوگ اس کے حال سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔

مِنَهَا - ۳۳

شخصے بود در لباس صوفیان کہ ببدعت اعتقادی مبتلا
 ایک شخص صوفیہ کے لباس میں بدعت اعتقادی میں مبتلا
 بود این فقیر در حق او تردد داشت اتفاقاً می بینم کہ انبیاء
 تھا یہ فقیر اس کے متعلق تردد رکھتا تھا اتفاقاً دیکھتا ہوں کہ انبیاء

اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز بدعت اعتقادی کے مضرات و
 نقصانات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بدعت کے متعلق
 قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے اور بدعت کے متعلق
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا موقف بھی واضح ہو جائے۔ وباللہ التوفیق

بدعت

لغت میں بدعت اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے
 مذہب میں نئی رسم کو بھی بدعت کہتے ہیں (المنجد) فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی
 نقشبندی علانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ھی الامر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابة والتابعون ولم
 یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی یعنی بدعت اس نئی چیز کو کہا جاتا ہے جس پر نہ
 صحابہ کرام و تابعین عظام (رضی اللہ عنہم) کا تعامل ہو اور نہ ہی اس پر دلیل شرعی قائم

صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم باجمعہم جمع اند
ان سب پر اللہ تعالیٰ کے صلوات و تسلیمات ہوں جمع ہیں
وہمہ بزبان واحد سی فرمایند درحق آن شخص کہ ”لیس
اور تمام بیک زبان ہو کر اس شخص کے حق میں فرما رہے ہیں کہ وہ

ہو۔ (کتاب التعریفات)

حضرت حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:
والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه
یعنی بدعت سے مراد وہ نئی اشیاء ہیں جن کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہ ہو جو ان
پر دلالت کرے۔ (جامع العلوم والحکم ۱۲۷/۲)

مذکورہ مفہوم درج ذیل ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات سے ثابت
ہے من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فہورد یعنی جس شخص نے ہمارے
دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۷)

اس حدیث پاک میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ ”مالیس منه“ کی قید لگا
کر واضح کر دیا کہ جو چیز دین سے نہ ہو بلکہ خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

اسی ارشاد گرامی کے پیش نظر امام ہمام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول
منقول ہے المحدثات ضربان ما احدث مخالفاً کتاباً او سنة او اثراً او
اجماعاً فہذہ بدعة ضلالة و ما احدث من الخیر لا یخالف شیئاً من
ذالك فہذہ محدثة غیر مذمومة یعنی وہ نئے امور (نئی باتیں) جو قرآن یا سنت
یا اثر یا اجماع کے مخالف ہوں، بدعت ضلالت ہیں اور جو امور خیر کتاب و سنت کے مخالف
نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔ (فتح الباری ۳۰۲/۱)

منا“ درین اثنا بخاطر رسید کہ از شخص دیگر کہ فقیر در ہم میں سے نہیں ہے اسی اثناء میں دل میں ایک دوسرے شخص کا خیال آیا کہ فقیر اس حق او متردد بود استفسار نماید در سادہ او فرمودند ”کان کے متعلق بھی متردد تھا دریافت کر لوں اس کے بارے میں فرماتے ہیں وہ ہم میں سے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثات مذمومہ اور بدعات ضلالہ سے اجتناب کرنے اور سنت پر کار بند رہنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات ہے

فانه من يعيش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة یعنی تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت اختلاف دیکھے گا لہذا تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے، اسی کو تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رکھو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نو پیدا مور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا شدہ باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
(ابوداؤد ۲/۲۷۹)

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

آپ ”کل بدعة ضلالة“ (ابوداؤد) کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔ آپ

منا“ نعوذ بالله سبحانه من سوء الاعتقاد ومن طعن انبيائه الامجاد
ہے ہم اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں برے اعتقاد اور اس کے بزرگ انبیاء پر طعن سے۔

کے نزدیک ”کل محدثۃ بدعة“ (ابوداؤد) عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی
لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب و سنت) کو بدعت فرماتے ہیں
اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

..... حضرت خواجہ مفتی عبدالرحمن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

”گفتہ اند کہ بدعت بردونوع است حسنہ و سیئہ.....“

”این فقیر در ہیج بدعت ازین بدعتہا حسن و نورانیت
مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی
نماید..... سیدالبشرمی فرماید علیہ و علی الہ الصلوٰت
والتسلیمات من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فہورد“ چیزیکہ
مردود باشد حسن از کجا پیدا کند“ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

ترجمہ: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی
بدعت میں بھی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس
نہیں کرتا۔ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے
جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو چیز مردود ہوگئی اس میں حسن کیسا؟۔

آپ علیہ الرحمہ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نور سنت سنّیہ را علی صاحبہا الصلوٰة والسلام والتحیة
ظلمات بدعتہا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را
علی مصدرہا الصلوٰة والسلام والتحیة کدورات امور محدثہ ضائع

گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آن محدثات را امور مستحسنہ میدانند و آن بدعتہا را حسنات می انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت از ان حسنات می جویند و دراتیان آن امور ترغیبات می نمایند ہدایم اللہ سبحانہ سوا الصراط مگر نمی دانند کہ دین پیش ازین محدثات کامل شدہ بود و نعمت تمام گشتہ و رضاء حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم..... (الخ) پس کمال دین ازین محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے این کریمہ۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کی تاریکیوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والحق یہ کہ رونق کو ان نوا ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعے سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل و مکمل ہو چکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہو چکی ہیں اور اسکی رضا ان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا“۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آئیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ

گذشتگان در بدعت حسنہ دیدہ باشند کہ بعض افراد

آنا مستحسن داشته اند اما این فقیر درین مسئلہ بایشان موافقت ندارد و ہیچ فرد بدعت را حسنہ نمیداند و جز ظلمت و کدورت در آن احساس نمی نماید قال علی الہ الصلوٰۃ والسلام ”کل بدعة ضلالة“ و می یابد کہ درین غربت و ضعف اسلام سلامتی منوط باتیان سنت ست و خرابی مربوط بتحصیل بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگ کلند میداند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید و سنت را در رنگ کوکب درخشان می یابد کہ در شب دیجور ضلالت ہدایت می فرماید علمائے وقت راحق سبحانہ و تعالیٰ توفیق دہاد کہ بحسن ہیچ بدعت لب نکشایند و باتیان ہیچ بدعت فتویٰ ندہند اگرچہ آن بدعت در نظر شان در رنگ فلق صبح روشن در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم ست۔ (دفتر دوم مکتوب ۲۳)

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ یہ فقیر ان سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فرد بدعت کو ”حسنہ“ نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی، سنت سے اور خرابی، بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، وہ بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء، وقت کو توفیق دے

کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں ”فلق صبح“ کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز بدعت کی تقسیم کو قبول نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ جو ہے ہی بدعت، اس میں حسن کیسا.....؟، لہذا آپ بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ اسے سنت ہی قرار دیتے ہیں اور بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو ”کل بدعة ضلالة“ کے تحت رکھتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

آپ کے اس موقف پر جن لوگوں نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مرتبہ و علو شان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں

..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب وغیرہا قرار دیا اور علمی مویشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید و تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲..... آپ مشاہدہ و یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت و ولایت سے اس تقسیم کی نفی فرما رہے

تھے۔ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن و جمال نظر نہ آتا۔ عشق و محبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳..... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ”کل بدعة ضلالة“ میں لفظ بدعة کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ”کل محدثة بدعة“ میں لفظ ”محدثہ“ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ”محدثہ“ کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴..... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنة کی مطلق نفی فرماناسدالباب کے قبیل سے ہے تاکہ عوام بدعت حسنة کا سہارا لے کر بدعت ضلالہ میں نہ پھنس جائیں لہذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵..... بدعت حسنة اور بدعت ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم، تفریق اور تعین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا تاکہ اس کی آڑ میں اہل ہوس، دین میں فتنہ و فساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا، جن کے بارے میں آپ نے یوں نشانہ ہی فرمائی۔

”اکثر علماء این وقت رواج دہند ہائے بدعت اندو محو

کنند ہائے سنت مردم را بدعت دلالت می نمایند“

(دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: یعنی اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں..... یہ علمائے دین، آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور بدعت کو شرعاً جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں۔

۶..... آپ مجتہد ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسند اجتہاد کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ”تواز مجتہدان علم کلامی“ (دفتر اول مکتوب ۲۶۶) اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”حضور مجدد رضی اللہ عنہ کا ترک رفع سبابہ بناء بر اجتہاد ہے“ (کلمات طببات فارسی ۲۹) ۷..... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول ”نعمت البدعة هذه“ (مشکوٰۃ ۱۱۵) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ دو ر فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفہ دوم کا عمل از روئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافہم)

۸..... حضرت امام ربانی نے میر محبت اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ نہ اسمیں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟۔

(مکتوبات شریفہ ومبداء و معاد)

بدعت حسنہ..... رافع سنت ہے

۹..... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمن کابلی کی

طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

”جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو

اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت

کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ

عدومسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے

شملہء دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان

چھوڑنا سنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر جو علماء نے

نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کرنی

چاہیے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت

نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ

جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت

ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ

بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت

کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے

فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد

ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

۱۰..... آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی

مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث

میں ہے:

”من سنّ في الاسلام سنة حسنة فله اجرها“..... (الخ) (مشکوٰۃ ۳۳)

لہذا حدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنه کا اطلاق بدعت

حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

..... جیسا کہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة“

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ بدعت

کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں؟

..... اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت

شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقامات سعید یہ ۱۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

”سی فرمودند کہ بدعت حسنه نزد امام ربانی قدس سرہ

داخل سنت است اطلاق بدعت برآن نمی فرمایند بموجب

کل بدعة ضلالة ونزاع در میان ایشان وعلماء کہ بوجود حسن

در بدعت قائل اند لفظی است“

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کل بدعة ضلالة

کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو

بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

..... اسی طرح معرّب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل

مضمون کا باحوالہ اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرّب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد مکی عفی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی

قدس سرہ العزیز نے اپنے مکتوبات میں بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اسکے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے ”حسنہ اور سیئہ“ کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہو اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد کے منارے بنانا، مدارس اسلامیہ قائم کرنا، مسافر خانے تعمیر کرنا، کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ صدر اول میں اسکی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہذا ایسا شخص مُبتدِع اور مُحدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں اسی کا مرتکب ہی مُبتدِع اور مُحدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ”کل بدعة ضلالة“ (ابوداؤد)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(حاشیہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۸۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری مطبوعہ روف اکیڈمی لاہور)

..... حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انجاس الحاجہ میں حدیث ”من احدث فی امرنا هذا“ (الخ) کے تحت یوں فرماتے ہیں

ولهذا قال الشيخ المجدد (رضى الله عنه) ان العلوم التي
وسائل لامر الدين كالصرف والنحو داخله في السنة ولا يطلق عليهم
اسم البدعة فان البدعة عنده (رضى الله عنه) ليس فيها حسن -
ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین
کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف و نحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجد
ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن
نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مسئلہ
بدعت میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان
ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے
نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

(مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۱۳۱ جلد ثالث)

عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بدعت کی اقسام

در اصل عقیدہ و عمل کے اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں ہیں

بدعت اعتقادی اور بدعت عملی

بدعت اعتقادی

عقائد اسلامیہ میں کسی برے اور کفریہ و شرکیہ عقیدے کا اضافہ کر دینا بدعت
اعتقادی کہلاتا ہے، اسے نفاق اعتقادی بھی کہتے ہیں۔

بدعت عملی

دین اسلام میں کسی نئے عمل کا اضافہ کر دینا جو دین اسلام میں سے نہ ہو اور اس سے

سنت و شریعت کی مخالفت لازم آتی ہو، بدعت عملی کہلاتا ہے، اسے نفاق عملی بھی کہتے ہیں۔
جیسے کوئی شخص مسلمان تو ہو مگر اس کے اعمال یہود و ہنود، نصاریٰ و کفار جیسے
ہوں۔ حدیث مبارک من تشبه بقوم فهو منهم میں اس قسم کی بدعت کے
عالمین کو وعید سنائی گئی ہے۔ یاد رہے کہ بدعت عملی کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج
تو نہیں ہوتا البتہ گناہ گار ضرور ہوتا ہے۔

◎..... یاد رہے کہ اہلسنت و جماعت (جو مسلمانوں کی سب سے بڑی وحدت اور واضح
اکثریت ہے اور یہی ناجی گروہ و جماعت ہے) ہر قسم کی بدعت اعتقادی و بدعت عملی
سے محفوظ و مامون ہے البتہ ان میں سے اگر کوئی شخص بدعت عملی کا مرتکب ہو تو یہ اس کی
اپنی غلطی اور غیر ذمہ داری ہے جس کا عقائد و اعمال اہلسنت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے
چاہئے کہ اس قسم کی بدعت کے ارتکاب سے اجتناب کرے اور مغفرت کا طلب گار
رہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی اور خدار نہ بنے بلکہ
وفادار بن کے رہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس کی بخشش ہو جائے گی
جیسا کہ انا عند ظن عبدی بی سے عیاں ہے۔

◎..... یہ امر بھی مستحضر رہے کہ اہلسنت و جماعت کے علاوہ جتنے بھی فرقے ہیں (دیباہہ
وغیر مقلدین وغیر ہا) وہ سب بدعت اعتقادی میں مبتلا ہیں اور سب سے بڑا بدعتی فرقہ
رافضیہ ہے جسے حدیث میں اضل اور اجبث فرمایا گیا جیسا کہ روایت میں ہے:

عن علی قال تفرقت اليهود علی احدى و سبعین فرقة
والنصارى علی ثنتين و سبعین فرقة و انتم علی ثلاث و سبعین فرقة و
ان من اضلها و اجبثها من یتشیع او الشیعة (کنز العمال ۱/۳۷۷)

واضح رہے کہ جو شخص (کے باشد) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم،
صحابہ کرام اور اہلبیت عظام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا

ارتکاب کرتا ہے اور واضح و صریح توہین کا مرتکب ہوتا ہے خواہ ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر خواہ وہ اس کی تاویل کرے یا نہ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

علمائے کرام نے فرقہ رافضیہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱..... تبرائی شیعہ ۲..... تفضیلی شیعہ

تفضیلی شیعہ

وہ لوگ ہیں جو مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں اس قسم کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں البتہ گمراہ ضرور ہیں۔

تبرائی شیعہ

وہ لوگ ہیں جو ماسوائے چند صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو مسلمان نہیں سمجھتے بالخصوص خلفائے ثلاثہ (حضرات ابو بکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بارگاہ میں توہین کرتے ہیں اور امہات المؤمنین میں سے خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں:

یقین جانے کہ بدعتی کی صحبت کافساد، کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے برا وہ فرقہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے لیغیظ بہم الکفار تا کہ کفار کو ان (اصحاب رسول رضی اللہ عنہم) کے سبب سے غصہ میں ڈالے۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۴ دفتر اول)

بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی کے ادب و احترام کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ بدعتی کا احترام کرنے والا گویا دین اسلام کو برباد اور ویران کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔ (مشکوٰۃ ۳۱)

نیز ارشاد فرمایا:

ایاکم وایاہم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (صحیح مسلم ۱۰/۱) یعنی ان (بدعتی فرقوں) سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

نیز قرآن حکیم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے:

فلا تقعد بعد الذکرئ مع القوم الظالمین (الانعام ۶۸) یعنی نہ بیٹھو یاد آنے پر ظالموں کے پاس۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے حکم میں ظالموں سے مراد کفار، بدعتی اور فاسق وغیرہم ہیں۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے، صحبت اختیار کرنے اور میل جول رکھنے کی اجازت نہیں بلکہ حدیث میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ

ولا تؤاکلوہم ولا تشاربوہم ولا تجالسوہم ولا تناکحوہم
و اذا مرضوا فلا تعودوہم و اذا ماتوا فلا تشهدوہم ولا تصلوا
علیہم ولا تصلوا معہم یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو
اور ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے نکاح و رشتہ نہ کرو، وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور
جب وہ مرجائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کے
ساتھ نماز پڑھو۔

ایک روایت میں یوں ہے:

لا تسبوا اصحابى فانه يجيى فى آخر الزمان قوم يسبون
اصحابى فان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم ولا
تناكحوهم ولا توارثوهم ولا تسلموا عليهم ولا تصلوا عليهم
(كنز العمال ۱۱/۵۳۲)

دوسری روایت میں ہے:

فلا تؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولا تصلوا عليهم
ولا تصلوا معهم (كنز العمال ۱۱/۵۳۰)

صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ تمام بدعتی فرقوں میں سے
سب سے برا فرقہ وہ ہے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے
ساتھ بغض رکھتا ہے اور وہ فرقہ رافضیہ ہے۔

اہل سنت اور شیعہ کے اختلاف کا آغاز عہد صحابہ کرام سے ہو گیا تھا۔ اس فرقہ
نے اہل سنت سے علیحدہ تشخص قائم کر لیا اور رفتہ رفتہ اپنے اعمال و عقائد خود وضع کر لیے
جس کے نتیجے میں جمہور اہل اسلام سے الگ ہو گئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دور تجدید میں یہ فرقہ ہندوستان میں کافی پھیل
چکا تھا آپ نے اس کے خلاف بھرپور جہاد فرمایا اور ہندوستان میں اس فرقہ کا زور توڑ
کے رکھ دیا۔ بقول شاعر

شب الحاد و بدعت چھٹ گئی یکسر زمانے سے

نکل کر مہر جب چمکا مجد الف ثانی کا

یہ آپ کی تجدیدی کرامات کا فیض ہے کہ ہندو پاک میں آج تک اہل سنت کو

بالادستی حاصل ہے۔ والحمد لله على ذلك (البيانات شرح مکتوبات ۲/۳۰۱ تا ۲۹۹)

◎ جو بزرگان دین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری و حضوری کے شرف سے ممتاز و مشرف ہیں اگر وہ کسی مسئلہ یا کسی فرد کے متعلق متردد ہوں تو وہ براہ راست بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل پوچھ لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ مجدد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن سینا کے متعلق پوچھ لیا تھا۔ (ملاحظہ ہو سعادات العباد منہا ۱۳)

یونہی حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے زیر نظر منہا میں دو اشخاص کے بارے جن کے متعلق آپ متردد تھے انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے پوچھ لیا تھا ایسے ہی شاہق الجبل کے بت پرست باسی کے متعلق تحقیق کر کے آپ نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے پوچھ لیا تھا (تفصیلات سعادات العباد منہا ۲۸ میں ملاحظہ ہوں)۔

◎ یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ان خال خال اولیائے امت میں سے ہیں جن کے فیضان ولایت پر کمالات نبوت کا غلبہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ فیضان و کمالات نبوت کے کامل وارث ہیں، بنا بریں آپ نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے ان بدعتی افراد کے متعلق پوچھا تھا، اولیائے کرام سے نہیں پوچھا۔ نیز اعتقادات و اعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے ہی ماخوذ ہیں اس لئے انہی نفوس قدسیہ سے استفسار کیا گیا۔ انہی وجوہات کی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اولیائے کاملین اور علمائے راہنہ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور الف ثانی (ہزارہ دوم) کی مسند تجدید پر فائز المرام ہیں، شاید اسی وجہ سے لوگ آپ کے مرتبہ و مقام سے واقف نہیں۔ بقول شاعر

کمالات نبوت کا مزہ جس نے نہیں چکھا

وہ کیا جانے بھلا رتبہ مجدد الف ثانی کا

مِنهَا - ۳۵

برین فقیر ظاہر ساختند کہ لفظ قرب و معیت و احاطہ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قرب ، معیت اور احاطہ حق حق سبحانہ کہ در قرآن مجید واقع شدہ است از جملہ سبحانہ کے لفظ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں سب متشابہات قرآنی ست در رنگ ید و وجہ و ہمچنین متشابہات قرآنی سے ہیں اور وجہ کی مانند اسی طرح حال ہے لہٰذا زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات میں مذکور متشابہات کی تاویلات کا تذکرہ فرما رہے ہیں متشابہات کی تاویل کے متعلق علمائے متکلمین اہلسنت کے دو گروہ ہیں۔

۱..... مؤولین ۲..... مفوضین

مؤولین

ان کے نزدیک چونکہ متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے سے تشبیہ و تمثیل کا اثبات ہوتا ہے جو الحاد و زندقہ ہے فلہذا ان کی تاویل کرنا لازم ہے مگر بعض متشابہات کی تاویل نہایت دشوار ہے اس لئے ان کی تاویل کی بابت ساکت و صامت رہنا بہتر ہے فقط ان پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہئے کیونکہ ایسے موقعہ پر تاویل کرنا ممنوع ہے جیسا کہ آیت کریمہ لا تقف مالیس لك بہ علم سے عیاں ہے۔

ست لفظ اول و آخر و ظاہر و باطن و امثال انہا پس حق
 لفظ اول ، آخر ، ظاہر ، باطن اور ان کے مثل الفاظ کا۔ پس ہم
 سبحانہ و تعالیٰ را قریب گوئیم اما معنی قرب ندانیم کہ
 حق سبحانہ و تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم قرب کا معنی نہیں
 چہست و ہمچنین اول گوئیم اما ندانیم کہ مراد از اول
 جانتے کہ کیا ہے اسی طرح ہم اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے مراد

مفوضین

ان کے نزدیک تشابہات اصابع اور ید وغیرہا کا معنی انگلیاں اور ہاتھ ہی
 کرنا چاہئے اور انکی تاویل سے اجتناب کرنا چاہئے لیکن ان انگلیوں وغیرہا کو مخلوق کی
 انگلیوں کی مانند نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یوں کہنا اور سمجھنا چاہئے کہ انگلیاں تو ہیں ہم ان پر
 ایمان رکھتے ہیں مگر ہم ان کی حقیقت و کیفیت سے واقف نہیں ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی
 بہتر جانتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ سے واضح ہے۔
 اسلاف کے ہاں یہی موقف اسلم ہے۔

◎ یاد رہے کہ مسلمان کیلئے تشابہات پر ایمان لانا واجب ہے اور ذاتی رائے و
 قیاس سے ان کے متعلق کلام کرنا حرام اور ان کو آسان کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔
 بس ان کے بارے میں یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ حق تعالیٰ کی بلا کیف صفات میں
 سے ہیں۔ چونکہ یہ مجہول الکفیت ہیں فلہذا ان کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔

(البینات شرح مکتوبات جلد دوم مکتوب ۶۷)

چہ باشد ومعنی قرب و اولیت کہ در حیطة علم و فہم
 کیا ہے اور قرب و اولیت کا معنی جو ہمارے علم و فہم کے
 ما در آید حق سبحانہ و تعالیٰ ازاں منزہ و برترست و آنچہ
 احاطہ میں آتا ہے حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے اور جو کچھ
 در کشف و شہود ما گنجد او تعالیٰ ازاں متعالی و پاک
 ہمارے کشف و شہود میں سماتا ہے وہ تعالیٰ اس سے بلند اور پاک ہے
 ست و قرب و معیت او تعالیٰ کہ بعضے از متصوفہ بطریق
 اور اس تعالیٰ کا قرب اور معیت جو بعض متصوفین نے بطریق

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا موقف

آپ کے نزدیک تشابہات، تاویل پر محمول اور ظاہر سے مصروف ہیں جیسا کہ
 آیت کریمہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ (یعنی تشابہات کی تاویل و اصل مراد اللہ
 تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) سے عیاں ہے اور اللہ تعالیٰ نے علمائے راسخین کو بھی اس
 تاویل کے علم سے حصہ عطا فرمایا ہے چنانچہ علم غیب جو اللہ تعالیٰ کیلئے ہی مخصوص ہے
 اپنے خاص رسولوں کو اس میں سے اطلاع بخشا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ
 کریں کہ جس طرح ”ید“ کی تاویل قدرت اور ”وجہ“ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں
 ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تاویل ان اسرار میں سے ہے جس کا علم اخص خواص کو عطا فرمایا
 ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۳۱۰)

سراج الاولیاء حضرت شاہ احمد سعید فاروقی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات
 شریفہ میں اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

کشف دریافتہ اند و بآن معنی کشفی حق را سبحانہ
 کشف دریافت کیا ہے اور اس کشفی معنی کے اعتبار سے حق سبحانہ
 قریب و مع می دانند مستحسن نیست قدمے در مذہب
 کو قریب اور مع جانتے ہیں مستحسن نہیں ہے انہوں نے مذہب مجسمہ میں
 مجسمہ دار و آنچه بعضے از علماء در تاویل آن گفته اند
 قدم رکھ دیا اور جو کچھ بعض علماء اس کی تاویل میں کہتے ہیں

آنکہ علماء معیت و اقربیت علمی می گویند و صوفیہ
 صافیہ ذاتی می دانند و حضرات (مجددیہ) می فرمایند کہ
 معیت و اقربیت بیچون و برے چگون لحاظ باید ساخت مانند
 ذات او سبحانہ یعنی تشابہات کے متعلق ارباب علم و حال کی تین آراء ہیں۔

①..... علمائے کرام معیت و اقربیت کو علمی کہتے ہیں۔

②..... صوفیائے کرام معیت و اقربیت کو ذاتی جانتے ہیں۔

③..... جبکہ حضرات مجددیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات کی مانند اس کی

(صفات) معیت و اقربیت بیچون اور بے چگون ہیں۔ (تحفہ زواریہ در انفاس سعیدیہ مکتوب ۲۶)

یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے تشابہات کی تاویلات کے

جواز اور عدم جواز کے متضاد اقوال کو اوقات و احوال کے مختلف ہونے پر محمول کرنا

چاہئے اور دوسرے قول پر ہی اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف جدا جدا

ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے جیسا کہ ارباب کیف و حال سے پوشیدہ نہیں۔

(فافہم)

واز قرب قرب علمی مراد داشته اند در رنگ تاویل ید
 اور قرب سے قرب علمی مراد لیتے ہیں کہ تاویل کے انداز
 است بقدرت و وجه است بذات و مجوزست نزدیک
 میں ید سے قدرت اور وجہ سے ذات (مراد) ہے اور یہ جائز ہے

کارکنانِ قضا و قدر کون ہیں

بندوں کی موت و حیات، کفر و اسلام، ولایت و عدم ولایت، عطاءے مقامات
 اور سلب مقامات وغیرہا کے متعلق احکامات و فیصلوں کے نفاذ و اظہار و اخفاء پر مامور
 ملائکہ و حضرات کو مدبرات امر یا کارکنان قضا و قدر کہا جاتا ہے۔ یہ تدبیری امور کبھی
 کبھار رجال غیب سے بھی انجام پذیر ہوتے ہیں۔ رجال غیب اپنی لطافت و نورانیت
 کے باعث فرشتوں کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے دن رات انہی کے ساتھ رہتے ہیں۔
 بعض اہل اللہ پر واقعے یا مراقبے یا خواب یا بیداری کے عالم میں ویسے ہی بیٹھے
 بیٹھے بعض اسرار و رموز القاء و الہام کیے جاتے ہیں کبھی تو وہ آواز ان کے قلب (باطن)
 سے آتی ہے اور کبھی باہر سے آواز آتی ہے کبھی آگے سے آواز آتی ہے اور کبھی اوپر سے
 آتی ہے اور وہ آواز ایک جیسی بھی ہو سکتی ہے اور مختلف آوازیں بھی ہو سکتی ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کی دو
 قسمیں ہیں: جیسا کہ آیت کریمہ هو الذی انزل علیک الكتاب منه آیات
 محکمات هن ام الكتاب و آخر متشابہات (آل عمران ۷) سے عیاں ہے۔

مجوزان تاویل، وما تجویز تاویل نمی کنیم و تاویل آنرا
مجوزان تاویل کے نزدیک اور ہم تاویل کی تجویز نہیں کرتے اور اس کی تاویل
بعلم حق سبحانہ حوالہ می نمائیم۔ العلم عند اللہ سبحانہ
حق سبحانہ کے علم کے حوالے کرتے ہیں علم اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

محکمات اور متشابہات کے متعلق امام ربانی کا موقف

محکمات، علم شرایع و احکام کا منشاء و مبدأ ہے اور متشابہات، حقائق و اسرار کے علم
کا خزانہ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں حق تعالیٰ کیلئے جو الفاظ یس (ہاتھ)
وجہ، قدم، ساق (پنڈلی) اصابع (انگلیاں) اور انا مل (پورے) آئے ہیں
سب متشابہات میں سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات جو قرآنی سورتوں کے اوائل
میں آئے ہیں وہ بھی متشابہات میں سے ہیں کہ جن کی تاویل پر علمائے راہین کے علاوہ
کسی کو اطلاع نہیں دی گئی..... حروف مقطعات میں سے ہر حرف عاشق و معشوق کے
پوشیدہ رازوں کا بحر مواج ہے اور محبت و محبوب کے دقیق اور مخفی رموز میں سے ایک رمز
ہے اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات (اصل اصول) ہیں، لیکن ان کے نتائج و
ثمرات جو متشابہات ہیں اور کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں، امہات کی حیثیت
نتائج حاصل کرنے کے لئے وسائل و ذرائع سے زیادہ نہیں ہے لہذا کتاب کالب یعنی
مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس کا قشر یعنی پوست ہیں۔ یہ متشابہات ہی ہیں جو رمز
و اشارہ کے ساتھ اصل بیان کو ظاہر کرتے ہیں اور بخلاف محکمات کے جو مرتبہ کی حقیقت

اور معاملہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ متشابہات گویا حقائق ہیں اور محکمت متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے جو لب یعنی مغز کو قشر کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو ظاہری شکل و صورت میں لاسکے۔ علمائے قشر یہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمت پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور علمائے راسخین محکمت کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں اور صورت و حقیقت کو بھی جو محکم و متشابہ ہیں جمع کر لیتے ہیں، لیکن وہ شخص جو محکمت کے علم کے بغیر اور ان کے موافق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل تلاش کرے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے وہ ایسا نادان ہے کہ جس کو اپنی نادانی کی بھی خبر نہیں ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اپنی گمراہی کا بھی شعور نہیں رکھتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا صورت اور حقیقت سے مرکب ہے جب تک یہ دنیا فانی ہے کوئی حقیقت اپنی صورت سے جدا نہیں ہو سکتی۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۷۶)

مِنَهَا - ۳۶

این فقیر نماز وتر را گاہے در اول شب ادا می کرد و گاہے یہ فقیر نماز وتر کو کبھی اول شب میں ادا کرتا تھا اور کبھی باآخر شب می گذاشت در شبے از شبہا نمودند کہ در آخر شب میں ادا کرتا۔ راتوں میں سے ایک رات دکھایا گیا کہ نماز وتر صورت تاخیر ادائے نماز وتر چون مصلی بخواب رود کی ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں جب نمازی سو جائے

اتباع سنت، حصول محبوبیت کا ذریعہ ہے

کتاب و سنت کی رو سے اتباع سنت و شریعت ایک بنیادی امر ہے۔ آیت قرآنی فاتبعونی یحببکم اللہ اس کی اصل ہے اور اتباع رسالت کا صلہ، مقام محبوبیت و مرادیت کا حصول ہے۔ کسی عارف نے خوب کہا

عجب این نیست کہ محبوب جہانی ز ہمہ

عجب آنست کہ مہمان تو محبوبان اند

شریعت و طریقت کے تمام مراتب میں تزکیہء نفوس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور تزکیہء نفوس براہ راست تعلیمات سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات سے مربوط ہے۔ جو انسان سرچشمہ سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات سے جتنا سیراب ہوگا اتنا ہی تصفیہء قلب

ونیت دارد کہ در آخر شب وتر را ادا خواہد نمود کتبہ اور نیت کرے کہ آخر شب میں وتر ادا کرے گا اس کے اعمال حسنات اور تمام شب حسنات را بنام اوسی نویسند اعمال حسنه لکھنے والے تمام رات اس کے نام نیکیاں لکھتے رہتے ہیں تا زمانے کہ وتر را ادا نماید پس ہر چند وتر را بتا خیر تر یہاں تک کہ وہ وتر ادا کر لے پس جتنا وتر کو زیادہ تاخیر کے ساتھ

اور تزکیہ نفس سے بہرہ اندوز ہوگا۔ (الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۴۲ جلد دوم)

اتباع کی اقسام

اہل طریقت نے اتباع کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱..... متابعت ظاہری ۲..... متابعت باطنی

متابعت ظاہری مرتبہ نبوت سے متعلق ہے اور متابعت باطنی مرتبہ ولایت سے، مرتبہ نبوت سے ان احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم و جوہ سے بواسطہ جبریل علیہ السلام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ نے خلق خدا تک پہنچادیئے۔ مرتبہ ولایت سے وہ اسرار توحید و معرفت مراد ہیں جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام لسی مع اللہ سے بلا واسطہ جبریل علیہ السلام (براہ راست) حق سبحانہ و تعالیٰ سے حاصل کر کے خاصان امت کو سکھادیئے۔ (الہینات شرح مکتوب ۲۱ جلد اول)

یاد رہے کہ تمام اکابرین طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف و طریقت قولاً و فعلاً و حالاً ہر حیثیت سے اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات کا نام ہے و بدو نہ خراط القتاد۔ اتباع سنت پر مداومت سے جب اہل تصوف کے قلوب صافی اور

ادا نماید بہتر باشد مع ذالک این فقیر را در تعجیل و تاخیر
 ادا کرے بہتر ہے۔ باین ہمہ اس فقیر کو وتر کی تعجیل اور تاخیر
 وتر غیر از متابعت سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰات
 میں سوائے سید البشر (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰات و
 والتسلیمات ہیچ چیز منظور نیست و ہیچ فضیلت را
 تسلیمات ہوں) کی متابعت کے کوئی چیز منظور نہیں ہے اور کسی فضیلت

نفوس مزکی ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں، عالم غیب کے اسرار کھل جاتے ہیں
 اور ہر عمل میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے تکلف مظاہرہ ہونے لگتا ہے تو وہ بارگاہ
 خداوندی سے انعامات و نوازشات سے مشرف ہو کر درجہ محبوبیت پر فائز المرام ہو جاتے
 ہیں۔ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات میں اتباع سنت کی تاکید و ترغیب ارشاد فرمائی
 گئی ہے اور تعمیل کرنے والوں کو بلند مرتبوں کی بشارتیں سنائی گئی ہیں جیسا کہ فرمایا:

علیکم بسنتی میری سنت کو لازم پکڑو۔ (ابن ماجہ ۵)

من احیا سنتی فقد احیانی و من احیانی کان معی فی الجنة
 یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے
 زندہ کر دیا وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا۔ (جامع ترمذی ۹۲/۲)

نیز فرمایا: من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید

(مشکوٰۃ ۳۰)

یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا فساد امت کے زمانے میں، اس کے لئے
 سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔

در اصل ان بشارتوں کے اہل، حضرات صوفیائے صافیہ ہی ہیں اور یہی وہ لوگ

بمتابعت عدیل نمی اندازد و حضرت رسالت و ترا
کو متابعت کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت مآب و تر کو
گاہے اول شب ادا فرمودہ اند و گاہے آخر شب سعادت
کبھی اول شب میں ادا فرماتے تھے اور کبھی آخر شب میں
خود را دران می داند کہ در امرے از امور تشبہ بآن سرور
اپنی سعادت کو اسی میں جانتا ہوں کہ امور میں سے کسی امر میں آنرور کے

ہیں جنہوں نے اتباع شریعت اور احیائے سنت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز بھی انہی پاک طینت، پاک سیرت نفوس
قدسیہ میں سے ہیں۔ آپ نے تعمیل شریعت و تکمیل سنت کو انتہائی درجے تک پہنچایا اور
طریقت نقشبندیہ کی مانند سلوک مجددیہ کو بھی اتباع سنت پر ہی استوار فرمایا جس کی
تفصیلات آپ کی سوانح حیات و تعلیمات سے عیاں ہیں، و عیاں راجحہ بیان
واضح رہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات حقیہ و خلقیہ کے مظہر
ہیں اور بمطابق حکم فاتبعونی یحببکم اللہ کمالات انسانی کا انحصار بھی آپ کی
اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ صحابہ کرام، اہل بیت عظام و اولیائے فخام کو تمام کمالات
ظاہری و باطنی آپ کی اتباع ہی کے ذریعے میسر آئے اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت
سے فیض یاب ہوئے۔

ریاضت و سنت کا فرق

عیسائی پادریوں، ہندو برہمنوں، جوگیوں اور حکمائے یونان نے جو چلے، دے

نماید علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ آن تشبہ
ساتھ تشبہ ہو جائے آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو اگرچہ وہ تشبہ
بحسب صورت باشد مردم در بعضے سنن نیت احیائے لیل
بحسب صورت ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری
و مثل آن را دخل می دهند عجب می آید از کوتہ
اور اس جیسی باتوں کی نسبت کو دخل دیتے ہیں تعجب ہوتا ہے

اور مجاہدے انجام دیئے ہیں وہ قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے کیونکہ قرب
ولایت کے لئے ایمان اور تقویٰ بنیادی شرط ہے ارشاد باری تعالیٰ الذین امنوا
وکانوا یتقون (یونس ۶۳) اس پر شاہد ہے۔

اہل کفر و ضلالت کی ریاضتیں تصفیہء نفس کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن تزکیہ و تطہیر
نفس کا ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتیں۔ لہذا ان لوگوں کو کشف مکونات تو ہو سکتا ہے، کشف
عالم و جوہ نہیں ہو سکتا۔ کشف عالم و جوہ کیلئے تزکیہء نفس لازم ہے اور تزکیہء نفس،
اتباع سنت و شریعت کے بغیر متصور نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اہل کفر و شرک
کو ریاضتوں کے ذریعے جو صفائی نفس حاصل ہوتی ہے وہ تانبے پر سونے کا پانی
چڑھانے کے مترادف ہے اور اہل تصوف و طریقت کو اتباع سنت کے ذریعے جو تزکیہء
نفس حاصل ہوتا ہے وہ عمل کیمیا کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کی مانند ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشغولی اور گرفتاری کا
زنگ اتارنے والی چیز اتباع سنت ہی ہے اور ہر وہ عمل جو اتباع سنت کے قبیل سے ہے
مثلاً ذکر کی کثرت، صحبت شیخ، معیت صادقین اور محبت صالحین وغیرہم کا بھی یہی ثمرہ
ہے۔ فافہم و تدبر (الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۴۲ جلد دوم)

اندیشی ایشاں ہزار احیائے لیالی را بہ نیم جو متابعت
ان کی کوتاہ اندیشی پر ہم ہزار شب بیداریوں کو متابعت کے آدھے جو کے عوض
نخریم عشرہ اخیرہ ماہ رمضان را اعتکاف نشستیم
نہیں خریدتے۔ ہم ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے
یاران را جمع کردہ گفتیم کہ غیر از متابعت نیت دیگر
دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ سوائے متابعت کے کوئی دوسری نیت

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع وہی شخص ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع و
فرماں بردار ہو، کوئی لاکھ دعوے کرے اطاعت الہیہ اور اتباع قرآن کے، جب تک
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کار بند نہیں، مقبول اور محبوب نہیں، مسند محبوبیت
پر وہی شخص فائز المرام ہوتا ہے جو محبوب کی ہر ہر ادا اور سنت کا عامل و عاشق ہوتا ہے۔
بقول شاعر

لو كان حبك صادقا لا طعنه

ان المحب لمن يحب مطيع

یعنی اے محبت کے دعویدار اگر تیری محبت صادق ہوتی تو تو اپنے محبوب کی
اطاعت پر کار بند ہوتا کیونکہ محبت ہمہ وقت اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: من يطع الرسول فقد اطاع الله

(النساء، ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اطاعت رسول کو عین اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ لہذا حق

تعالیٰ عز و جل کی وہ اطاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی شکل میں نہ ہو

نکنید کہ تبتل و انقطاع ما چہ خواہد بود صد گرفتاری
 نہ کریں کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہو گا ہم سو گرفتاریوں
 را بحصول يك متابعت قبول داریم اما ہزار تبتل و انقطاع
 کو ایک متابعت کے حصول کے بدلے قبول کرتے ہیں لیکن ہزار تبتل اور
 را بے توسل متابعت قبول نہ داریم
 انقطاع کو متابعت کے توسل کے بغیر قبول نہیں کرتے

وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس حقیقت کی تاکید و تحقیق کیلئے کلمہ "قد" تاکید ہے
 لایا گیا ہے تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا نہ کرے اور ایک
 کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ چنانچہ دوسری جگہ حق سبحانہ و تعالیٰ ایک جماعت کے حال
 میں جو ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے، بطور شکایت فرماتا ہے:
 یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ و یقولون نؤمن ببعض و نکفر
 ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً ۵ اولئک ہم الکفرون
 حقاً (النساء، ۱۵۰، ۱۵۱) اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان
 فرق کریں وہ کہتے ہیں کہ بعض (آیات) پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار
 کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (حق و باطل) کے بین میں راہ اختیار کر لیں اور
 یقیناً ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سکر اور غلبہ حال کی
 وجہ سے ایسی باتیں کی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی
 محبت کو دوسرے کی محبت پر ترجیح دینے کی خبر دیتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ سلطان محمود
 غزنوی اپنی بادشاہت کے دوران "خرقان" کے نزدیک ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں سے

آنرا کہ درس رائے نگاریست فارغ است

وہ شخص جس کی سرائے میں محبوب ہے فارغ ہے

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

وہ باغ و بہار اور لالہ زار کے نظاروں سے

اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی حضرت شیخ اس کی ملاقات کو آئیں اور اپنے وکیلوں سے کہہ دیا کہ اگر شیخ سے اس معاملہ میں توقف محسوس ہو تو یہ آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (النساء ۵۱) اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہوں ان کے سامنے پڑھیں۔ (چنانچہ) جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف محسوس کیا تو آیت کریمہ ان کے سامنے پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اطیعوا اللہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوا الرسول کی اطاعت سے شرمندہ ہوں اور اطاعت اولی الامر کے متعلق کیا بیان کروں۔ حضرت شیخ نے اطاعت حق سبحانہ و تعالیٰ کو اطاعت رسول کے علاوہ سمجھا یہ بات (سکر کی بنا پر ہے اور) استقامت سے بعید ہے، مستقیم الاحوال مشائخ نے اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا ہے اور شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہ ہو اسے عین ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔ (از مکتوبات شریفہ مکتوب ۱۵۲ جلد اول)

رزقنا اللہ سبحانہ کمال متابعتہ علی آلہ الصلوات

اللہ سبحانہ ہمیں ان کی کمال متابعت عطا فرمائے آپ پر اور آپ کی آل پر

والتسلیمات اتمها واکملها

اتم اور اکمل صلوات و تسلیمات ہوں

سنت کی برکات

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرے میں تراویح ادا کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر سستی محسوس کی چنانچہ میں بستر پر لیٹنے کے لئے گیا اور لیٹتے وقت سستی کے غلبہ کی وجہ سے بجائے اس کے کہ سنت کے مطابق دائیں پہلو پر لیٹتا، میں بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ دراز ہونے کے بعد خیال آیا کہ ترک سنت ہو گیا۔ کاہلی کی وجہ سے نفس نے باور کرایا کہ سہو و نسیان کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، لیکن ترک سنت کا خوف نہیں گیا۔ آخر کار پورے طور پر اٹھ کر دائیں کروٹ پر لیٹ گیا۔ اس عمل کے فوراً بعد کرم الہی سے بے انتہا انوار کی فیوضات ظاہر ہوئیں اور ندا آئی کہ تم نے جو اس قدر سنت کی رعایت کی تو میں آخرت میں تم کو کسی طرح کا عذاب نہ دوں گا۔ اور تمہارے اس رعایت کی وجہ سے تمہارے اس خادم کو بھی بخش دیا جو اس وقت تمہارا پاؤں دبا رہا تھا۔ (زبدۃ المقامات مترجم ۲۵۷)

مِنَهَا - ۳۷

وقتے از اوقات با جمعے از درویشان نشستہ بودیم این فقیر
 ایک مرتبہ ہم درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس فقیر
 از محبت خود کہ نسبت بغلامان آن سرور داشتہ علیہ
 نے اپنی محبت جو آنسرور کے غلاموں کی نسبت رکھتا ہے آپ پر اور
 وعلی آلہ الصلوٰات والتسلیمات چنیں گفت کہ محبت
 آپ کی آل پر صلوٰات و تسلیمات ہوں یوں کہہ دیا کہ آنسرور کی محبت

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز محبت ذاتی اور محبت صفاتی کے
 درمیان امتیاز بیان فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے متعلق
 قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں جس کا ملخصاً اردو ترجمہ
 ملاحظہ ہو!

محبت کی اقسام

محبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ محبت جو محبت کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے اور
 دوسری وہ محبت جو اپنی ذات کے علاوہ غیر سے تعلق رکھتی ہے۔
 قسم اول محبت ذاتی ہے جو اقسام محبت میں سب سے بلند ہے کیونکہ کوئی شخص

آن سرور بر نہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ و
 اس طرح غالب ہو گئی ہے کہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو
 تعالیٰ را بواسطہ آن دوست می دارم کہ رب محمد
 اس واسطہ سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد کا رب ہے۔
 است حاضران ازیں سخن در تحیر ماندند اما مجال
 حاضرین اس بات سے حیران رہ گئے لیکن مخالفت

کسی چیز کو اتنا دوست نہیں رکھتا جتنا کہ خود اپنے آپ کو۔ محبت کی یہ قسم احکم اور اوثق ہے
 جو کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی نیز یہ محبت، محبوب صرف
 سے تعلق رکھتی ہے جو محبت کا شائبہ بھی نہیں رکھتی بخلاف قسم دوم کی محبت کے کہ وہ
 عارضی اور زوال پذیر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

محبت ذاتیہ

عارف کا وہ مرتبہ ہے جس میں عارف کی عبادات اور اس کے اعمال میں طمع و
 خوف، ثواب و عذاب اور نفع و نقصان کا جذبہ و رجحان غلبہ پذیر نہیں ہوتا ہے بلکہ محبت
 الہیہ میں فانی ہونے کی وجہ سے اس کے ہر عمل و عبادت سے رضائے الہی مقصود ہوتی ہے

غرض ز عشق توام چاشنی درد و غم است

ورنہ زیر فلک عیش و تنعم چہ کم است

اس مرتبے میں سائیک کو جب اخلاص کی حقیقت میسر آ جاتی ہے تو اس وقت اس
 پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نعمتیں اور زحماتیں اس کے لئے ایک جیسی ہو جاتی
 ہیں کیونکہ محبت کو محبوب کے ہر فعل سے ایک خاص قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے اور عاشق

مخالفت نہ داشتند این سخن نقیض سخن رابعہ است
 کی مجال نہیں رکھتے تھے یہ بات رابعہ کے سخن کی نقیض ہے
 کہ گفتہ آن سرور را در خواب گفتم کہ محبت حق
 کہ انہوں نے آن سرور کو خواب میں کہا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی
 سبحانہ و تعالیٰ بر نہ جے استیلا یافتہ است کہ محبت
 محبت نے اس قدر غلبہ پا لیا ہے کہ آپ کی محبت کی جگہ
 شمارا جانماندہ است این ہر دو سخن ہر چند از سکر
 نہیں رہی ہے۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں

ہمیشہ معشوق کے افعال کا شہود چاہتا ہے خواہ وہ انعام کے رنگ میں ہو یا ایلام کی صورت
 میں، اس کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آتا ہے وہ سب جمیل ہوتا ہے۔

از دست دوست ہرچہ رسد نیک گفتہ اند

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ محبت جس طرح محبوب کے
 انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی لذت حاصل کرتا ہے بلکہ
 ایلام میں لذت کی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ اس میں حظ نفس کی آمیزش نہیں ہوتی۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۳)

واضح رہے کہ محبت صفاتی، کسبی ہے اور محبت ذاتی، وہی ہے۔ (مجموعہ رسائل ۹۷)

محبت ذاتیہ کے اعتبارات ثلاثہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس
 محبت ذاتیہ میں خود کو تین اعتبارات سے دوست رکھتا ہے محبوبیت، محسبیت اور محبت۔

خبر می دہد اما سخن من اصالت دارد او در عین سکر
 لیکن میرا سخن اصالت رکھتا ہے۔ اس نے عین سکر میں
 گفتہ ومن در ابتدائے صحو و سخن او در مرتبہ صفات
 کہا اور میں نے ابتدائے صحو میں اور اس کا سخن مرتبہ صفات میں ہے
 ست و سخن من بعد از رجوع از مرتبہ ذات زیرا کہ در
 اور میرا سخن مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کیونکہ مرتبہ

محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلم ہے۔
 جانب محبوبیت میں دو کمال ہیں فعلی اور انفعالی۔ فعل اصل ہے اور انفعال اس کا تبع ہے
 (فعل تاثیر کو کہتے ہیں اور انفعال تاثیر یعنی اثر قبول کرنے کو کہتے ہیں) لیکن انفعال
 علت غائی ہے ہر چند کہ فعل وجود میں متاخر ہے لیکن تصور میں متقدم ہے۔

محبت کے کمالات کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا نصیب ہے جبکہ نفس
 محبت میں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اولاً مشہود ہوئے..... ثانیاً حضرت ابراہیم
 علیہ السلام بھی اسی جگہ مشہود ہوئے..... ثالثاً حضرت نوح علیہ السلام بھی اسی اعتبار میں
 نظر آئے۔

محبت ذاتیہ کے مقام سے فوق مقام حب ہے جو اعتبارات ثلاثہ کا جامع اور
 اجمال ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۷)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ عروجی منازل میں سالکین پر انوار و تجلیات کے ورود
 کے باعث سکر کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ یہ مرتبہ ولایت ہے اس لئے ان کے منہ سے کلمات
 شطھیہ نکل جاتے ہیں جن کا حالت صحو میں ازالہ کرنا لازم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی
 قدس سرہ العزیز نے بھی مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد ابتدائے صحو میں یہ کہہ دیا تھا

مرتبہ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے
 ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے
 جمیع نسب را ازاں مرتبہ کوتہی است آنجا ہمہ حیرت
 تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہیں وہاں سب حیرت
 ست یا جہل بلکہ بذوق نفی محبت دران مرتبہ می
 ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں ذوق کے ساتھ محبت کی نفی کرتا ہے
 کند بہیچ وجہے خود را شایان محبت او نمی داند
 کسی وجہ سے اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں سمجھتا
 محبت و معرفت در صفات است و بس محبت ذاتی
 محبت اور معرفت تو بس صفات میں ہے اور جسے محبت ذاتی کہتے ہیں
 کہ میں حق تعالیٰ سبحانہ کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
 رب ہے مگر انتہائے صحوا اور تکمیلی مدارج میں آپ نے اس قول سے رجوع فرمایا تھا اور
 یوں کہا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مانتا ہوں کہ وہ حق تعالیٰ
 سبحانہ کے نبی ہیں۔

مقام تکمیل میں محبت رسول غالب ہوتی ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر مقام کمال اور مقام تکمیل کے
 درمیان امتیاز بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ
 مرتبہ کمال میں، جو کہ مرتبہ ولایت سے ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت غالب

کہ گفتمہ اند مراد از ان ذات احدیت نیست بلکه ذات
 مراد اس سے ذات احدیت نہیں ہے بلکہ ایسی ذات
 با بعضی از اعتبارات ذات است پس محبت رابعہ در
 جس کے ساتھ ذات کے بعض اعتبارات ہیں۔ پس رابعہ کی محبت
 مرتبہ صفات ست واللہ سبحانہ الملہم للصواب والصلوٰۃ
 مرتبہ صفات میں ہے اللہ سبحانہ درست الہام فرمانے والا ہے
 والسلام علی سید البشر وآلہ الاطہر
 سید البشر اور آپ کی آل اطہر پر درود و سلام ہو۔

ہوتی ہے اور مقام تکمیل میں، جو کہ مقام نبوت کا حصہ ہے محبت رسول (علیہ التحیۃ والثناء)
 غالب ہو جاتی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۵۲)
 اقبال مرحوم نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی غلبہ محبت رسول صلی اللہ
 علیہ وسلم کی کیفیت کو یوں منظوم کیا ہے

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری بادیدہ صدیق اگر
 قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی
 حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا قول سکر یہ ہے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز
 نے اسی قسم کی ایک حکایت یوں نقل فرمائی ہے کہ
 شیخ مہنہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مجلس انعقاد پذیر تھی اور
 سادات خراسان کے ایک سید بزرگ بھی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک
 مجذوب الحال اس مجلس میں آیا تو حضرت شیخ نے سید بزرگ پر اس مجذوب کو فوقیت

دی۔ سید صاحب کو یہ بات ناگوار گزری تو حضرت شیخ نے سید صاحب کو جواباً فرمایا کہ آپ کی تعظیم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت کی بناء پر ہے۔ اس قسم کے اختلاف کو مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے اور غلبہ محبت رسول پر غلبہ محبت حق سبحانہ کو سکر حال پر محمول کرتے اور بے کار بات سمجھتے ہیں۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۵۲)

مِنهَا - ۳۸

شرافت علم باندازه شرف و رتبه معلوم
 علم کی شرافت معلوم کے شرف اور مرتبہ کے موافق ہے ۱
 است معلوم ہر چند شریف تر علم آن عالی تر پس
 معلوم جتنا شریف تر ہو اس کا علم اتنا ہی عالی تر
 علم باطن کہ صوفیہ بآن ممتازند اشرف باشد از علم
 ہو گا پس علم باطن جس سے صوفیہ ممتاز ہیں اشرف ہے علم ظاہر سے

۱ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز علم کی اقسام، صحبت شیخ کے
 آداب و شرائط و فوائد اور آداب کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کے نقصانات بیان فرما رہے ہیں۔
 علم کا معنی دانستن یعنی جاننا ہے۔ کسی چیز کے متعلق جاننے والے کو عالم اور وہ چیز
 جس کے متعلق جاننا گیا اسے معلوم کہتے ہیں۔ معلوم جس قدر عظیم و جلیل ہوگا اس کے
 متعلق علم بھی اتنا ہی شریف و عظیم ہوگا تو پتہ چلا کہ علم کی شرافت و فضیلت، معلوم کے
 مقام و مرتبت کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔

ظاہر کہ نصیب علمائے ظواہر ست برقیاس شرافت جو علمائے ظواہر کا حصہ ہے ۱۔ جس طرح علم ظاہر کو، علم ظاہر بر علم حجامت و حیاکت پس رعایت آداب علم حجامت اور علم پارچہ بانی پر فضیلت ہے۔ پس آداب پیر کی پیر کہ علم باطن را ازو اخذ کنند باضعاف زیادہ باشد از رعایت علم باطن کو جس سے اخذ کرتے ہیں کئی گنا زیادہ ہے رعایت آداب استاد کہ علم ظاہر ازو استفادہ نمایند و آداب استاد کی رعایت سے، علم ظاہر جس سے استفادہ کرتے ہیں۔

۲۔ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے علم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

علم ظاہر اور علم باطن

روایت میں ہے: العلم علمان فعلم فی القلب فذالك العلم النافع و علم علی اللسان فذالك حجة الله عزوجل علی ابن ادم یعنی علم دو ہیں ایک علم قلب میں ہے، یہ علم نفع بخش ہے..... دوسرا علم وہ ہے جو زبان پر ہوتا ہے یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ابن آدم پر حجت ہے۔ (مشکوٰۃ ۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدهما فبثته فیکم واما الآخر فلو بثته قطع هذا البلعوم یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کئے ہیں ان میں سے علم کا ایک برتن میں نے تم میں بکھیر دیا ہے مگر دوسرا برتن اگر تمہارے سامنے بکھیروں (ظاہر کروں) تو میرے گلے کی گذرگاہ طعام کاٹ

ہمچنین رعایت آداب استاد علم ظاہر باضعاف زیادہ
 اسی طرح علم ظاہر کے استاد کے آداب کی رعایت کئی گنا
 است از رعایت آداب استاد حجام و حائك و ہمین تفاوت
 زیادہ ہے حجام اور جولاہے کے استاد کے آداب کی رعایت سے
 در اصناف علوم ظاہری جاری ست استاد علم کلام و فقہ
 یہی تفاوت علوم ظاہری کی اصناف میں جاری ہے۔ علم کلام و فقہ
 اولی و اقدم است از استاد علم نحو و صرف و استاد نحو و
 کا استاد اولی و اقدم ہے علم نحو و صرف کے استاد سے، نحو و صرف

دی جائے۔ (مشکوٰۃ ۳۷)

عارف باللہ حضرت شیخ احمد بن عطاء اللہ الاسکندری علم نافع کی تعریف کرتے ہوئے
 رقم طراز ہیں: العلم النافع هو الذی یسط فی الصدر شعاعہ و یکشف عن
 القلب قناعہ یعنی علم نافع وہ ہوتا ہے جس کی نورانی شعاعیں سینے میں پھیلتی ہیں اور وہ
 قلب سے جہالت و غفلت کے پردے ہٹا دیتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات کتاب العلم)
 حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
 علم نافع کی دو قسمیں ہیں

علم معاملہ اور علم مکاشفہ

علم معاملہ

وہ علم ہے جو اعمال صالحہ اختیار کرنے کا باعث ہوتا اور قلب کے ساتھ رہتا ہے
 اس علم کو علم دراست بھی کہا جاتا ہے۔

صرف اولیٰ است از استاد علوم فلسفی باآنکہ علوم فلسفی کا استاد اولیٰ ہے علوم فلسفی کے استاد سے اس لئے کہ علوم فلسفی داخل علوم معتبرہ نیست اکثر مسائل آن لاطائل ست علوم معتبرہ میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کے اکثر مسائل بے ہودہ اور وبے حاصل و اقل مسائل آن کہ از کتب اسلامیہ اخذ بے حاصل ہیں اور ان کے بہت کم مسائل جو اسلامی کتابوں سے نمودہ اند و تصرفات دران کردہ از جہل مرکب خالی اخذ کردہ ہیں اور ان میں تصرفات کئے ہوئے ہیں جہل مرکب سے خالی نیستند کہ عقل را دران موطن مجال نیست طور نبوت نہیں ہیں کیونکہ عقل کو اس مقام میں کوئی مجال نہیں ہے۔ انداز نبوت

علم مکاشفہ

وہ علم ہے جو اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے اسے علم وراثت بھی کہتے ہیں..... نیز تحریر فرماتے ہیں کہ معقول و منقول کا زبانی علم، علم نافع نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات کتاب العلم)

حضرت مولانا روم مست بادۃ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اسی لئے فرمایا ہے

علم را برتن زنی مارے بود

علم را بردل زنی یارے بود

حدیث پاک میں علم نافع کی ہی دعا سکھائی گئی ہے

اللهم انى اسئلك علما نافعا

غرضیکہ علم ظاہر اسکولوں، یونیورسٹیوں اور مدارس و مکاتب میں پڑھایا جاتا ہے جبکہ علم باطن اہل اللہ کی خانقاہوں اور آستانوں میں بذریعہ طی سلوک سکھایا جاتا ہے جو مشائخ طریقت اپنے نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کو بذریعہ نگاہ و دعا و توجہات پڑھاتے و سکھلاتے ہیں۔

علم ظاہر آفاق کا علم ہے جبکہ علم باطن ذات (حق) کا علم ہے۔ چونکہ ذات، آفاق سے افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اس لئے اس کا علم بھی اشرف و افضل و اعلیٰ ہے بنا بریں معلمین ذات (صوفیائے کرام) معلمین آفاق (علمائے ظواہر) سے فوقیت و فضیلت رکھتے ہیں۔ واللہ الحمد

یاد رہے کہ نفع و نقصان کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہیں

علم نافع اور علم غیر نافع

عمدة الابدال حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں کہ علم غیر نافع کی دو قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جو فی نفسہ نافع تو ہے مگر بغیر عمل کے نفع بخش نہیں یہ علم شریعت ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جو غیر نافع ہے اور فی ذاتہ بھی غیر نافع ہے اگر اس کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ مہلک و مغوی اور مضر ہے جیسے علم نجوم، علم کہانت اور علوم فلسفہ۔ (ماخوذ از فصل الخطاب ۲۵۸)

حدیث مبارک میں علماء کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں علمائے سوا اور علمائے حق جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات میں ہے الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء یعنی خبردار، بروں میں سب سے برے بھی علماء ہیں اور اچھوں میں سب سے بہتر بھی علماء ہیں۔ (مشکوٰۃ ۳۷)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز علمائے دنیا کے متعلق رقم طراز ہیں:

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت ان کے جمال کے چہرے پر دھبہ ہے۔ مخلوق کو اگرچہ ان سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن انکا علم ان کی اپنی ذات کے حق میں نافع نہیں ہوتا ہر گاہ کہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی پر مرتب ہوتی ہے لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاسق و فاجر قسم کے لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجر آدمی کی تائید کے متعلق خبر دی اور ارشاد فرمایا: ان اللہ یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر

(مسلم ۷۲/۱)

قدوة الاقطاب حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف فصل الخطاب میں تحریر فرمایا ہے کہ علماء کے تین گروہ ہیں۔

طائفہ اول..... علم ظاہر کو جاننے والے۔

طائفہ دوم..... علم باطن کو جاننے والے۔

طائفہ سوم..... علم ظاہر اور علم باطن دونوں کے جاننے والے۔

طائفہ ثالثہ کے علماء نادر الوجود اور کمیاب ہوتے ہیں اگر ہر عصر میں اس قسم کے عالم دین جملہ جہاں میں ایک بھی ہوں تو بسیار اور کافی ہیں۔ اس کی برکات عالم شرق و غرب تک پہنچتی ہیں اور وہ اپنے وقت کے قطب ہوتے ہیں اور تمام جہانوں والے اس کی پناہ دولت اور سایہء ہمت میں ہوتے ہیں۔ (فصل الخطاب ۲۵۸)

وراء طور عقل نظرست باید دانست کہ حقوق پیر فوق
 عقل نظری کے انداز سے وراء ہے۔ جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق
 حقوق سائر ارباب حقوق ست بلکہ نسبت ندارد حقوق
 تمام اہل حقوق کے حقوق سے بالا ہیں ۳ بلکہ کوئی نسبت نہیں
 پیر بحقوق دیگران بعد از انعامات حضرت حق سبحانہ
 رکھتے پیر کے حقوق دوسروں کے حقوق کے ساتھ بعد حضرت حق سبحانہ
 واحسانات رسول او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات
 کے انعامات اور اس کے رسول (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰت وتسلیمات
 بلکہ پیر حقیقی ہمہ رسول اللہ است صلی اللہ
 ہوں) کے احسانات کے بلکہ تمام کے پیر حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وسلم ولادت صوری ہر چند از والدین
 ہیں۔ ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہے

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
 شیخ کامل کے حقوق تمام ارباب حقوق کے حقوق سے بالا ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو
 شیخ کے حقوق کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ
 اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ ہو

ان الشيخ مقدم من الاب والام لان الالباء والامنہات يحفظونه
 من نار الدنيا وافاتها والمشائخ يحفظونه من نار الآخرة وانتدارها

ست اما ولادت معنوی مخصوص بہ پیراست ولادت
 لیکن معنوی ولادت پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی
 صورتی راحیات چند روزہ است و ولادت معنوی
 حیات چند روزہ ہے اور معنوی ولادت کی حیات
 راحیات ابدی است نجاسات معنویہ مرید را پیرست
 ابدی ہے۔ مرید کی معنوی نجاستوں کو پیر اپنے
 کہ بقلب و روح خود کناسی می نماید و تطہیر اشکنبہ
 قلب و روح سے صاف کرتا ہے اور اس کے باطنی
 اوسمی فرماید در توجہات کہ نسبت بہ بعضی مسترشدان
 حصوں کی تطہیر فرماتا ہے۔ ان توجہات میں جو بعض مریدوں
 واقع می شود محسوس میگردد کہ در تطہیر
 کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی

یعنی شیخ مکرم ماں باپ سے مقدم ہے کیونکہ آباء و امہات اسے دنیا کی آگ اور اس کی
 آفات و بلیات سے بچاتے ہیں جبکہ مشائخ عظام اسے نار جہنم اور اس کی مہلکات
 و درکات و مشکلات سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ۱/۲۶۱)

(صحبت شیخ کے آداب و شرائط اور فوائد و برکات الہینات شرح مکتوبات جلد سوم)

مکتوب ۱۸۴ اور سعادت العباد شرح مبداء و معاد منہا ۱۰ میں ملاحظہ ہوں)

نجاسات باطنہ ایشیاں تلوٹے بصاحب توجہ نیز می دود
 نجاستوں کی تطہیر کے دوران آلودگی صاحب توجہ پر بھی پڑ جاتی ہے
 و تا زمانے مکدر می دارد پیراست کہ بتوسل او بخدا می
 اور ایک عرصہ تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے توسل سے خدا عزوجل
 رسند عزوجل کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ
 تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے
 است پیراست کہ بوسیلة او نفس امارہ کہ بالذات
 فوق ہے پیر ہی ہے جس کے وسیلہ سے نفس امارہ جو بالذات
 خبیث ست مزکی و مطہر میگردد و از امارگی باطمینان
 خبیث ہے تزکیہ شدہ اور پاک ہو جاتا ہے اور امارگی سے اطمینان تک
 می رسد و از کفر جبلی باسلام حقیقی می آید
 پہنچتا ہے اور جبلی کفر سے اسلام حقیقی تک آ جاتا ہے۔

ع گر بگویم شرح این بے حد شود

اگر میں اس کی شرح کروں تو بے حد ہو جائے

پس سعادت خود را در قبول پیر باید دانست و شقاوت
 پس اپنی سعادت کو پیر کی قبولیت میں جاننا چاہئے اور
 خود را در رد او نعوذ باللہ سبحانہ من ذلک رضائے حق
 اپنی بدبختی کو اس کے رد کرنے میں ہم اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سبحانہ را در پس پردہ رضائے پیرماندہ اند تا مرید در
 حق سبحانہ کی رضا کو رضائے پیر کے پس پردہ رکھا گیا ہے
 مراضی پیر خود را گم نسازد بمرضیات حق سبحانہ نرسد
 جب تک مرید خود کو پیر کی رضا مند یوں میں گم نہ کر دے حق سبحانہ کی
 آفت مرید در آزار پیر است ہر زلتے کہ بعد آن باشد
 مرضیات تک نہیں پہنچ سکتا مرید کی آفت پیر کی آزار میں ہے ہر لغزش
 تدارک آن ممکن ست اما آزار پیر را ہیچ چیز تدارک
 جو اس کے بعد ہو اس کا تدارک ممکن ہے لیکن پیر کے آزار کا کوئی چیز
 نمی توان نمود آزار پیر بیخ شقاوت ست مرید را
 تدارک نہیں کر سکتی پیر کی ناراضگی مرید کے لئے شقاوت کی بنیاد ہے
 عیاذ باللہ سبحانہ من ذالک خللے در معتقدات اسلامیہ
 اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ اسلامی اعتقادات میں خلل اور احکام شرعیہ
 و فتورے در اتیان احکام شرعیہ از نتائج و ثمرات آنست
 کی بجا آوری میں فتور اس (آزار پیر) کے نتائج و ثمرات میں سے ہے
 از احوال و مواجید کہ بباطن تعلق دارد خود چہ گوید
 احوال و مواجید جو باطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں کے متعلق کیا کہیں
 و اثرے از احوال اگر با وجود آزار پیر باقی ماند از استدراج
 اور احوال کا کوئی اثر اگر آزار پیر کے باوجود باقی ہو اسے استدراج

باید شمر د کہ آخر بخرابی خوابد کشید و غیر از ضرر
 شمار کرنا چاہئے جو بالآخر خرابی کھینچ لائے گا اور ضرر کے سوا
 نتیجہ نہ خوابد داد والسلام علی من اتبع الهدی
 کوئی نتیجہ نہیں دے گا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

مِنَهَا - ۳۹

قلب از عالم امر است اورا بعالم خلق تعلق و تعشق
 قلب عالم امر سے ہے اس کو عالم خلق سے تعلق اور تعشق
 دادہ بعالم خلق فرود آورده اند و بمضغہ کہ در جانب چپ
 دے کر عالم خلق کی طرف نیچے لائے اور مضغہ گوشت جو
 ست تعلق خاص بخشیدہ اند در رنگ آنکہ پادشاہ را
 بائیں پہلو میں ہے کے ساتھ خاص تعلق بخشا گیا۔ اس طرح کہ بادشاہ کو

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز عالم امر اور عالم خلق کے
 لطائف کا باہمی تعلق اور ان کے مقامات کی نشان دہی فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم
 ہوتا ہے کہ عالم امر اور عالم خلق اور ان کے لطائف کی تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ
 فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

عالم امر

فاضل اجل حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ عالم امر کی تعریف کرتے
 ہوئے رقمطراز ہیں:

ما وجد عن الحق بغير سبب ويطلق بازاء الملكوت یعنی جہاں
 سب کچھ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے بغیر کسی سبب کے وجود میں آئے، اس پر عالم

بکناس تعشق پیدا شود وبسبب آن در منزل کناس نزول نماید
 خاکروب کے ساتھ عشق پیدا ہو اور اس وجہ سے وہ خاکروب
 وروح کہه الطف از قلب است از اصحاب یمن ست
 کے گھر نزول فرمائے اور روح جو قلب سے بہت زیادہ لطیف ہے اصحاب
 ولطائف ثلثہ کہه فوق لطیفہ روح اند بشرف ”خیر الامور
 یمن میں سے ہے اور تین لطائف جو لطیفہء روح سے بالا ہیں خیر الامور اوسطہا

ملکوت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۱۹)

عالم امر کا ظہور کلمہ کن سے ہوا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انما امرہ اذا اراد شیئا
 ان یقول له کن فیکون (یسین ۸۲) سے عیاں ہے یعنی مادہ و مقدار اور ترکیب
 عناصر سے خالی اور فقط امر کن سے پیدا ہونے والی مخلوق پر عالم امر کا اطلاق ہوتا ہے
 جیسے انسانی ارواح، ملائکہ اور لطائف مجردہ وغیرہا۔ عالم امر کو عالم غیب، عالم ارواح،
 عالم لاہوت اور عالم جبروت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سب کے مجموعے کو عالم
 مجردات کہا جاتا ہے۔

عالم خلق

فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ عالم خلق کی تعریف کرتے
 ہوئے رقمطراز ہیں:

ما وجد عن السبب ویطلق بازاء عالم الشہادۃ یعنی وہ عالم جہاں
 سب کچھ سبب کے ذریعے وجود میں آئے اس پر عالم شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

(کتاب التعریفات: ۱۱۹)

اوسطھا“ مشرف اند ہر چند لطیف تر بوسط مناسب تر
 کے شرف سے مشرف ہیں جتنے لطیف تر اتنے ہی وسط کے ساتھ
 الا ان السر والخبفی علی طرفی الاخفی احدھما علی الیمین
 مناسب تر ہاں یقیناً سر اور خفی، اخفی کی دونوں طرف ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک
 والاخر علی الشمال ونفس مجاور حواس ست تعلق بدماغ
 دائیں اور دوسرا بائیں واقع ہے اور نفس حواس کا مجاور ہے جو دماغ

مختصر یہ کہ مادہ و مقدار اور ترکیب عناصر سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق کہا
 جاتا ہے جیسے عناصر اربعہ اور ارضیات وغیرہا..... عالم خلق کو، عالم اسباب، عالم اجسام
 اور عالم ناسوت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سب کے مجموعے کا نام عالم مادیات
 ہے۔ غرضیکہ عالم خلق، کائنات مادی پر مشتمل ہے جس میں ترتیب و تدریج ہے اور جس
 کی تخلیق میں زمانہ صرف ہوا جیسا کہ آیہ کریمہ هو الذی خلق السموات
 والارض فی ستة ایام (الحدید ۴) سے واضح ہے۔

واضح رہے کہ آیہ کریمہ الا لہ الخلق والامر (الاعراف ۵۴) میں عالم خلق اور
 عالم امر کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

لطیفہ

حضرت علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لطیفہ کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں
 النفس الناطقہ ہی الجوہر المجرد عن المادۃ یعنی یہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے
 خالی ہوتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۷) اسے لطیفہ انسانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ (کتاب
 التعریفات ۸۳) انسانی جسم میں محل نور کو لطیفہ کہتے ہیں۔

دارد و ترقی قلب منوط ست بوصول اودر مقام روح و
 سے تعلق رکھتا ہے اور قلب کی ترقی منحصر ہے اس کے وصول پر مقام روح میں
 بمقام ما فوق روح و ہمچنین ترقی روح و ما فوق او مربوط
 اور روح سے بالا مقام تک اسی طرح روح اور اس کے ما فوق کی ترقی
 ست بوصول انہا بمقامات فوقانی لیکن ایں وصول در
 مربوط ہے ان کے مقامات فوقانی تک وصول پر لیکن یہ وصول ابتداء

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی تحقیق کے مطابق انسانی جسم اجزائے عشرہ
 سے مرکب ہے جن کو لطائف عشرہ بھی کہا جاتا ہے ان میں سے پانچ لطائف عالم خلق
 کے ہیں اور وہ عناصر اربعہ (خاک، باد، نار، آب) اور لطیفہ نفس ہیں جن کا تعلق عرش
 کے نیچے کی مخلوقات کے ساتھ ہے۔

جبکہ بقیہ پانچ لطائف عالم امر کے ہیں اور وہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفی ہیں۔
 ان لطائف کا تعلق عرش سے اوپر کی مخلوقات کے ساتھ ہے گو ان لطائف کا وطن اصلی
 فوق العرش (عالم ارواح) کے ساتھ ہے مگر ان کے تعینات وجود انسانی میں جدا جدا
 مقام رکھتے ہیں۔

لطیفہ قلب

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی میں بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر
 مائل بہ پہلو ہے۔ اس کی فناء، قلب پر حق تعالیٰ کی تجلی فعل کا ظہور ہے جس کی علامت،
 ذکر کے وقت ماسوی اللہ کا نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت ہے (اگرچہ تھوڑی دیر
 کیلئے ہو) اس کی تاثیر رفع غفلت اور دفع شہوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس

ابتداء بطریق احوال است و در انتہاء بطریق مقام و ترقی
 میں بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہاء میں بطریق مقام اور نفس
 نفس برسیدن اوست در مقام قلب بطریق احوال در ابتدا و
 کی ترقی اس کی مقام قلب میں رسائی ہے ابتداء میں بطریق احوال اور
 بطریق مقام در انتہاء و در آخر کار این لطائف ستہ بمقام اخفی
 انتہاء میں بطریق مقام اور آخر کار یہ چھ لطائف مقام اخفی

لطیفہ کا نور زرد ہے آیہ کریمہ ان فی ذالک لذکرئ لمن کان له قلب (ق ۳۷)
 میں اس اصطلاح کا بیان ہے۔

لطیفہ روح

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی کے سینے میں دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے
 فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے اس کی فنا روح پر حق تعالیٰ کی تجلی صفات کا ظہور ہے جس کی
 علامت ذکر کے وقت کیفیات ذکر (قلبی و روحی) میں اضافہ و غلبہ ہے۔ اس کی تاثیر
 غصہ و غضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں اصلاح و سکون کی کیفیت کا ظہور ہے
 اور اس کا نور سرخ ہے۔ آیہ کریمہ قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل ۸۵) میں
 روح کا تذکرہ ہے۔

لطیفہ سر

اس لطیفہ کا مقام انسان کے سینے میں بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے
 فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ اس کی فنا لطیفہء سر پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے شیونات

می رسند وہمہ باتفاق قصد طیران عالم قدس می نمایند
 تک پہنچ جاتے ہیں اور تمام اکٹھے ہو کر عالم قدس کی طرف پرواز کا ارادہ
 ولطیفہ قالب را خالی وتہی میگزارند اما این طیران
 کرتے ہیں اور لطیفہ قالب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ پرواز
 نیز در ابتدا بطریق احوال ست و در انتہاء بطریق مقام
 بھی ابتداء میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہاء میں بطریق مقام

و اعتبارات کا ظہور ہے اور اس کی علامت ہر دو سابقہ لطیفوں کی مانند اس میں ذکر کا جاری
 ہونا اور کیفیات میں ترقی رونما ہونا ہے (یاد رہے کہ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے)
 اس کی تاثیر طمع اور حرص کے خاتمے نیز دینی امور کے معاملے میں بلا تکلف مال خرچ
 کرنے اور فکر آخرت کے جذبات کی بیداری سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور سفید ہے
 آیہ کریمہ فانہ یعلم السر و اخصی (ط ۷) میں لطیفہ سر و اخصی کا بیان ہے۔

لطیفہ خفی

اس لطیفہ کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے
 فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ اس کی فنا صفات سلبیہ تنزیہیہ کا ظہور ہے، اس کی
 علامت اس میں ذکر کا جاری ہونا اور عجیب و غریب احوال کا ظہور ہے۔ اس کی تاثیر
 حسد و بخل اور کینہ و عنیبت جیسی اخلاقی امراض سے مکمل نجات حاصل ہو جانے سے ظاہر
 ہوتی ہے اس کا نور سیاہ ہے آیہ کریمہ ادعوا ربکم تضرعاً و خفیہ (اعراف ۵۵)
 میں اس لطیفہ کا ذکر ہے۔

لطیفہ اخفیٰ

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی میں وسط سینہ ہے اس کی فنا مرتبہ تزیہہ اور مرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان ایک برزخی مرتبے کے ظہور و شہود سے وابستہ ہے اور یہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کا مقام ہے۔

اس کی علامت اس لطیفہ میں بلا تکلف ذکر کا جاری ہونا اور قرب ذات کا احساس و شہود ہے۔ اس کی تاثیر تکبر، فخر و غرور اور خود پسندی جیسی مہلک روحانی امراض سے رہائی پانے اور مکمل حضور و اطمینان کے حصول سے ظہور پذیر ہوتی ہے، اس کا نور سبز ہے۔

لطیفہ نفس

یہ عالم خلق کا پہلا لطیفہ ہے، سلسلہ نقشبندیہ میں اس کا مقام وسط پیشانی یا ام الدماغ ہے، بعض صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا مقام زیر ناف ہے اگرچہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ارباب عرفان کے نزدیک ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے یوں تطبیق فرمائی ہے کہ اس کا سر ام الدماغ یا وسط پیشانی ہے اور اس کا قدم متصل زیر ناف ہے (اہل کشف کے نزدیک ہر دو مقام نفس کے لحاظ سے برابر ہیں) اس کا نور سبز اور نیلگوں ہے۔ اس کی تاثیر نفسانیت اور سرکشی کے مٹ جانے، عجز و انکساری کا مادہ پیدا ہونے اور ذکر میں ذوق و شوق بڑھ جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہء قالبیہ

یہ عالم خلق کا بظاہر دوسرا لطیفہ ہے لیکن درحقیقت چاروں لطائف (باد، آب،

نار، خاک) پر مشتمل ہے۔ اس کا مقام سارا قالب (جسم) ہے (بعض کے نزدیک متصل ناف ہے) اس کی علامت ہر ہر جزو بدن اور بال بال سے ذکر کا جاری ہو جانا ہے۔ اس کی تاثیر رذائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پالینے سے ظاہر ہوتی ہے اس کا نور آتش نما ہے۔

واضح رہے کہ لطائف عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے اور لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ عالم امر کے پانچوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کو عالم خلق کے کسی نہ کسی لطیفہ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے مثلاً لطیفہ قلب کو لطیفہ نفس کے ساتھ، لطیفہ روح کو لطیفہ آب کے ساتھ، لطیفہ سر کو لطیفہ باد کے ساتھ، لطیفہ خفی کو لطیفہ نار کے ساتھ اور لطیفہ خفی کو لطیفہ خاک کے ساتھ۔

جسم انسانی میں لطائف کی تعیین

صوفیائے کرام نے لطائف کے جن مقامات کی تخصیص و تعیین فرمائی ہے اس کی تائید میں درج ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو!

ثم وضع يده على ناصية ابي محذورة ثم امرها على وجهه من بين ثديه ثم على كبده ثم بلغت يد رسول الله صلى الله عليه وسلم سريرة ابي محذورة ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بارك الله لك وبارك عليك يعني پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کی پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھا پھر اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے پھر ان کے جگر پر لے گئے پھر آپ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔

(ابن ماجہ باب ترجیع فی الاذان ۵۲)

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محمد زورہ رضی اللہ عنہ کے سر سے لیکر ناف تک ہاتھ پھیرا اور برکت کیلئے دعا فرمائی۔ ارادی طور پر جسم کے اتنے حصے پر ہاتھ مبارک پھیرنا کسی طرح بھی حکمت سے خالی نہ تھا جیسا کہ اہل بصیرت پر ظاہر ہے جب کہ جسم کا یہی حصہ لطائف کے مقامات کا حصہ ہے۔ بہر حال حدیث سے ان مقامات کا اہم اور متعین و مبارک ہونا ثابت ہو گیا۔

لطیفہ جاری ہونے کا مطلب

کسی بھی لطیفہ میں ذکر جاری ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مضغہ گوشت یا لطیفہ کا مقام جنبش و حرکت کرتا ہے بلکہ ”حرکت ذکر از دل بہ سمع خیال برسد“ یعنی دل سے ذکر کی حرکت خیال کے کانوں تک پہنچتی ہے اور خیال کے کان دل کا ذکر (لفظ اللہ کا تکرار) سنتے ہیں۔

بعض مشائخ مبتدی کیلئے مضغہ گوشت کی ظاہری طور پر حرکت و جنبش کو ضروری سمجھتے ہیں اور اسی طریق پر مریدین کو ذکر القاء کرتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہی ہے کہ ذکر قلبی وغیرہ میں مقام لطیفہ کی حرکت ضروری نہیں۔ حضور قلبی (یعنی غفلت کا نہ رہنا) اور اخلاص کے ساتھ اور حضور مع اللہ ہی لطیفہ جاری ہونے کی ضروری علامت ہے و هو المقصود۔ ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا ہے حقیقۃ الذکر رفع الغفلة یعنی ذکر کی حقیقت غفلت کا نہ رہنا ہے۔

(مزید تفصیلات کیلئے الہینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب 1 ملاحظہ ہو)

و يحصل الفناء وموتے کہ پیش از موت گفته اند اور اس وقت فنا حاصل ہو جاتی ہے اور وہ موت جسے پیش از موت کہتے ہیں ۲ عبارت ازین جدائی لطائف ستہ است از لطیفہ قالب و چھ لطائف کی اس جدائی سے عبارت ہے لطیفہ قالب سے سربقائے حس و حرکت در قالب بعد از مفارقت اینہا قالب میں اس مفارقت کے بعد حس و حرکت کی بقا کا راز دوسری جگہوں پر

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صوفیائے کرام کے مقولہ موتوا قبل ان تموتوا کی وضاحت فرما رہے ہیں

اہل اللہ موتوا قبل ان تموتوا کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور فنا نسیان ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے جو آفاقی معبودان باطلہ اور خواہشات نفسانیہ سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس کے متعلق معارف لدنیہ میں یوں رقمطراز ہیں

معروف موت (طبعی موت) سے پہلے مرجانا لطائف ستہ قلبیہ سے جدا ہو جانا ہے اور وہ یوں ہے کہ سالک کا نفس ترقی کر کے مقام قلب تک پہنچتا ہے اور پھر یہ دونوں مل کر مقام روح تک اور پھر یہ تینوں مقام سر تک پھر چاروں مل کر مقام خفی تک پھر پانچوں مل کر مقام انخی تک پہنچتے ہیں پھر سارے ملکر عالم قدس (وطن اصلی) کی طرف پرواز کر جاتے ہیں اور لطیفہ قلبیہ کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن ابتداء میں یہ پرواز بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہاء میں بطریق مقام اور اس جدائی کے باوجود قالب میں حس و حرکت باقی رہتی ہے۔

اس حقیقت کو عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بزبان پنجابی

درجہ ہائے دیگر بیان کردہ شدہ است از انجا باید طلبید
 بیان کر دیا گیا ہے وہیں تلاش کرنا چاہئے
 ایس ورق گنجایش تفصیل ندارد باشارہ و رموز سخن
 یہ ورق تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اشارہ و رموز سے
 می رود لازم نیست کہ جمیع لطائف در مقامے جمع
 باتیں چل رہی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ تمام لطائف ایک مقام میں
 یوں قلم بند فرمایا ہے

تن حویلی تے توں وچہ بلی جان مکان تمہارا
 میں مرچکی آں سچ کر منیں سیف ملوکا یارا
 فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ موت کی تعریف کرتے
 ہوئے یوں رقمطراز ہیں

(الموت) صفة وجودية خلقت ضد اللحياء و باصلاح اهل
 الحق قمع هوى النفس فمن مات باصلاح فقد حي بهداه یعنی
 موت ایسی صفت وجودیہ ہے جو حیات کی ضد پیدا کی گئی ہے اور اہل حق کی اصطلاح
 میں نفسانی خواہشات کے ختم ہو جانے کو موت کہا جاتا ہے جس شخص کی نفسانی خواہشات
 مرجائیں وہ ہدایت کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۴)

موتوا قبل ان تموتوا

موت تفرقہ ہیئت اجتماعیہ کا نام ہے اور موت کی دو قسمیں ہیں

موت اضطراری اور موت اختیاری

شوندواز آنجا طیران نمایند۔ گاہ باشد کہ قلب و روح ہر جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب و روح دو باتفاق این کار کنند و گاہے ہر سہ و گاہے ہر چہار دونوں ملکر یہ کام کرتے ہیں اور کبھی تینوں اور کبھی چاروں و آنچه اول مذکور شد اتم و اکمل است و مخصوص ست اور وہ جو پہلے مذکور ہوا اتم و اکمل ہے اور مخصوص ہے بولایت محمدی علیہ و علی آلہ الصلوٰات و التسلیمات ولایت محمدی کے ساتھ ان پر اور ان کی آل پر صلوٰات و تسلیمات ہوں

مفارقت روح از بدن (روح کا بدن سے جدا ہونا) موت اضطراری ہے خواہشات نفس کا مقاطعہ، لذات جسمانیہ سے اعراض اور گناہوں سے کامل توبہ موت اختیاری ہے اور موتوا قبل ان تموتوا سے اسی موت کی طرف اشارہ ہے۔

موت اختیاری کی اقسام

اس موت کی چار قسمیں ہیں

۱..... موت ابیض (سفید موت)

۲..... موت اسود (سیاہ موت)

۳..... موت احمر (سرخ موت)

۴..... موت اخضر (سبز موت)

موت ابیض

یعنی بھوک، پیاس اور نیند پر قابو پالینا چونکہ اس موت سے اشراقیت بڑھتی ہے لہذا اسے سفید موت کہہ دیتے ہیں۔

ومساعدائے اوقسمے از اقسام ولایت است وچوں آن لطائف
 اور اس کے علاوہ ولایت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے
 ستہ بعد از مفارقت از قالب ووصول بمقام قدس وتلون
 اور جب وہ چھ لطائف قالب سے جدائی اور مقام قدس تک رسائی
 بصبغ آن اگر بقالب باز رجوع نمایند وتعلق پیدا کنند
 اور اس کے رنگ کے ساتھ تملون ہونے کے بعد اگر قالب کی طرف پھر رجوع

موت اسود

یعنی دونوں جہاں سے منہ پھیر لینا جیسا کہ فرمایا گیا الفقر سواد الوجه فی
 الدارين (فقر دارین سے منہ کالا کر لینا) پھیر لینا ہے۔ چونکہ دونوں جہاں سے آنکھ
 بند کر لی جاتی ہے لہذا اسے سیاہ موت کہتے ہیں۔

موت احمر

یعنی خواہشات و لذات دنیویہ کو قربان کر کے ان پر غلبہ پالینا اور ان کا خون بہا
 دینا۔ چونکہ یہ قربانی خواہشات کا خون کر کے سرخ روئی کا باعث بنتی ہے لہذا اسے سرخ
 موت کہتے ہیں۔

موت اخضر

یعنی آئندہ کیلئے امیدوں اور امنگوں پر پانی پھیر دینا اور طول اہل (لبے
 منصوبے) کو خیر باد کہہ دینا۔ چونکہ اس سے سالک کی خوشحالی اور سرسبزی کا آغاز ہوتا
 ہے لہذا اسے سبز موت قرار دیا گیا۔ (سر دلبراں، کتاب التعریفات)

سوائے تعلق حسی و حکم قالب گیرند و بعد امتزاج يك
کرتے ہیں اور تعلق پیدا کر لیتے ہیں سوائے جب تعلق کے اور قالب کا حکم اختیار
قسم فنائے پیدا کنند و حکم میت بگیرند دریں وقت
کر لیتے ہیں اور اختلاط کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کرتے ہیں اور میت کا حکم
بتجلی خاص متجلی گردند و از سر حیات پیدا کنند و
پکڑتے ہیں اس وقت خاص تجلی سے متجلی (منور) ہو جاتے ہیں ۳ از سر نو
بمقام بقا باللہ متحقق شوند و متخلق باخلاق اللہ گردند
حیات پیدا کرتے ہیں اور بقا باللہ کے مقام کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں اور خدائی

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
جب سالک کو فنا کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ تجلی خاص سے منور اور اخلاق الہیہ سے
مزین ہو جاتا ہے اور مقام بقا باللہ میں رسوخ پیدا کر لیتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو اس مقام پر
فائز المرام سالک سے عامۃ الناس کی رشد و ہدایت مقصود نہ ہو تو اسے عالم دنیا کی طرف
واپس نہیں لوٹایا جاتا، اس قسم کے اولیاء کو اولیائے عزلت کہا جاتا ہے اور جن صوفیاء کو
نبوت کی نیابت و خلافت پر متمکن فرما کر عامۃ المسلمین کی دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کا
کام لیا جاتا ہے انہیں اولیائے عشرت کہا جاتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

دریں وقت اگر آن خلعت را بخشیدہ بعالم باز گردانند
 اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اسے خدمت بخش کر
 معاملہ از دنو بتدلی خواہد انجامید و مقدمہ تکمیل پیدا
 عالم کی طرف لوٹا دیں تو معاملہ دنو سے تدلی تک انجام پا جائے گا اور تکمیل
 خواہد شد و اگر بعالم باز نہ گردانند و تدلی بعد دنو
 کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا اور اگر عالم کی طرف نہ لوٹائیں اور دنو کے بعد
 حاصل نشود از اولیائے عزلت، خواہد بود و تربیت
 تدلی حاصل نہ ہو تو اولیائے عزلت سے ہو جائے گا اور طالبوں کی
 طالبان و تکمیل ناقصان از دست اونخواہد آمد این ست
 تربیت اور ناقصوں کی تکمیل اس کے ہاتھوں نہیں ہو گی یہ ہے کہانی
 حدیث ہدایت و نہایت بطریق رمز و اشارہ اما فہمیدن
 ہدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اس کا سمجھنا
 آن بغیر قطع این منازل محال است والسلام علی من اتبع
 ان منازل کے قطع کئے بغیر محال ہے اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے
 الهدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام
 اور حضرت مصطفیٰ کی متابعت کو لازم جانے آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو۔

مِنهَا - ۲۰

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ از ازل تا ابد بیک کلام متکلم
 حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ از ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے
 ست آن کلام متبعض و متجزی نیست چہ سکوت
 وہ کلام کلڑا اور جز نہیں ہے کیونکہ خاموشی
 و خرس در حق او تعالیٰ محال ست چہ عجب ہر گاہ از
 اور گوگنا پن اس تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیا عجب ہے کہ
 یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج
 اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے عروجات میں فرق بیان فرما رہے ہیں
 مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں۔
 وباللہ التوفیق

معراج نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات جسمانی ہے

لفظ معراج عروج سے مشتق ہے جس کا معنی بلندی اور معراج کا معنی سُلَّم
 (سیڑھی) ہے اور یہ لفظ ”حدیث معراج“ سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا عرج بی الی السماء یعنی مجھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳۳ بار معراج نصیب ہوئی جن میں سے ۳۳ بار

ازل تا ابد در آنجا آن واحد باشد اذ لایجری علیہ سبحانہ
ازل سے ابد تک وہاں آن واحد ہو کیونکہ اس سجانہ پر
زمان در آن واحد غیر از کلام واحد بسیط چہ بوقوع آید
زمانہ جاری نہیں ہوتا آن واحد میں سوائے کلام واحد بسیط کے کیا واقع
وآن کلام واحد منشاء چندین اقسام کلام گشتہ است
ہو سکتا ہے اس کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں

روحانی اور ایک مرتبہ جسمانی معراج سے مشرف ہوئے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے متعلق علمائے متکلمین اہلسنت
رقطراز ہیں:

والمعراج لرسول اللہ علیہ السلام فی اليقظة بشخصه الى
السماء ثم الى ماشاء الله تعالى من العلى حق یعنی رسول اللہ علیہ السلام کو
حالت بیداری میں جسم اقدس کے ساتھ آسمان کی طرف پھر وہاں سے جہاں تک اللہ
تعالیٰ نے چاہا معراج ہونا حق و ثابت ہے۔ (شرح عقائد)

اہل اللہ کا باطنی عروج

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو روحانی پرواز اور باطنی طیر نصیب ہوتی ہے
کہ ان کا جسم زمین پر ہوتا ہے اور ان کی روح لامکاں میں محور پرواز ہوتی ہے۔ حضرت
مولانا روم مست باوہ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

صورتش بر خاک و جاں در لا مکاں

لا مکانے فوق وہے ساکاں

باعتبار تعدد تعلقات مثلاً اگر بمامور تعلق گرفتہ است
تعدد تعلقات کے اعتبار سے مثلاً اگر مامور کے ساتھ تعلق قائم ہے
امر ناشی شدہ واگر بمنہی نہی نام یافتہ واگر باخبار
تو امر پیدا ہوا اور اگر منہی کے متعلق ہو تو نہی نام پایا اور اگر اخبار سے

دونوں معراجوں میں فرق

قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز معراج نبوی علی
صاحبہا الصلوات والتسلیمات اور عروج اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تمیز و
تفریق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جسکا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

معراج سے مراد قرب حق ہے پس انبیائے عظام علیہم الصلوات کی معراج، جسم
و بدن کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والغفران کی معراج ہمت،
روح و ارادہ کے ساتھ مخفی طور پر ہوا کرتی ہے۔ انبیائے عظام کے ظاہری اجسام مقدسہ
صفا و طہارت و قربت میں اولیائے کرام کے قلوب و بطون کی مانند ہوتے ہیں اور یہ
فضیلت ظاہر ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ ولی کو حال میں مغلوب و مست کر دیتے ہیں
اور اس کے باطن کو اس سے غائب اور قرب حق سے آراستہ کر دیتے ہیں اور جب وہ
حالت صحو میں لوٹتا ہے تو جملہ دلائل اس کے قلب پر نقش ہوتے ہیں اور ان کا علم اسے
حاصل ہو جاتا ہے جبکہ نبی کریم علیہ السلام کے جسم اقدس کو قرب میں لے جایا جاتا ہے
اور ولی کے فقط فکر کو..... فلہذا جسمانی معراج اور فکری معراج میں زمین و آسمان کا فرق
ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ماخوذ از کشف المحجوب فارسی ۲۶۰)

خبر پیدا گشتہ غایۃ مافی الباب اخبار از ماضی و استقبال
تعلق ہو تو خبر پیدا ہوئی۔ اس کے متعلق غایت یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی
جمعے را در اشکال می اندازد و از تقدّم و تاخر دالّ بتقدّم
خبر زینا لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے دال کا تقدّم و تاخر مدلول کے تقدّم
و تاخر مدلول می برد و لا اشکال زیرا کہ ماضی و استقبال
و تاخر کی طرف لے جاتا ہے اور یہ کوئی اشکال نہیں کیونکہ ماضی اور مستقبل

شیخ الاسلام شیخ ابوالحسن رفاعی قدس سرہ العزیز کی روحانی پرواز

حضرت شیخ اپنی روحانی طیر اور باطنی سیر کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے
ہیں صعّدت فی فوقانیات الی سبع مائة الف عرش فقیل لی ارجع
لا وصول لك الی العرش الذی عرج الیہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم یعنی ایک مرتبہ میں نے فوقانیات میں سات لاکھ عرش کی طرف پرواز کی تو مجھے
کہا گیا واپس لوٹ جاؤ تم اس عرش تک نہیں پہنچ سکتے کہ جہاں تک شب معراج حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تھے۔ (نبراس ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ)

سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز کی روحانی معراج

حضرت شیخ بسطامی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ
ابتدائے احوال میں وحدانیت کی طرف سیر کی تو میں نے دیکھا کہ میرے باطن کو آسمان
پر لے گئے اور اس نے رستہ میں کسی چیز کی طرف نگاہ نہ کی، بہشت و دوزخ اسے
دکھائے گئے تو بھی اس نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی اور جب مجھے کائنات عالم

از صفات مخصوصه دوال ست کہ باعتبار انبساط آن آن دلالت کرنے والوں کی مخصوص صفات ہیں جو اس آن کے انبساط کے اعتبار پیدا شدہ است و در مرتبه مدلول چون آن آن بحال سے پیدا ہوئی ہیں اور مدلول کے مرتبہ میں جب وہ آن اپنے حال خودست و ہیچ انبساطے پیدا نہ کردہ است ماضی و پر ہے اور کسی قسم کا انبساط پیدا نہیں کیا ہے تو ماضی اور اور حجابات سے آگے لے گئے تو

فصرت طیرا جسمه من الاحدية و جناحه من الديمة فلم ازل الطیر فی هواء الهویة حتی الی هواء التنزیه ثم اشرفت علی میدان الازلیة ورأیت شجر الاحدیة فنظرت فعلمت ان هذا کله حد غیره یعنی میں ایک پرندہ ہو گیا جس کا جسم احدیت سے تھا اور اس کے پر دیومیت (قدم) سے، میں تنزیہ کی ہوا میں اڑتا رہا حتی کہ میں ازلیت کے میدان میں جا پہنچا اور میں نے احدیت کے شجر کو دیکھا جب میں نے اسے بنظر غائر دیکھا تو مجھے علم ہوا کہ وہ سب کچھ اس کا غیر ہے یعنی سب کچھ میں ہی تھا۔ گفتم بار خدا یا با منی مرا بتوراه نیست و از خودی خود مارا گذر نہ مارا چه باید کردن فرمان آمد کہ یابا یزید خلاص تو از توئی تو اندر متابعت دوست ما بسته است دیدہ را بخاک قدم وی اکتحال کن و بر متابعت وی مداومت کن یعنی میں نے عرض کیا بار خدا یا! جب تک میری انا موجود ہے تیری طرف رستہ ملنا محال ہے میں اپنی انا (خودی) سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟ تو حکم ہوا کہ ”اے بایزید انا سے رستگاری

استقبال را گنجائش نیست ارباب معقول گفته اند کہ مستقبل کی گنجائش نہیں ہے۔ ارباب معقول کہتے ہیں کہ ماہیت واحدہ را باعتبار وجود خارجی لوازم علیحدہ ماہیت واحدہ کے خارجی وجود کے اعتبار سے لوازمات الگ ہیں است و باعتبار وجود ذہنی صفات جدا ہر گاہ در شئی اور وجود ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا جب ایک شئی میں ہمارے دوست (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے وابستہ ہے ان کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا اور ان کی اتباع میں استقامت گزریں ہو جا۔ (ماخوذ از کشف المحجوب ۲۶۰)

کلام..... حقیقی صفت ہے

صفت کلام، اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے جس کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

کلام بسیط ہے جو ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ ناطق ہے۔ اگر ”امر“ ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے..... اور اگر ”نہی“ ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے..... اور اگر خبر ہے تو بھی وہیں سے ماخوذ ہے..... اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے..... اگر تمنی یا ترجی ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے..... تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس ”کلام بسیط“ کا ایک ورق ہیں..... اگر ”توریت“ ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے..... اور ”انجیل“ ہے تو اس نے بھی وہیں سے صورت لفظی حاصل کی ہے..... اور اگر ”زبور“ ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے..... اور اگر ”فرقان“ ہے

واحد تباین صفات و لوازم باعتبار تغایر وجود و ہویت
 صفات و لوازمات کا تباین ، وجود و ہویت کے تغایر کے اعتبار سے
 جائز باشد در دال و مدلول کہ فی الحقیقت از یک دیگر
 جائز ہوا تو دال اور مدلول جو در حقیقت ایک دوسرے سے
 جدا اند بطریق اولیٰ مجوز باشد و آنکہ گفتہ شد کہ از
 جدا ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے
 تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔

واللہ کلام حق کہ علی الحق یکے ست و بس

پس در نزول مختلف آثار آمدہ

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۶۶ دفتر اول)

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ العزیز اس کے متعلق یوں
 رقمطراز ہیں:

کلام الہی کے مسئلہ میں اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا
 مذہب یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی بسیط حقیقی کلام کے
 ساتھ متکلم ہے، تکثر اور تفصیل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ حضرات فرماتے
 ہیں کہ اسی ایک بسیط کلمہ سے امر و نہی پیدا ہوئے ہیں اور اسی ایک کلمہ بسیط سے
 استفہام، تمنی، ترجی، اخبار، وعید اور وعدہ صادر ہوا ہے اور یہ وہی کلمہ بسیط
 ہے کہ جس نے فرقان اور تورات کا نام پایا ہے اور زبور و انجیل کے ساتھ تفصیل اختیار
 کی ہے۔

اس مقام میں ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ عنہ کا ایک منفرد

ازل تا ابد آن واحد ست از تنگی عبارت است و الا آن
 ابد تک آن واحد ہے عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی
 نیز آنجا گنجایش ندارد آن ہم در رنگ زمان اینجا ثقیل
 وہاں گنجایش نہیں رکھتا۔ وہ (آن واحد) بھی زمانے کی مانند یہاں
 است باید دانست ممکن کہ در مقامات قرب الہی
 گراں ہے۔ جاننا چاہئے جو ممکن ہو قرب الہی

قول اور تحقیق کے بعد ایک تدقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام الہی جل شانہ میں اجمال و عدم
 تجزی کے باوجود تفصیل بھی ثابت ہے اور وسعت و تمیز بھی موجود ہے۔ وہ بسیط ہونے
 کے باوجود امر، نہی سے ممتاز اور اخبار، انشاء سے جدا ہے جیسا کہ ہم مرتبہ ذات تعالیٰ
 میں اجمال کے باوجود تفصیل و وسعت کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ وسعت و تفصیل بھی
 صفات کمال میں سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے: واللہ واسع علیم۔
 جاننا چاہئے کہ ہم اس مرتبہ عالیہ میں جس اجمال و تفصیل کا اثبات کرتے ہیں، یہ
 وہ اجمال و تفصیل نہیں ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے اور ہم اس کا اور اک کر لیں کیونکہ
 اس سے ٹکڑے اور اجزاء ہونا لازم آتا ہے تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا
 بلکہ یہ اجمال و تفصیل بھی ذات و صفات کی طرح بیچون و بیچگون ہے ہے عرفت ربی
 بجمع الاضداد اور یہ معرفت اگرچہ طریقہ عقل کے ماوراء ہے لیکن صحیح کشف اور
 صریح الہام سے اس کی تائید ہو چکی ہے اور جس تمیز کی علمائے کرام نے نفی کی ہے، یہ وہ
 تمیز ہے جو کہ چون و چند کی قسم سے ہے کہ یہ بسیط ہونے کے منافی ہے۔

چونکہ اس بارگاہ میں لفظ اجمال و وحدت کو لفظ تفصیل و کثرت کے مقابلہ میں

جل سلطانہ پا از دائرہ امکان بیرون می نهد ازل وابد را
 جل سلطانہ کے مقامات میں امکان سے باہر قدم رکھتا ہے ازل اور ابد کو
 متحد می یابد حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ الہ
 متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت خاتمیت آپ پر اور آپ کی آل پر
 الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ درشب معراج درمقامات عروج
 درود و سلام و تحیت ہوں نے شب معراج عروجی مقامات میں

زیادہ مناسبت ہے اس لئے کہ تفصیل و کثرت کا لفظ ٹکڑے اور اجزاء ہونے کا وہم پیدا
 کرتا ہے اسی لئے (بزرگوں نے) اس بلند بارگاہ پر اطلاق کیلئے لفظ اجمال و وحدت کو
 اختیار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس اجمال و تفصیل سے جو کہ ہماری سمجھ میں آتی
 ہے منزہ و مبراہے اور اگر ہم بے چون و حدت و وسعت کے الفاظ اختیار کریں تو
 دونوں ثابت ہیں فافہم ولا تکن من القاصرین (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۶۷ دفتر اول)

کلام کی دو قسمیں

متکلمین کے نزدیک کلام حق کی دو قسمیں ہیں:

۲..... کلام نفسی

۱..... کلام لفظی

ان کے نزدیک کلام لفظی حادث ہے اور دال ہے کلام نفسی پر جو کہ قدیم اور اس کا
 مدلول ہے۔ نیز کلام لفظی سے مراد وہ کلام ہے جو حروف و اصوات مرتبہ سے مرکب ہے۔
 اس کلام کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبت کی مانند نہیں جو کلام کو متکلم کے ساتھ ہوتی
 ہے بلکہ اس نسبت کی طرح ہے جو مخلوق کو خالق کے ساتھ ہوتی ہے۔ لہذا کلام کی دونوں

یونس را در بطن ماسی یافت و طوفان حضرت نوح موجود
 حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور طوفان نوح موجود تھا
 بود علیہم الصلوٰۃ والسلام و اہل بہشت را در بہشت
 ان پر درود و سلام ہوں۔ جنتیوں کو بہشت میں دیکھا
 دید و دوزخیاں را در دوزخ و بعد از پانصد سال کہ نصف
 اور دوزخیوں کو دوزخ میں اور پانچ سو سال بعد جو آدھا دن ہے

قسمیں حقیقت میں کلام حق جل و علا ہیں۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)
 کلام حق مشترک ہے کلام نفسی اور کلام لفظی کے درمیان، جس کو بلا واسطہ کسی امر
 کے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ایجاد فرماتا ہے۔ لہذا کلام لفظی بھی حقیقت میں کلام حق جل
 و علا ہوا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ فافہم فان هذا التحقيق ينفك في
 كثير من المواضع والله سبحانه الموفق (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲)
 کلام نفسی سے مراد کلام بسیط اور صفت قدیم ہے جو حروف و اصوات سے پاک
 ہے امر و نہی اور اخبار و غیرہ کی طرف تقسیم نہیں ہوتا اور اس کا تعلق ماضی، حال اور
 استقبال کے ساتھ تعلقات اور اضافات کی بناء پر ہوتا ہے جیسے کہ علم، قدرت اور تمام
 صفات۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

جیسا کہ علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق وهي صفة قديمة منافية
 للسكوت والافه ليست من جنس الحروف والاصوات لا تختلف
 الى الامر والنهي والاخبار ولا تتعلق بالماضي والحال والاستقبال
 الا بحسب العلاقات والاضافات كالعلم والقدرة (التوضيح والتلويح ۷۲)

یوم ست از زمان دخول بہشت عبد الرحمن بن عوف
 دخول بہشت کے زمانہ سے حضرت عبد الرحمن بن عوف جو
 کہ از اغنیائے صحابہ است علیہم الرضوان در بہشت
 دولت مند صحابہ علیہم الرضوان میں سے ہیں بہشت میں
 درآمد و حضرت پیغمبر از دیر آمدن او پرسیدند او از
 آئے تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دیر سے آنے کی وجہ دریافت

نیز حضرت مولانا امجد علی اعظمی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

اس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے
 تلاوت کرتے اور مصاحف میں لکھتے ہیں اسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا
 پڑھنا، لکھنا اور یہ آواز حادث یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم.....
 اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم ہمارا سننا حادث ہے..... اور جو ہم نے سنا قدیم،
 ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم..... یعنی متجلی قدیم ہے اور تجلی
 حادث۔ (بہار شریعت حصہ اول)

کلام اللہ کے چار مراتب

بعض ارباب کشف نے کلام اللہ کے چار مرتبے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مرتبہ: کلام لفظی، انہوں نے اس مرتبے کو بھی کلام اللہ ہی کہا ہے۔

دوسرا مرتبہ: صفة الکلام، یہ بھی کلام اللہ ہے۔

تیسرا مرتبہ: شان الکلام، یہ بھی کلام اللہ ہی ہے۔

چوتھا مرتبہ: شان الکلام سے بھی بلند مرتبہ ہے اور اس کو مرتبہ ذات میں اللہ کلام

عقبات خود خبر داد این ہمہ در رنگ آن مشہود
 فرمائی انہوں نے اپنے دشوار گزار رستوں کی خبر دی اور یہ سب کچھ آن
 گشت ماضی و استقبال را گنجائش نبود و این حقیر را نیز
 واحد کے انداز میں مشہود ہوا ماضی اور مستقبل کی گنجائش نہ تھی۔ اس حقیر پر بھی
 در بعضے از اوقات بصدقہ حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
 بعض اوقات حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے صدقے میں
 سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کلام اللہ کے سات بطون

بعض اہل باطن نے کلام اللہ کے سات مرتبے بیان فرمائے ہیں اور اپنے اس
 کشف کی بنیاد ایک حدیث مبارکہ پر رکھی ہے اور وہ یہ ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انزل القرآن علی سبعة احرف
 (مسند احمد ۲/۳۳۲) یعنی قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔
 ❁ قراء کے نزدیک سات حروف سے مراد سات قراءتیں ہیں۔
 ❁ اہل ظاہر کے نزدیک سات حروف سے مراد سات معانی ہیں۔
 ❁ اہل باطن کے نزدیک سات حروف سے مراد سات بطون (مرتبے) ہیں۔
 جیسا کہ حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی قدس سرہ نے حضرت شیخ آدم بنوری قدس
 سرہ کی تحقیق کے مطابق صراحت فرمائی ہے۔
 چنانچہ اسی مکتوب کے تحت ”فائدہ“ کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

بدانکہ کلام حضرت قرآن را ہفت مرتبہ است ، سہ

این حالت پیدا شدہ بود ملائک را در عین سجود یافت
یہ حالت ظاہر ہوئی تھی کہ فرشتوں کو عین سجدہ میں پایا کہ وہ
کہ بحضرت آدم می کردند و ہنوز سر از سجدہ نہ برداشتہ
حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے ابھی تک انہوں نے سجدہ سے سر نہیں
بودند وملائک علیین را ازین ساجدان جدا دید کہ
اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے جدا دیکھا کہ

مراتب وجوبی وچہار مراتب امکانی سہ مراتب این ست
وجود کلام، نور کلام وظہور کلام برمتکلم چہار مراتب
امکانی اول نفس مدعا کہ حرف و صوت را اگرچہ نورانی
باشند گنجائش نیست دوم حرف و صوت نورانی کہ بہرہ ازان
بہ جبرائیل علیہ السلام شدہ چنانچہ مقرر است ان جبرائیل
سمع صوتاً (الی آخرہ) این دوسر تہہ اگرچہ مخلوق اند اما تصرف
ہیچ مخلوقی را درین گنجائش نیست سیوم مرتبہ حرف
و صوت جسمانی چنانچہ بیان حضرت جبرائیل علیہ السلام بہ
کلام ملکی کہ غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع نہ داشت
چہارم حرف و صوت جسمانی چنانچہ بیان حضرت علیہ
السلام بر صحابہ کرام باضافہ عام (مجموعۃ الاسرار مکتوب ۷۰)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کے کلام کے سات مرتبے ہیں، تین مرتبے
وجوبی اور چار مرتبے امکانی۔ پہلے تین مراتب یہ ہیں۔

اول..... وجود کلام

بسجدہ مامور نگشتہ اند و در مشہود خود مستہلک و
 جنہیں سجدہ کا حکم نہیں ہوا تھا اور وہ اپنے مشہود میں گم اور
 مستغرق اند و احوالے کہ در آخرت موعود اند درہمان
 مستغرق تھے اور جن احوال کا آخر میں وعدہ کیا گیا ہے
 آن مشہود گشتند و چون مدتے برین واقعہ گذشتہ بود
 اسی آن میں مشہود ہوئے چونکہ اس واقعہ کو گذرے ایک عرصہ ہو گیا ہے

دوم..... نور کلام

سوم..... ظہور کلام متکلم پر

چار امکانی مرتبے یہ ہیں:

اول: نفس مدعا کہ جہاں حرف و آواز اگرچہ نورانی ہوں گنجائش نہیں رکھتے۔

دوم: حرف و آواز نورانی جس سے حضرت جبرائیل کو حصہ ملا چنانچہ کہا گیا کہ جبرائیل
 نے ایک آواز سنی..... الخ۔

سوم: حرف و آواز جسمانی جیسا کہ حضرت جبرائیل کا فرشتوں کی زبان میں بات کرنا
 جس کی سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو کوئی اطلاع نہ تھی۔

چہارم: حرف و آواز جسمانی جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرات صحابہ کرام رضی
 اللہ عنہم اجمعین سے بیان کرنا۔

کلام کی تقسیم و بیان مراتب کی توجیہ

کلام کی تقسیم لفظی اور نفسی کی طرف سلف سے ثابت نہیں یہ متاخرین کی ایجاد ہے

اور اس کا مقصد معتزلہ کو لا جواب اور خاموش کرنا تھا۔ مذہب حق یہی ہے کہ اللہ

تفصیل احوال آخرت نہ کرد کہ برحافظہ خود اعتماد
 آخرت کے احوال کی تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ اپنے حافظہ پر میں اعتماد
 نہداشت لیکن باید فہمید کہ این حالت مرجسد پیغمبر
 نہیں رکھتا لیکن سمجھنا چاہئے کہ یہ حال حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے
 و روح ایشان را شدہ بود و مشہود بصر و بصیرت و
 جسم اور ان کی روح پر طاری ہوا تھا اور بصارت اور بصیرت کا

تعالیٰ کے کلام ازلی میں تعدد و تکثر و تغیر نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا ”یک
 کلام بسیط است کہ از ازل تا ابد بہمان یک کلام گوئیاست“
 (دفتر اول مکتوب ۲۶۶) لہذا کلام کی تقسیم اور مراتب کا بیان تعلقات و اضافات کی جہت
 سے ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (الہیات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

تعریف قرآن

علمائے محققین نے قرآن کی تعریف میں فرمایا:

هو العلم اللدنی الاجمالی الجامع للحقائق کلہا یعنی قرآن علم
 لدنی اجمالی ہے جو تمام حقائق کا جامع ہے۔ (کتاب التعریفات ۷۵)

قرآن تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے

قرآن کلام اللہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔
 چونکہ ذات کی ہر شان اور ہر صفت تمام شیونات و صفات کو متضمن ہے اگر ایسا نہ ہو تو
 نقص لازم آئے گا۔ و تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ اسی بناء پر صفت الکلام

دیگران را کہ طفیلی اند اگر این حالت بطریق تبعیت
مشہود تھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں اگر یہ حالت بطریق تبعیت انہیں
دست دہد متصور بر روح است و مخصوص بہ بصیرت
دے دیں تو روح تک محدود اور بصیرت سے مخصوص رہتی ہے

صفات ثمانیہ کی جامع ہے اور شان الکلام شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے۔ حضرت امام
ربانی قدس سرہ نے اسی مفہوم کو ثابت فرمانے کے لئے قرآن کو شان الکلام اور صفۃ
الکلام کے تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع قرار دیا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک حقیقت قرآن ”مبداء وسعت
بے چون حضرت ذات“ (دفتر سوم مکتوب ۷۷) کا نام ہے بفحوائے آیت قرآنی
ان اللہ واسع علیم۔ (البقرہ ۱۱۵)

بعض صوفیاء کے نزدیک قرآن ”ذات محض بہ حیثیت احدیت“
کا نام ہے جس میں جملہ صفات بلا امتیاز مخفی ہیں اور قرآن کے دفعتاً واحد آسمان دنیا
کی طرف نازل ہونے میں اسماء و صفات کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

بر مصحف روئے او نظر کن

خزرو غزل و کتاب تاکے

(الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

مرتبہ حقیقت قرآن مرتبہ نور سے بھی بالاتر ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

این مرتبہ مقدسہ کہ آن را حقیقت قرآن مجید گفته ایم

در قافله کہ اوست دانم نرسم

جس قافلہ میں وہ ہے میں جانتا ہوں نہ پہنچ سکوں گا

ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

یہی کافی ہے کہ مجھے دور سے جس کی آواز آتی ہے

علیہ و علیٰ الہ الصلوٰت و التسلیمات اتمہا و اکملہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوٰت و تسلیمات ہوں۔

اطلاق نور نیز درین مرتبہ گنجائش ندارد و در رنگ سائر کمالات ذاتیہ نور نیز در راہ ماندہ آنجا غیر از وسعت بے چون و امتیاز بے چگون ہیچ چیز را گنجائش نمی یابد و کریمہ قد جاء کم من اللہ نور اگر مراد از نور قرآن بود تواند بود کہ باعتبار انزال و تنزل باشد چنانچہ کلمہ قد جاء کم ایمائے بان دارد (دفتر سوم مکتوب ۷۷) اس مرتبہ مقدسہ میں جس کو ہم ”حقیقت قرآن مجید“ کہتے ہیں، نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے تمام کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ وہاں وسعت بے چون اور امتیاز بے چگون کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہیں آیت کریمہ قد جاء کم من اللہ نور (المائدہ ۱۵) (بیشک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ممکن ہے کہ انزال و تنزل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ کلمہ قد جاء کم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آیت مذکورہ میں اکثر مفسرین کے نزدیک نور سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ بعض نے نور سے مراد قرآن مجید بھی لیا ہے لیکن یہ دوسری مراد بطریق تاویل و مجاز درست ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اشارہ

فرمادیا ہے کہ اگر یہاں نور سے مراد قرآن بھی لیا جائے تو انزال اور تنزل کے اعتبار سے ہی ممکن ہے، باعتبار نفس ذات کے قرآن مجید پر نور کا اطلاق درست نہیں کیونکہ نور کا ایک مرتبہ مخلوق میں ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال
(البینات ج ۱ مکتوب ۴)

حقیقت محمدیہ حقیقت قرآن کا ظل ہے

قرآن دائرہ اصل سے ہے اور یہ ذات کا ایک مرتبہ ہے اور بعض صوفیاء کے نزدیک مرتبہ ذات میں اللہ کلام بھی صادق آتا ہے جبکہ حقیقت محمدیہ شیون کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ مرتبہ ذات اصل ہے اور مرتبہء شان ظل ہے لہذا حقیقت قرآن یہ اصل ہے اور حقیقت محمدیہ اس کا ظل ہے۔ (البینات ج ۱ مکتوب ۴)

قرآن غیر مخلوق ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق فمن قال غیر هذا فقد کفر (السنن الکبریٰ ۱۰/۲۰۵)
ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے جس نے اس کو مخلوق کہا اس نے کفر کیا۔
علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی، غیر مخلوق اور صفت قدیمہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما نے خلق قرآن کے مسئلے میں چھ ماہ تک آپس میں بحث و مذاکرہ کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ فرمایا کہ قرآن کو مخلوق و حادث کہنے والا کافر ہو جاتا ہے (دفتر سوم مکتوب ۸۹) اور اسی پر امت کا اجماع ثابت ہے۔ (البینات ج ۱ مکتوب ۴)

◎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ

جب کوئی سالک روحانی طیر اور باطنی سیر کے دوران عروجی منازل طے کرتا ہو دائرہ امکان سے خارج و باہر ہوتا ہے تو وہاں ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے جہاں ماضی کے واقعات، موجودہ حالات اور مستقبل کے حادثات کو ملاحظہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بعض اوقات قبل از وقت ہی پیش آمدہ حالات و واقعات کی اطلاع دے دیا کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دائرہ امکان، ازل اور ابد کی تعریفات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم معارف میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

دائرہ امکان

یہ وہ دائرہ ہے جو جمیع کائنات اور جملہ ممکنات کو محیط ہے اسے دائرہ ظلیت بھی کہا جاتا ہے۔ تحت الثریٰ سے لے کر عرش کے زیریں حصہ کو عالم خلق اور ممکنات کہا جاتا ہے جبکہ عرش کے بالائی حصہ سے عالم بالا کو دائرہ اصل کہا جاتا ہے جہاں ازل و ابد متحد ہوتے ہیں۔ سات آسمانوں کے اوپر جنت کے چھت کو عرش کہتے ہیں اور عرش عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے دائرہ ظلیت سے اوپر دائرہ وجود ہے۔

ازل کی تعریف

ازل، ابد کے مقابل میں ہے کہ جس کی اول اور ابتداء نہ ہو۔ فاضل اجل علامہ شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ازل کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

الازل هو استمرار الوجود فی ازمنة مقدرة غیر متناہیة فی جانب الماضی یعنی ماضی کی طرف پوشیدہ غیر متناہی زمانوں میں استمرار وجود کو ازل کہا جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۷)

ابد کی تعریفات تلاش

فاضل اجل علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تین تعریفات تحریر فرمائی ہیں
(الابد) هو الشئى الذى لانهاية له يعنى ابدوه شئى ہے جس کی انتہاء نہ ہو۔

(الابد) مدة لايتوهم انتهاؤها بالفكر والتامل البتہ يعنى ابداس
مدت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی انتہاء فکر و تامل سے ہرگز وہم میں نہ آسکے

(الابد) هو استمرار الوجود فى ازمنة مقدرة غير متناهية فى
جانب المستقبل يعنى مستقبل کی جانب مخفی غیر متناہی زمانوں میں استمرار وجود کو ابد
کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات ۲)

ازلیت اور ابدیت کے مجموعہ کو سرمدیت کہا جاتا ہے۔

◎..... یہاں سجدہ کی تعریف و اقسام اور غیرے خدا کیلئے سجدہ کی ممانعت کی قدرے
تفصیلات ہدیہء قارئین ہیں۔

سجدہ کا لغوی معنی غماية التذلل (انتہائی ذلت و عاجزی) ہے۔ اس کا شرعی
مفہوم ہے و وضع الجبهة على الارض (پیشانی کا زمین پر رکھنا)
علمائے کرام نے سجدہ کی دو قسمیں فرمائی ہیں:

۱..... سجدہ عبادت ۲..... سجدہ تحیت

سجدہ عبادت: یہ حضرت حق جل جلالہ کے لئے خاص ہے۔ غیر خدا کیلئے سجدہ عبادت
یقیناً اجماعاً شرک مہین اور کفر مبین ہے۔ یہ سجدہ تمام سابقہ مذاہب و ملل میں بھی غیر خدا
کیلئے کبھی جائز نہ ہوا..... اسے سجدہ تعبدی بھی کہتے ہیں۔ (کافی کتب العقائد)

سجدہ تحیت: (جو صرف تعظیم و احترام کے لئے ہے) یہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن
ہماری شریعت میں سخت حرام و گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس کی ممانعت پر احادیث متواترہ
وارد ہوئی ہیں..... اسے سجدہ تعظیسی بھی کہا جاتا ہے۔ (کافی التفسیر العزیزی)

اسی طرح علماء و مشائخ و مزارات اولیاء کیلئے سجدہ کرنا قطعاً حرام و ناجائز ہے اگرچہ اس میں تعظیم و تحیت ہی مقصود ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ! یہ کیا ہے؟۔

عرض کیا میں نے ملک شام میں نصاریٰ کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تفعلوا فاني لو كنت امرأ احدنا ان يسجد لغير الله تعالى لامرت المرأة ان تسجد لزوجها
یعنی مجھے سجدہ نہ کرواگر میں غیر خدا کیلئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ (ابن ماجہ ۱۳۴)

سجدہ تحیت کو شرک قرار دینا ادعائے باطل ہے۔ فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا (البقرہ ۳۴) اس امر کے ثبوت کیلئے دلیل کافی ہے کہ سجدہ تعظیمی شرک نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کسی مخلوق کو اپنا شریک بنانے کا حکم دینا محال قطعی ہے اور ملائکہ کرام و انبیائے عظام علیہم السلام کی شان کے بھی منافی ہے کہ وہ ایک آن کیلئے بھی غیر اللہ کو اس کا شریک بنائیں یا جائز ٹھہرائیں۔

(مزید تفصیلات کیلئے البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۲۹ ملاحظہ فرمائیں)

مِنهَا - ۴۱

تکوین یکرے از صفات حقیقیہ واجب الوجود است
تکوین واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقی صفات میں سے
تعالیٰ و تقدس اشاعرہ تکوین را از صفات اضافیہ میدانند
ایک ہے۔ اشاعرہ تکوین کو صفات اضافیہ میں سے جانتے ہیں

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صفت تکوین اور اس کی
تفصیلات بیان فرما رہے ہیں

علمائے متکلمین ماتریدیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک حق تعالیٰ کی صفات
ذاتیہ حقیقیہ کمالیہ ثمانیہ میں سے صفت تکوین ایک ازلی اور قدیم صفت ہے جو آیہ کریمہ
کن فیکون سے ماخوذ ہے۔ تکوین باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا ماضی اور مضارع
کوّن یکوّن (بتشدید واؤ) آتا ہے۔ صفت تکوین کو علمائے متکلمین اہلسنت نے
فعل (بفتح فاء) بھی کہا ہے۔

..... حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تکوین کے متعلق رقمطراز ہیں:

یفسر باخراج المعدوم من العدم الی الوجود یعنی تکوین کا معنی کسی
معدوم شئی کو عدم سے وجود میں لانا ہے۔ (شرح عقائد نسفی) اگر صفت تکوین (ایجاد کرنا)
کا تعلق رزق سے ہو تو اسے ترزیق کہا جاتا ہے..... اگر تکوین کا تعلق صورت سے ہو تو
اسے تصویر کہا جاتا ہے..... اگر تکوین کا تعلق حیات کے ساتھ ہو تو اسے احیاء کہا جاتا ہے

اور اگر تکوین کا تعلق موت سے ہو تو اسے امانت کہتے ہیں۔

..... حضرت امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ صفت تکوین کے متعلق اہلسنت کے عقیدہ کی

وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: لَهْ مَعْنَى الرَّبُوبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوبٍ وَمَعْنَى

الْخَالِقِ وَلَا مَخْلُوقٍ يَعْنِي حَقَّ تَعَالَى كِي صِفَتِ رَبُوبِيَّةِ اس وقت بھی تھی جب کوئی

پروردہ نہ تھا اور وہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق تھا جب کوئی مخلوق نہ تھی۔ (عقیدۃ الطحاوی)

..... حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوئی صوفی رحمۃ اللہ علیہ اس موقف کے متعلق یوں

ارقام پذیر ہیں:

وقد كان الله تعالى خالقاً في الازل ولم يخلق الخلق يعني مخلوق

نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ ازل میں بھی خالق تھا۔ (فقہ اکبر ۲۹)

..... حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ صفت تکوین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

والفاعل هو الله تعالى والفعل صفة في الازل والمفعول مخلوق

وفعل الله تعالى غير مخلوق یعنی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فعل اس تعالیٰ کی صفت

ازلی ہے مفعول مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا فعل غیر مخلوق ہے۔ (فقہ اکبر ۲۳)

..... حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فعل اور مفعول کے درمیان مغایرت بیان

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لان الفعل يغائر المفعول بالضرورة كالضرب مع المضروب

والعقل مع المعقول یعنی فعل اور مفعول میں مغایرت ہوتی ہے جیسے ضرب،

مضروب کے اور عقل، معقول کے مغایر ہیں۔ (شرح عقائد نسفی)

..... قدوة المتكلمين حضرت علامہ ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق تصریح

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قال اهل السنة والجماعة التكوين فعل المكون (بکسر واو)

والمكُون (بفتح واو) تاثیر التكوين والتكوين غير المكُون یعنی علمائے اہلسنت وجماعت (ماترید یہ) فرماتے ہیں کہ صفت تکوین، مکون کا فعل ہے اور مکون، صفت تکوین کی تاثیر ہے اور صفت تکوین، مکون کا غیر ہے۔ (التمہید ۵۳ مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور)

..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر صفت تکوین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

تکوین، قدرت کے علاوہ ایک صفت ہے کیونکہ صفت قدرت میں صحت فعل اور ترک فعل دونوں جائز ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے نیز قدرت، صفت ارادہ پر تقدم رکھتی ہے اور تکوین، ارادہ کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندہ کی استطاعت کے مشابہ ہے جسے علمائے اہل حق (اہل سنت) فعل بندہ کے ساتھ مقرون و متصل قرار دیتے ہیں اور اسے صفت قدرت اور صفت ارادہ سے وراء جانتے ہیں کیونکہ قدرت، فعل اور ترک فعل دونوں کی تصحیح کرنے والی ہے اور صفت ارادہ ایک طرف کو ترجیح دیتی ہے اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر صفت قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین (فعل اور ترک فعل) کی تصحیح کرنے والی ہے تو حق تعالیٰ پر ایجاب (واجب ہونا) لازم آتا ہے اور اگر صفت تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد غیر مستند (بے سہارا) ہو جاتی ہے کیونکہ قدرت مصحح ایجاد ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے۔ لہذا اثبات تکوین کے بغیر چارہ نہیں جس کی طرف علمائے ماترید یہ کو ہدایت حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت و تعلق کو بیش تر اشیاء سے پایا تو اسے صفات اضافیہ سے شمار کر لیا واللہ یحق الحق وهو یهدی السبیل تخلیق، تزیق، احیاء، امانت اور ان کی مثل صفات کو تکوین کی طرف راجح کرنا بہتر ہے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۲۶)

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۳)

وقدرت و ارادت را در ایجاد عالم کافی می انگارند اما
 اور قدرت و ارادہ کو ایجاد عالم کے لئے کافی خیال کرتے ہیں لیکن
 حق آنست کہ تکوین صفت حقیقیہ علیحدہ است ماورائے
 حق یہ ہے کہ تکوین علاوہ قدرت اور ارادہ کے ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے
 قدرت و ارادت بیانش آنکہ قدرت بمعنی صحت فعل
 بیان اس کا یہ ہے کہ قدرت بمعنی فعل اور ترک
 و ترک ست و ارادت تخصیص یکے ازیں دو طرف
 کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کی دونوں طرفوں فعل اور
 قدرت ست کہ فعل و ترک باشد پس رتبہ قدرت
 ترک میں سے ایک کی تخصیص کرنا ہے پس قدرت کا مرتبہ

۲ صفت قدرت

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ کمالیہ ثمانیہ میں سے ایک حقیقی صفت ہے
 جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ان اللہ علی کل
 شئی قدير سے عیاں ہے اور کوئی شئی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ وہ تعالیٰ ایسا قادر
 مطلق ہے کہ جس معدوم ممکن کو چاہے موجود کر دے اور جس موجود حادث کو چاہے
 معدوم فرمادے جیسا کہ آیہ کریمہ قل هو قادر (انعام ۹۵) سے واضح ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی نے آیہ کریمہ ان اللہ علی کل شئی قدير کی تفسیر
 کرتے ہوئے قدرت کا معنی یوں بیان فرمایا ہے:

التمکن من ایجاد الشئی یعنی کسی شئی کے ایجاد پر کنٹرول (قابو) اور قوت

مقدم شد بر رتبه ارادت و تکوینے کہ ما اورا
 ارادہ کے مرتبہ سے مقدم ہے اور تکوین جسے ہم صفات
 از صفات حقیقیہ میدانیم رتبه اوبعد از رتبه قدرت
 حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں اس کا مرتبہ قدرت اور
 و ارادت ست کار آن صفت ایجاب آن طرف
 ارادہ کے بعد ہے۔ اس صفت کا کام اس مخصوص کردہ
 رکھنا قدرت کہلاتا ہے۔

علمائے اہلسنت نے قدرت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

قدرت تخلیقی اور قدرت کسبی

قدرت تخلیقی حق تعالیٰ سے خاص ہے اور آ یہ کریمہ ان اللہ علی کل شئی
 قدیر میں قدرت تخلیقی مراد ہے۔

..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صفت قدرت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ قادر مختار ہے، ایجاب کے شائبے اور اضطرار کے گمان سے منزہ و مبرا
 ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں سمجھ کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے
 اثبات ایجاب کیا ہے..... حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کی (بعض)
 عبارات بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلاسفہ کے ساتھ
 موافقت رکھتی ہیں کہ صحت ترک قادر (حق تعالیٰ) سے تجویز نہیں کرتے اور جانب فعل
 کو لازم جانتے ہیں۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

..... نیز ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر صفات زائد سے ہیں۔ قدرت، حق

تعالیٰ کیلئے ایجاد عالم کی صحت (درست ہونا) اور ایجاد عالم کے ترک کی صحت سے عبارت ہے۔ پس ایجاد اور ترک ایجاد میں سے کوئی چیز بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم نہیں ہے تمام اہل مذاہب اسی پر متفق ہیں۔ (معارف لدنیہ معرفت ۱۹)

..... حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے اس ارشاد گرامی ”میں حق تعالیٰ سبحانہ کو صاحب ارادہ و مختار جانتا ہوں“ میں حکماء و فلاسفہ کی تردید ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کو مجبور اور بے اختیار جانتے ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کو جلانے اور غرق کرنے میں بے اختیار جانتے ہیں۔

آپ کے اس ارشاد میں کہ

”یقینی طور پر قدرت کے معنی صحت فعل و ترک فعل تصور کرتا ہوں“ یہ اہل کلام اور فلاسفہ کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی قدرت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک ایجاد اور دوسرے عدم ایجاد اور یہ دونوں باتیں ممکن اور جائز ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے قدرت کو صحت فعل اور ترک فعل سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تقدیر پر اشیاء کی ایجاد اور ان کی عدم ایجاد میں سے کوئی چیز حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہے اہل ملل و شرائع نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے معنی میں ان شاء فعل و ان لم یشاء لم یفعل مع استحالة شرطیہ ثانیہ کے یعنی اگر وہ چاہے گا تو کرے گا اور اگر نہ چاہے گا تو نہیں کرے گا لیکن نہ چاہنا ممتنع و محال ہے پس اس سے نہ کرنے کا ممتنع ہونا بھی لازم آئے گا پس ایجاد عالم کو چاہنا اور موجود کرنا دونوں واجب ہوئے اور اختیار نہ رہا..... فلاسفہ اسی کے قائل ہیں۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۸)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ بندوں کی ذوات و اعمال (خیر و شر) کا خالق حق تعالیٰ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ واللہ خلقکم و ما تعملون (صافات ۹۶) سے عیاں ہے اور ان کی ذوات و اعمال حق تعالیٰ کی مقدرات اور اس کے زیر قدرت ہیں۔ بندوں کے

افعال قبیحہ کے تحت قدرت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان افعال ناپسندیدہ کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے اور عیوب و نقائص (ظلم، کذب، جہل، عجز، شریک باری تعالیٰ) سے بھی متصف ہو سکتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کمال قدرت کے باوجود سبوحیت و قدوسیت کے ساتھ بھی متصف ہے جیسا کہ آیات کریمہ سبحان ربك رب العزت الخ اور الملك القدوس (حشر ۲۳) سے عیاں ہے۔

علاوہ ازیں ذات تعالیٰ کے ساتھ حوادث کا قیام ممتنع و محال ہے کیونکہ جمیع مستحیلات عقلیہ کے ساتھ قدرت متعلق نہیں ہوتی وہ تو ممکنات کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ کہ واجب اور ممتنع (محال) کے ساتھ کیونکہ ممتنع اور واجب خارج از قدرت ہیں جیسا کہ حضرت علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شرح العقائد میں تحریر فرمایا ہے

فالممتنع والواجب خارجان عن القدرة (ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں یوں رقمطراز ہیں:

قوله تعالى فلن يخلف الله عهده يدل على انه سبحانه منزه عن الكذب في وعده ووعيدہ قال اصحابنا لان الكذب صفة نقص والنقص على الله تعالى محال یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی فلن يخلف الله وعده دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ اللہ سبحانہ اپنے ہر وعدہ و وعید میں کذب (جھوٹ) سے منزہ ہے۔ ہمارے اصحاب (اہلسنت وجماعت) نے فرمایا ہے کہ کذب نقص کی صفت ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

جناب قدس خداوندی جل سلطانہ از جمیع صفات نقص و سمات قصور منزہ و سیرا باید دانست یعنی جناب باری تعالیٰ جل سلطانہ کو

تمام صفاتِ نقص اور قصور کی علامات سے منزہ و مبرا جانا چاہئے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۶۴)

آپ ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

وایضاً خلف درو عید در رنگ خلف درو عده مستلزم کذب است ناشایان آنحضرت جل سلطانہ یعنی خلف و عید بھی خلف و عده کی مانند مستلزم کذب واجب تعالیٰ ہے جو اس تعالیٰ جل سلطانہ کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔

(مکتوبات شریفہ)

مذکورہ بالا تصریحات سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ عیوب و نقائص اپنی خست و دناءت کی بنا پر یہ صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ وہ حق تعالیٰ کی مشیت و قدرت و ارادہ کے متعلق ہو سکیں۔

قدرت کسی

یہ قدرت بندوں کے ساتھ خاص ہے قدرت تخلیقی کی بناء پر حق تعالیٰ سبحانہ خالق اور قدرت کسی کی بناء پر بندہ، کا سب لہلاتا ہے۔

واضح رہے کہ بندوں کی قدرت و ارادہ دونوں حق تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور بندہ کی قدرت کسی کی نسبت خیر و شر دونوں کی طرف برابر ہے۔ یہ معاملہ ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ نے قدرت شر ہی کو اس میں تخلیق فرمایا ہو اور قدرت خیر کو تخلیق نہ فرمایا ہو کہ وہ فعل شر پر مجبور ہو گیا ہو یہی حال ارادہ مخلوق کا ہے کہ خیر و شر کے معلوم ہو جانے کے بعد وہ خیر و شر دونوں سے کسی جہت کو ترجیح دے سکتا ہے۔ پس بندہ شرعاً شر کو شر جانتے ہوئے بھی شر کو ہی اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی نسبت قدرت خیر و شر دونوں کی طرف مساوی تھی یوں ہی بندہ کے لئے صحیح تھا کہ وہ حسب ارادہ مقدورین میں سے دوسرے کی بجائے

کسی ایک کی تخصیص کر لیتا۔ قدرت کسی اور ارادہ مخلوق کے لحاظ سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے بندوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ وما ظلمهم اللہ ولكن كانوا انفسهم يظلمون سے واضح ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۳۴ وغیرہا)

صفت ارادہ

یہ بھی حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کمالیہ ثمانیہ حقیقیہ میں سے ایک صفت ہے۔ ارادہ اور مشیت دونوں ایک ہی صفت کے نام ہیں۔ آیات کریمہ فعال لما یرید اور وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ صفت ارادہ اور صفت مشیت پر دال ہیں۔
حضرت علامہ ابوالشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ ارادہ و مشیت کے متعلق علمائے اہلسنت و جماعت کا عقیدہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

علمائے اہل سنت و جماعت ارشاد فرماتے ہیں کہ خیر و شر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر، مشیت و ارادہ اور علم و حکم سے ہوتے ہیں اور خیر و طاعت اللہ تعالیٰ کے امر و رضا سے ہوتے ہیں جبکہ شر و معصیت میں اللہ تعالیٰ کا امر و رضا نہیں ہوتی، اس پر دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے تو ہم نے ایک آواز سنی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ کثیر تعداد میں لوگ تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہاری آوازیں بلند کیوں ہوئیں؟۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے کہ ہمارا ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا ہے میں کہتا ہوں کہ خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حضرت عمر (رضی

اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ خیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے درمیان ایسے ہی فیصلہ کریں گے جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کے درمیان فیصلہ کیا تھا اے عمر! سیدنا جبرائیل کا موقف تمہارے والا تھا..... اور اے ابوبکر سیدنا میکائیل کا قول تیرے قول کی مانند تھا۔ سیدنا جبرائیل نے کہا کہ ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا ہے اور اہل زمین بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں حتیٰ کہ سیدنا اسرافیل کو ان دونوں نے اپنا حکم (ثالث) بنا لیا تو انہوں (اسرافیل علیہ السلام) نے لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضا کے مطابق دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) انہوں نے فیصلہ تیرے قول کے مطابق کیا تھا..... اے عمر (رضی اللہ عنہ) تیرے موقف کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تھا..... اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے تبت الی اللہ میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (التمہید ۵۰)

حضرت علامہ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشیت کے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

مشیت محبت اور مشیت غیر محبت

مشیت محبت طاعت و ایمان میں ہوتی ہے اور مشیت غیر محبت کفر و عصیان میں

ہوتی ہے۔ (عقائد تورپشتی ۵۶ مطبوعہ مکتبہ الحقیقہ استنبول ترکی)

علمائے محققین اہل سنت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں ارادہ کی دو قسمیں بیان

فرمائی گئی ہیں۔

ارادہ قدریہ کونیہ خلقیہ اور ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ

ارادہ قدر یہ کونہ خلقیہ

یہ مشیت (ارادہ) جمیع حوادث (موجودات) کو شامل ہے جیسا کہ آیہ کریمہ
فمن یرد اللہ ان یردہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یردان یضلہ یجعل
صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء (الانعام ۲۶) سے واضح ہے۔

ارادہ دینیہ امر یہ شرعیہ

اس ارادہ میں حق تعالیٰ کی محبت و رضا متضمن ہوتی ہے جیسا کہ آیات کریمہ
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ ۱۸۵) اور انما یرید اللہ
لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیراً (احزاب ۳۳) سے
عیاں ہے۔ (شرح فقہ اکبر لعلی قاری رحمہ اللہ الباری ۲۰)
(مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۶۷..... مکتوبات معصومیہ
دفتر دوم مکتوب ۸۳)

مخصص ست پس قدرت مصحح فعل ست
 جہت کو ایجاد کرنا ہے۔ پس قدرت فعل کی تصحیح کرنے والی ہے
 و ارادت مخصص آن و تکوین موجد
 اور ارادہ اس فعل کی تخصیص کرنے والا ہے اور تکوین اسے ایجاد
 آن پس از تکوین چارہ نبود مثل آن مثل
 کرنے والی ہے۔ پس تکوین کو صفت مانے بغیر چارہ نہیں ہے اس کی مثال
 استطاعت مع الفعل ست کہ علمائے اہل سنت آن را
 استطاعت مع الفعل کی مانند ہے کہ علمائے اہل سنت اسے بندوں
 در عباد اثبات کردہ اند و شک نیست کہ این
 میں ثابت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ استطاعت
 استطاعت بعد از ثبوت قدرت است بلکہ بعد از
 ثبوت قدرت کے بعد ہے بلکہ تعلق ارادہ اور
 تعلق ارادت و تحقق ایجاد مربوط باین استطاعت
 تحقق ایجاد اسی استطاعت کے ساتھ مربوط

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
 صفت قدرت مصحح فعل ہے اور صفت ارادہ مخصص فعل ہے اور صفت
 تکوین اس فعل کی موجد ہے تاکہ ایجاد موجودات کا اثبات ہو۔ یہ مسئلہ، مسئلہ استطاعت
 مع الفعل کی مانند ہے کیونکہ استطاعت مع الفعل حقیقت قدرت ہے کہ فعل اسی کے

است بلکہ آن استطاعت موجب فعل ست و طرف
 ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی موجب ہے اور
 ترك آنجا مفقود ست و حال صفت تکوین
 ترک کی جہت وہاں مفقود ہے اور صفت تکوین کا حال
 ہمیں ست کہ ایجاد با او طریق ایجاب است
 بھی یہی ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے
 اما این ایجاب در واجب تعالیٰ ضرر نمیکند کہ
 لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو ضرر نہیں دے سکتا کیونکہ
 ثبوت آن بعد از تحقق قدرت ست کہ بمعنی صحت
 اس کا ثبوت تحقق قدرت کے بعد ہوتا ہے جبکہ (قدرت)
 فعل و ترک ست و بعد از تخصیص ارادت بخلاف
 کے معنی فعل اور ترک کی صحت ہے اور ارادہ کی تخصیص کے بعد (تکوین ہے)
 آنچہ حکمائے فلسفہ گفتہ اند و شرطیہ اولیٰ را واجب
 بخلاف اس کے جو حکمائے فلسفہ کہتے ہیں اور شرطیہ اولیٰ کو
 ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ امام العقائد حضرت علامہ ابو حفص عمر بن محمد نسفی قدس سرہ العزیز
 رقمطراز ہیں:

والاستطاعة مع الفعل وهي حقيقة القدرة التي يكون بها
 الفعل (عقائد نسفی) سے واضح ہے۔

الصدق گمان کرده اند و شرطیہ ثانیہ را ممتنع الصدق ونفی واجب الصدق خیال کرتے ہیں اور شرطیہ ثانیہ کو ممتنع الصدق اور ارادہ ارادت نمودہ اند صریح در ایجاب ست تعالیٰ اللہ سبحانہ کی نفی کرتے ہیں جو ایجاب صریح ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ عن ذالک علوا کبیرا و ایجابے کہ بعد از تعلق ارادت اس سے بہت برتر ہے اور وہ ایجاب جو تعلق ارادہ اور دو مقدوروں و تخصیص احد المقدورین پیدا شود و مستلزم اختیارست میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو وہ اختیار کو مستلزم ہے و سو کہد آن نہ نافی اختیار و کشف صاحب فتوحات نیز اور اس کی تاکید کرنیوالا ہے نہ کہ اختیار کی نفی کرنیوالا اور صاحب فتوحات کا کشف بھی موافق رائے حکما واقع شدہ است در قدرت شرطیہ حکما کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے کہ قدرت میں شرطیہ اولیٰ اولیٰ را واجب الصدق میداند و ثانی را ممتنع الصدق کو واجب الصدق جانتے ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق

حضرت امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ استطاعت کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الاستطاعة ضربان احدهما الاستطاعة التي يوجد بها الفعل
من نحو التوفيق الذي لا يجوز ان يوصف المخلوق به فهي مع

واین قول بایجاب است ارادت بیکارمی افتد کہ
 اور یہ کہنا ایجاب ہے جس سے ارادہ بے کار ہو جاتا ہے
 تخصیص احد المتساویین اینجا منتفی است و اگر
 کیونکہ متساویین میں سے ایک کی تخصیص یہاں منتفی ہے اور اگر

الفعل واما الاستطاعة التي من جهة الصحة والوسع والتمكن
 وسلامة الات فهي قبل الفعل هو كما قال الله تعالى لا يكلف الله
 نفساً الا وسعها (البقرہ ۲۶)

یعنی استطاعت کی دو قسمیں ہیں ان میں سے پہلی استطاعت یہ ہے کہ جس کے
 ساتھ فعل پایا جاتا ہے جواز قبیل توفیق ہے۔ اس قسم کی استطاعت کے ساتھ مخلوق کو
 موصوف کرنا جائز نہیں یہ استطاعت مع الفعل ہے۔

اور دوسری استطاعت، صحت، وسعت، طاقت اور سلامتی اعضاء و جوارح کے
 اعتبار سے ہے، یہ استطاعت قبل الفعل ہوتی ہے جیسا کہ آ یہ کریمہ لا يكلف الله
 نفساً الا وسعها سے واضح ہے۔

صاحب مذاہب الاسلام نے اس مفہوم کی یوں وضاحت فرمائی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو
 استطاعت کے دو معنی ہیں ایک قدرت حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود
 کر دینے کیلئے کافی ہوتی ہے دوسرے اسباب و آلات و اعضاء کی صحت و سلامتی کا نام
 ہے اور تکلیف شرعی کا مدار دوسری قسم کی استطاعت پر ہے اسی لئے بچہ اور مجنون ایمان
 کے ساتھ مکلف نہیں اور گونگا اقرار زبانی کے ساتھ مکلف نہیں اور مریض کھڑے ہو کر
 نماز پڑھنے کے واسطے مکلف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضاء صحیح و سالم نہیں اس لئے
 استطاعت ان میں مفقود ہے۔ (مذاہب الاسلام)

درتکوین این معنی را اثبات کنند گنجائش دارد کہ
تکوین میں اس معنی کو ثابت کریں تو گنجائش رکھتا ہے کیونکہ
از شائبہ ایجاب مبرا ست این فرق تدقیقی ست
وہ ایجاب کے شائبہ سے پاک ہے ۴ یہ فرق بہت باریک ہے
کہ بہ بیان آن کم کسی سبقت کردہ است علمائے ماتریدیہ
کہ اس کے بیان کی سبقت کم ہی کسی نے کی ہے علمائے ماتریدیہ
ہر چند این صفت را اثبات کردہ اند اما باین حدت
اگرچہ اس صفت کا اثبات کرتے ہیں لیکن تیزی نظر کے ساتھ
نظر پے نبرده اند اتباع سنت سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا
اس کے درپے نہیں ہوئے روشن سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ
الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ در میان سائر متکلمین ایشانرا باین
والسلام و التحیۃ کی اتباع نے ان کو تمام متکلمین کے درمیان
معرفت ممتاز ساختہ است و این حقیر از خوشہ چینان این
اس معرفت سے ممتاز کر دیا ہے اور یہ حقیر انہی اکابر کے خوشہ چینوں میں

۴ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
صفت تکوین کے متعلق علوم و حقائق اور معارف و دقائق جس مانع و جامع انداز کے
ساتھ ہم نے بیان فرمائے ہیں وہ کسی نے بھی بیان نہیں فرمائے۔ گو صفت تکوین کا
اثبات علمائے متکلمین ماتریدیہ نے ضرور فرمایا ہے لیکن وقت نظر اور باریک بینی کے

اکابرست ثبتنا اللہ سبحانہ علی معتقدا تہم الحقہ بحرہ سید
 سے ہے اللہ سبحانہ ہمیں ان کے معتقدات حقہ پر ثابت قدم رکھے
 المرسلین علیہ وعلی الہ الصلوٰت والتسلیمات اتمہما واکملہما
 سید المرسلین کے طفیل ان پر ان کی آل پر اتم اور اکمل صلوٰت وتسلیمات ہوں

ساتھ ہم نے اس کی تفصیلات اور اس پر ہونے والے اعتراضات و اشکالات کا مدلل
 جواب تحریر فرما دیا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

مِنهَا - ۲۲

رؤیت خداوند عزوجل در آخرت سرمومنان راحق است
 آخرت میں خداوند عز و جل کا دیدار مومنوں کے ساتھ خاص ہونا
 این مسئلہ است کہ غیر از اہل سنت و جماعت ہیچ
 حق ہے لے یہ کہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ اسلامی
 کس از فرق اسلامیین و حکمائے فلاسفہ بجواز آن قائل
 فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں
 نیست باعث انکار ایشان قیاس غائب است بر شاہد
 ہے ان کے انکار کا باعث غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے
 و آن فاسدست سرئی ہر گاہ بیچون و بیچگون باشد رؤیتے
 اور یہ فاسد ہے دکھائی دینے والی ہستی جب کہ بے چون و بے چگون ہوگی

لے زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رؤیت باری تعالیٰ جل
 سلطانہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی رؤیت و دیدار اگرچہ عالم دنیا
 میں ممکن ہے ورنہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام دیدار کا مطالبہ نہ کرتے جیسا کہ آیہ
 کریمہ رب ارنی سے عیاں ہے مگر چشم سر عالم دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار واقع نہیں ہے
 کیونکہ عالم دنیا اور چشم دنیا عدم سے تخلیق شدہ اور فنا پذیر ہونے کی بنا پر اس دولت قصویٰ

کہ باوتعلق گیرد نیز بے چون خواہد بود ایمان باو باید
جو دیدار اس کے متعلق ہو گا وہ بھی بے چون ہو گا اس پر ایمان لانا چاہئے
آورد و اشتغال بکیفیت اونباید کرد این سر را امروز
اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہئے اس راز کو آج
بر خواص اولیاء ظاہر ساختہ اند ہر چند رؤیت نیست
خواص اولیاء پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ دیدار (حق) نہیں ہے
امابے رؤیت نیست کانک تراہ فردا ہمہ مومنان حق
لیکن بے رؤیت بھی نہیں ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے کل تمام مومن حق
سبحانہ و تعالیٰ را خواہند دید بچشم سر اما ہیچ درک
سبحانہ و تعالیٰ کو بچشم سر دیکھیں گے لیکن انہیں کوئی ادراک نہیں
نخواہند کرد لا تدركہ الابصار دو چیز خواہند دریافت
ہو گا نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکیں گی۔ دو چیزیں دریافت
علم یقینی بآنکہ می بینند والتذاذ یکہ مترتب بر رؤیت
کرینگے علم یقینی کہ اسے دیکھ رہے ہیں اور لذت کہ جو رؤیت پر مترتب

کی استعداد و صلاحیت ہی نہیں رکھتے..... جبکہ عالم آخرت میں مومنین حیات ابدی اور
بقائے سرمدی سے سرفراز ہونگے فلہذا چشم آخرت، شیونات ذاتیہ کا اثر رکھے گی اس
لئے عالم آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ بھی بے چون ہی ہوگی البتہ چشم سراسکا ادراک
نہیں کر سکے گی جیسا کہ آیہ کریمہ لا تدركہ الابصار سے عیاں ہے۔ لیکن یہ امر

است غیر این دو چیز از لوازم رؤیت ہمہ مفقود مت ہوتی ہے سوائے ان دو چیزوں کے جتنے دیدار کے لوازمات ہیں ایسے مسئلہ از اغمض مسائل کلام است طور عقل در سب مفقود ہونگے یہ مسئلہ علم کلام کا سب سے دقیق مسئلہ ہے عقل کی اثبات و تصویر آن عاجز است متابعان انبیاء از علماء و رسائی اس کے ثابت کرنے اور صورت کشی سے عاجز ہے انبیائے کرام کی صوفیہ آن را بنور فراست کہ مقتبس از انوار نبوت ست متابعت کرنے والے علماء اور صوفیاء نے اسے نور فراست جو کہ انوار نبوت سے اقتباس دریافتہ اند وہمچنین مسائل دیگر از علم کلام کہ عقل شدہ ہے سے دریافت کیا ہے ایسے ہی علم کلام کے دوسرے مسائل کہ عقل مستحضر ہے کہ صالحین کو حق تعالیٰ کا دیدار محشر میں لطف و جلال کی صفت کے ساتھ بطور امتحان ہوگا اور جنت میں دیدار بطور انعام ہوگا۔

محدث کبیر حضرت علامہ علی قاری احراری قدس سرہ العزیز رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں

واللہ تعالیٰ یری فی الاخرة ویراہ المؤمنون وهم فی الجنة باعین رؤوسهم بلا تشبیہہ ولا کیفیة ولا کمیة ولا یکون بینہ و بین خلفہ مسافة (شرح فقہ اکبر ۸۳) یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مؤمنین سر کی آنکھوں کے ساتھ بغیر تشبیہہ و کیفیت و کمیت کے اسے جنت میں دیکھیں گے اور حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کوئی مسافت و فاصلہ نہیں ہوگا۔

(مزید تفصیلات سعادت العباد جلد اول منہا نمبر ۹ میں ملاحظہ ہوں)

در اثبات آنها عاجز و متحیر است علمائے اہل سنت را جس کے ثابت کرنے میں عاجز اور متحیر ہے علمائے اہل سنت کو نور فراست ست فقط و صوفیہ راہم نور فراست وہم صرف نور فراست ہے اور صوفیہ کو نور فراست بھی حاصل ہے اور کشف و شہود و فرق در میان کشف و فراست ہمچون کشف و شہود بھی۔ اور کشف و فراست کے در میان فرق وہی ہے جو بدیہی اور فرق در میان حدسیات و حسیات است فراست نظریات حیات کے در میان فرق ہے۔ فراست ، نظریات کو بدیہیات را حدسیات میسازد و کشف حسیات و مسائلے کہ اہل بنا دیتی ہے اور کشف ، حیات ۱ اور ایسے مسائل اہل سنت

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کشف اور فراست کے در میان امتیاز و فرق بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے حدسیات اور حیات میں فرق ہے ایسے ہی کشف اور فراست میں فرق ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز چونکہ ارباب علم و بصیرت اور اصحاب کشف و فراست میں سے ہیں اس لئے جن عقائد و نظریات کو اہل علم بذریعہ استدلال ثابت کرتے ہیں، آپ پر ان اشیاء کے حقائق و معارف بذریعہ الہام و فراست آشکارا ہو جاتے ہیں۔ یوں آپ کا کشف صحیح اور الہام صریح کتاب و سنت سے ثابت شدہ علوم و عقائد کی تائید و توثیق فرما دیتا ہے۔ والحمد لله على ذلك مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کشف اور فراست کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

سنت بآنها قائل اند ومخالفان ایشان کہ التزام طور
 جن کے قائل ہیں اور ان کے مخالفین طریقہ عقل کا التزام
 عقل نموده اند از آنها منکراند ہمہ ازاں قبیل اند کہ
 کرتے ہیں ان (مسائل) کے منکر ہیں سب اسی قبیل سے ہیں
 بنور فراست معلوم گشتہ اند وبکشف صحیح مشہود
 جو نور فراست سے معلوم ہوئے ہیں اور کشف صحیح سے مشہود

فاضل اجل حضرت علامہ سید شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کشف کی
 تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

الكشف: في اللغة رفع الحجاب وفي الاصطلاح هو الاطلاع
 على ما وراء الحجاب من المعاني الغيبية والامور الحقيقية وجوداً
 وشهوداً یعنی لغت عرب میں کشف کا معنی حجاب کا اٹھنا اور اصطلاح میں ماورائے
 حجاب معانی غیبیہ اور امور حقیقیہ پر وجوداً اور شہوداً آگاہ ہونے کو کشف کہا جاتا ہے۔

(کتاب التعریفات ۸۰)

کشف ایسا نور ہے کہ جس کی بدولت عرفائے کاملین پر حقائق اشیاء منکشف ہوتی
 ہے جن کے ذریعے وہ غلط و صحیح اور حق و باطل کے درمیان فرق محسوس کرنے لگتے ہیں۔
 قرآن مجید میں اسے فرقان فرمایا گیا ہے جس کا حصول تقویٰ پر منحصر ہے جیسا کہ آیہ کریمہ
 یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ يجعل لکم فرقاناً (انفال ۲۹) سے واضح ہے۔

الفراست

حضرت شیخ جرجانی قدس سرہ العزیز فراست کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

فی اصطلاح اہل الحقیقہ ہی مکاشفہ الیقین و معاینۃ الغیب یعنی اہل حقیقت کی اصطلاح میں یقین کے مکاشفہ اور غیب کے معاینہ کو فراست کہا جاتا ہے۔

(کتاب التعریفات ۷۱)

اصطلاح فراست، کتاب و سنت سے ماخوذ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله سے واضح ہے۔ اہل فراست کو قرآن مجید میں متوسمین کہا گیا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ہے..... ان ذالك لآيات للمتوسمين (الحجر ۷۵) (قال رسول صلى الله عليه وسلم انه قال للمتفرسين)

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری رحمۃ اللہ علیہ نے فراست کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

۱..... فراست ایمانیہ ۲..... فراست ریاضیہ ۳..... فراست خلقیہ

فراست ایمانیہ

اس کا سبب نور ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ جل سلطانہ بندۂ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ فراست قوت ایمان کے حساب سے ہوتی ہے جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنی ہی اس کی فراست تیز ہوگی۔

فراست ریاضیہ

یہ فراست فاقہ کشی، احیائے لیالی اور خلوت گزینی سے حاصل ہوتی ہے۔ جب نفس، خلاق کے عوائلق اور علاق سے مجرد ہو جاتا ہے تو اسے فراست نصیب ہوتی ہے اور کشف، نفس کے تجرد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ فراست مومن اور کافر کے درمیان مشترک ہوتی ہے جو نہ تو ایمان پر دلالت کرتی ہے اور نہ ہی ولایت پر۔

فراست خلقیہ

یہ فراست طبیعوں، کاہنوں اور دست شناسوں کے ہاں معروف و متعارف ہے جس سے وہ ظاہری شکل و شبہت کے ذریعے اخلاق و عادات کا اندازہ و قیاس لگا لیتے ہیں جیسے کسی شخص کے چھوٹے سر سے اس کی کم عقلی کا اندازہ لگا لیا جائے۔

(شرح فقہ اکبر ۸۰)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے فراست کی دو قسمیں تحریر فرمائی ہیں جو

بتغییر یسیر پیش خدمت ہیں

۱..... اہل معرفت کی فراست ۲..... اہل ریاضت کی فراست

اہل معرفت کی فراست

اس فراست کا تعلق حق تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ ہے۔ اسی معرفت کی بدولت اہل اللہ سالکین کی باطنی استعداد بھانپ لیتے اور حریم قدس جل سلطانہ کے واصلین کو پہچان لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے محض ان کی حمایت اور اپنی غیرت کی وجہ سے انہیں ماسوا سے جدا کر کے اپنے ساتھ مشغول کر لیا ہے تاکہ وہ ملاحظہ مخلوق سے محفوظ رہیں۔ اگر اس قسم کے عرفائے کاملین احوال مخلوقات کے درپے ہو جائیں تو ان سے بارگاہ قدس جل سلطانہ کی حضوری کی صلاحیت ختم ہو جائے۔

اہل ریاضت کی فراست

اس فراست کا تعلق کائنات کے ساتھ ہے جو مخلوقات کی شکلوں و صورتوں اور احوال و مغیبات کے کشف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس قسم کے لوگ محض ماسوی اللہ کے ساتھ مشغولیت پر ہی قانع ہیں اور عامۃ الناس کے نزدیک یہی کمال ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۹۲)

شده اگر در بیان آن مسائل ایضا حرم نموده آید مقصود
 ہوئے ہیں اگر ان مسائل کے بیان میں کوئی وضاحت کی جائے تو اس سے مقصود
 ازاں تصویر و تنبیہ است نہ اثبات آنہا بنظر و دلیل
 تصویر کشی اور تنبیہ ہے نہ کہ انکا اثبات غور و فکر و دلیل کے ساتھ
 چہ نظر عقل در اثبات و تصویر آنہا کو درست عجب از
 کیونکہ عقل کی غور و فکر ان کے اثبات اور تصویر کشی میں اندھی ہے۔ تعجب ہے
 علمائے کہ دریں مسائل خود را در مقام استدلال سے
 ان علماء پر جو ان مسائل میں خود کو مقام استدلال میں
 آرند و می خواہند کہ بدلائل اثبات کنند و بر مخالفان
 لاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دلائل کے ساتھ (مسائل کا) اثبات کریں^۳ اور مخالفین

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ان علماء پر اظہار تعجب فرما رہے ہیں جو
 عقائد قطعیہ کو مناظرانہ انداز میں بذریعہ استدلال ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے
 ہیں حالانکہ ان مسائل و عقائد کی تفہیم محض نور فراست اور کشف صحیح سے ہی ممکن ہے جو
 انوار مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور بندہ مومن کے ذمہ فقط ان مسائل و عقائد کی
 دعوت و تبلیغ ہی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ و ما علینا الا البلاغ المبین اور ارشاد نبوی علی
 صاحبہا الصلوات بلغوا عنی ولوایة سے واضح ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مناظرہ کے متعلق قدرے تفصیلات تحریر کر دی
 جائیں تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق
 فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی قدس سرہ العزیز مناظرہ کی تعریف

حجت تمام کنند این میسر نمی شود و با تمام نیز نمی
 پر حجت تمام کر دیں ایسا میسر نہیں ہو سکتا
 رسد مخالفان خیال می کنند کہ مسائل ایشان نیز
 مخالفین سمجھتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی ان کے
 دررنگ استدالات ایشان مزیف و ناتمام اند مثلاً علمائے
 استدالات کی طرح ضعیف اور نامکمل ہیں مثلاً علمائے

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں المناظرة لغة من النظر او من النظر بالبصيرة
 واصطلاحاً حاهى النظر بالبصيرة من الجانبين فى النسبة بين الشئین
 اظهار للصواب یعنی لغت میں مناظرہ یا تو ”نظیر“ سے مشتق ہے یا نظر بالبصیرہ سے
 ماخوذ ہے اور اصطلاح علماء میں اظهار حق و صواب کی خاطر دو دمقابل جانبین کا دو
 چیزوں کے مابین نسبت کے متعلق متوجہ ہونا مناظرہ کہلاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۲)
 کتاب و سنت کی روشنی میں علمائے کرام نے مناظرہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں
 مناظرہ مذموم اور مناظرہ محمود

حضرت علامہ فقیہہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جدل و
 مناظرہ اور باہمی علمی مقابلہ جو اظهار حق کیلئے نہ ہو یا اظهار حق کے لئے ہو اس میں اہل علم کا
 اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے مکروہ گردانتے ہیں جیسا کہ آیات کریمہ ماضرہ لک
 الاجدلابل ہم قوم خصمون (انہوں نے یہ بات آپ سے جھگڑے کے لئے کی یہ
 جھگڑا لوؤں کی قوم ہے۔ زخرف ۵۸) اور کان الانسان اکثر شئى جدلا (انسان
 اکثر باتوں میں جھگڑا لو ہے۔ کہف ۵۴) سے واضح ہے اسے ہی مناظرہ مذموم کہتے ہیں
 جبکہ بعض علماء کا موقف ہے کہ اظهار حق کے لئے مناظرہ جائز ہے جیسا کہ آیہ

اہل سنت استطاعت مع الفعل اثبات کردہ اند این
 اہل سنت استطاعت مع الفعل کا اثبات کرتے ہیں۔ یہ
 مسئلہ از مسائل حقہ است کہ بنور فراست و کشف
 مسئلہ حق مسائل میں سے ہے جو نور فراست اور کشف
 صحیح معلوم گشتہ است اما دلائل کہ بر اثبات او
 صحیح سے معلوم ہوا ہے لیکن دلائل جو اس کے اثبات پر لائے ہیں ضعیف
 آورده اند مزیف و ناتمام است اقوائے ادلہ ایشان
 اور ناتمام ہیں ان کی قوی ترین دلیل اس مسئلہ کے
 کریمہ و جادلہم بالتی ہی احسن سے عیاں ہے اسی کو مناظرہ محمود کہا گیا ہے۔

مناظرہ مذموم

اس مناظرہ میں مناظر، دوران جدل و بحث بسا اوقات ایسے نازیبا الفاظ و
 کلمات اپنی زبان سے صادر کر بیٹھتا ہے جو اسلاف و اخلاف کی شان میں دریدہ و ہنی
 اور بے ادبی پردال ہوتے ہیں بس یہی الفاظ حراماں نصیبی، قلبی موت اور شقاوت کا
 موجب ہوتے ہیں نیز اس قسم کا مناظر، حسد و حقد، باہمی عداوت و کدورت، عجب و خود
 پسندی اور تکبر و ریا کاری وغیرہ ایسی متعدد اخلاقی و روحانی امراض کا شکار ہو جاتا ہے جو
 خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے جس کا ازالہ کسی شیخ کامل و مکمل کے
 روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس قسم کے مناظرہ کے
 مضرات و آفات و مہلکات کا اندازہ درج ذیل فرمودات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰات
 و التسلیمات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

برائبات آن مسئلہ عدم بقائے اعراض است در دو زمان
اثبات میں دو زمانوں کے اندر اعراض کا عدم بقا ہے
چہ اگر عرض باقی باشد لازم آید قیام عرض بعرض و آن
کیونکہ اگر عرض باقی ہو تو لازم آئے گا عرض کا عرض کے
محال ست و چوں ایس دلیل را مخالفان مزیف و ناتمام
ساتھ قیام اور یہ محال ہے اور جب اس دلیل کو مخالفین نے ضعیف اور
دانستہ اند یقین کردہ اند کہ آن مسئلہ نیز ناتمام است
ادھورا جانا تو ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مسئلہ بھی ادھورا ہے وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ الالد الخصم یعنی حق تعالیٰ کے نزدیک
بدترین مخلوق وہ شخص ہے جو بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ (مسند امام احمد ۶/۵۵)
ایک مقام پر یوں ارشاد گرامی ہے:

انکم فی زمان الہتمم فیہ العمل و سیاتی قوم یلہمون الجدل
یعنی تم ایسے زمانے میں ہو جس میں تمہیں عمل کا الہام ہوا عنقریب ایسی قوم آئے گی کہ
جن کے دلوں میں جدل و مناظرے کا شوق ڈال دیا جائے گا۔ (احیاء العلوم جلد اول)
ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات ہے:

هلك المتنطعون هلك المتنطعون هلك المتنطعون یعنی جو لوگ
مناظرہ بازی میں زیادہ پڑ گئے وہ ہلاک ہو گئے۔ (مسلم ۲/۳۳۹)

ندانستہ اند کہ مقتدائے ایشان دریں مسئلہ و درامثال این
 نہیں جانتے کہ ان کا مقتداء اس مسئلہ میں اور اس قسم کی اور مثالوں
 مسئلہ نور فراست ست کہ مقتبس از انوار نبوت ست
 میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے مقتبس ہے لیکن
 اما این تقصیر ماست کہ حدسی و بدیہی رادر نظر
 یہ تصور ہمارا ہے کہ ہم حدسی اور بدیہی کو مخالفین کی نظر
 مخالفان نظری میسازیم و تکلفات دراثبات آن سی کوشیم
 میں نظری بناتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ان کے اثبات میں

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

دع المرء ولو كنت محق یعنی بخت و جھگڑا چھوڑ دو اگرچہ تم حق پر ہی
 کیوں نہ ہو۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لا یجد احدکم حقیقة الا یمان حتی یدع المرء وهو محق الا ان
 المرء یؤادی الی العداوة بین المسلمین حرام یعنی تم میں سے کوئی شخص بھی
 ایمان کی حقیقت نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ جھگڑا نہ چھوڑ دے کیونکہ جھگڑا مسلمانوں کے
 درمیان عداوت کو فروغ دیتا ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ترك المرء وهو مبطل بنی اللہ له بیتاً فی ربص الجنة ومن
 ترك المرء وهو محق بنی اللہ له بیتاً فی اعلیٰ یعنی جو شخص باطل کے لئے

غایۃ مافی الباب حدسی و بدیہی مابرمخالفان حجت
کوشش کرتے ہیں ماحصل اس کا یہ ہے کہ ہماری حدی اور بدیہی مخالفین
نیست گونباشد غیر از اعلام و تبلیغ برمالا زم نساختہ
پر حجت نہیں ہے تو نہ ہو ہم پر سوائے اطلاع دینے اور تبلیغ کرنے کے کچھ
اند، ہر کہ حسن نشائے مسلمانی دارد بے اختیار قبول
لازم نہیں کیا گیا جو شخص مسلمانی کی حسن عقیدت رکھتا ہے وہ بے اختیار قبول
خواہد کرد و ہر کہ بے نصیب ست غیر از انکار نخواہد
کرے گا اور جو شخص بے نصیب ہے سوائے انکار کے کوئی شی نہیں
افزود و در میان علمائے اہل سنت طریق اصحاب شیخ
بڑھے گی اور علمائے اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ

جھگڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے ایک کونے میں گھر بناتا ہے اور جو شخص
حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا نہیں کرتا اس کیلئے اللہ سب سے اوپر والی جنت میں
گھر بناتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۱/۱۳۱)

مناظرہ محمود

اس مناظرہ میں مناظر نہایت محتاط انداز میں بسلامتی ہوش و حواس مناظرہ کے
جملہ آداب و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محض اظہار حق کی خاطر اپنے مد مقابل سے
سنجیدہ طریقے سے گفتگو کرتا ہے اور اپنا موقف نہایت مؤثر انداز میں مد مقابل کے
قلب و نظر میں جاگزیں کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مد مقابل لا جواب اور مبہوت ہو کر

اس موقف کو ماننے پر مجبور ہو جائے۔

جیسا کہ انبیائے کرام اور علمائے راسخین نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی خاطر منکرین سے مناظرے و مجادلے کئے ہیں تاکہ سادہ لوح لوگ ان کے گمراہ کن عقائد و نظریات سے محفوظ ہو جائیں جیسا کہ آیہ کریمہ *السم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ سے عیاں ہے۔*

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے بھی ایک مجلس میں ابوالفضل اور فیضی جیسے فاسد نظریات کے حاملین کو مضبوط و مسکت دلائل دے کر لاجواب کر دیا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے *احیاء العلوم* جلد اول میں طلبِ حق کی خاطر مناظرہ کی آٹھ شرائط بیان فرمائی ہیں جو وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

الاسلام شيخ ابو منصور ماتريدى چه زيبا است كه
 ابو منصور ماتريدى كے اصحاب كا طريقه كتنا زيبا ہے گے كه وه
 اقتصار بر مقاصد فرموده اند و اعراض از تدقيقات فلسفيه
 مقاصد پر اقتصار فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریك بینیوں سے اعراض كرتے ہیں
 نموده طريق نظر و استدلال بطريق فلسفي در میان علمائے
 فلسفي انداز پر نظر و استدلال كا طريقه علمائے اهل سنت
 اهل سنت و جماعت از شيخ ابو الحسن اشعري ناشي
 و جماعت میں شيخ ابو الحسن اشعري سے شروع
 شده است و خواسته كه معتقدات اهل سنت را با
 هوا ہے اور چاہا كه اعتقادات اهل سنت كو فلسفي

گے یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ماتريديہ اور اشاعرہ كا تذكرہ فرما رہے
 ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے كه یہاں علم الكلام كى قدرے تفصيلات بيان كردى جائیں
 تاكه معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ وباللہ التوفيق
 دين اسلام ایک عالمگیر، پہلودار اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو بنيادی طور پر چار
 عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱..... عقائد و ایمانیات ۲..... اعمال و عبادات

۳..... معاشرت و معاملات ۴..... اخلاقیات و سیاسیات وغیرہا

ان چاروں عنوانات میں سے اول درجہ عقائد كا ہے۔ عقائد، عقیدہ كى جمع ہے
 اور عقیدہ، عقد سے مشتق ہے۔ عقد كا معنی ہے باندھنا اور گرہ لگانا یعنی چند بنيادی حقائق

کے متعلق یقین اور تصدیق قلبی کو اس طرح پختہ کرنا اور خیالات کو مستحکم و مضبوط بنانا جس طرح گرہ باندھی جاتی ہے اسی کا نام عقیدہ اور ایمان ہے۔ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد اسلامیہ کے مسائل کو فقہ اکبر اور علم الکلام کہا جاتا ہے اور فقہ کے مسائل احکام اجتہاد یہ کو فقہ اصغر کہا جاتا ہے۔

چونکہ دین اسلام ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک مذہب ہے اس لئے عقائد اسلامیہ میں بھی کسی قسم کی افراط و تفریط اور زیادتی و کمی نہیں پائی جاتی۔ اہل سنت و جماعت جو دین اسلام کی سب سے بڑی وحدت اور مسلمانوں کی واضح اکثریت کا نام ہے کے عقائد بھی ہر قسم کے افراط و تفریط اور حشو و زوائد سے پاک اور اعتدال پر ہیں کیونکہ اعتدال میں ہی خیریت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت خیر الامور اوسطہا ہے۔ صاحب نور الانوار رقمطراز ہیں فانہ متوسطۃ بین الجبر والقدر بین الرفض والخروج بین التشبیہ والتعطیل الذی فی غیرہا وعلی طریق سلوک جامع بین المحبۃ والعقل فلا یكون عشقا محضا مفضیا الی الجذب ولا عقلاً صرفاً موصلاً الی الالحاد والفلسفۃ نعوذ باللہ منہ یعنی بے شک عقائد اہل سنت، جبریہ اور قدریہ، رافضیہ اور خارجیہ، تشبیہ و تعطیل کے درمیان متوسط ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ ایسے ہی عقائد اہل سنت محبت اور عقل کے درمیان جامع ہیں جو نہ تو محض عشق ہی ہیں کہ انسان کو کیفیت جذب تک پہنچادیں اور نہ ہی صرف عقل پر انکا مدار ہے کہ جو انسان کو الالحاد و فلسفہ (کفر) تک پہنچادیں، ہم اس قسم کے فاسد عقائد سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

عقائد اسلامیہ کو علم عقائد اور علم کلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ علم، جمیع علوم کی اصل ہے۔ علم کلام وہ علم ہے جس کے حاصل کرنے سے بندہ مؤمن عقائد دینیہ، دلائل کے ذریعے اثبات کر کے اور مخالفین کے ایرادات و اعتراضات کے جوابات پر قادر

ہو جاتا ہے۔ جس طرح مسائل فرعیہ عملیہ میں اہل سنت و جماعت کے چار امام ہیں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اسی طرح اہلسنت میں علم الکلام کے تین امام ہیں۔

۱..... علم الہدیٰ امام ابو منصور ماتریدی

۲..... امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری

۳..... امام الحدیث امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم۔

حضرات مالکیہ اور شوافع، عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے پیروکار ہیں اس لئے انہیں اشعریہ یا اشاعرہ کہا جاتا ہے۔ حضرات حنبلیہ عقائد میں امام احمد بن حنبل کو اپنا راہنما تسلیم کرتے ہیں اس لئے انہیں حنابلہ کہا جاتا ہے فرقہ ظاہریہ اور جمہور اہل حدیث بھی عقائد میں اپنے آپ کو حنبلی کہلاتے ہیں (بغیۃ الراشد) جبکہ جمہور احناف عقائد و کلام میں شیخ الاسلام حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں اس لئے وہ اپنے آپ کو ماتریدی کہلاتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابو منصور ماتریدی کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد بن محمود حنفی ہے اور آپ کی کنیت ابو منصور ہے۔ آپ میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ انصاری لکھا جاتا ہے۔ آپ تین واسطوں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ ماوراء النہر کے علاقہ سمرقند کے ایک محلہ ماترید میں تیسری صدی ہجری کے نصف میں متولد ہوئے۔

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری اچواری قدس سرہ العزیز ایک حدیث پاک جس میں لفظ منصور مذکور ہے کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں وقیل المراد بہ ابو

منصور الماتریدی و هو امام الجلیل مشهور و علیہ مراد اصول الحنفیة فی العقائد (مرقات شرح مشکوٰۃ ۱۸۰/۱۰)

آپ نے فقہ حنفی اور علم الکلام کے حصول تعلیم کیلئے حضرت علامہ نصر بن یحییٰ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔

حضرت علامہ ابوزہرہ مصری مرحوم آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:

”ہماری رائے ہے کہ جن جوہری مسائل میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ان میں ماتریدیہ کا نقطہ نگاہ عقل و نقل کا حسین مرکب نظر آتا ہے۔“

یہی علامہ مصری تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے مخلص دوست علامہ کوثری مرحوم اشارات المرام کے مقدمہ میں یوں لکھتے ہیں

”بلاد ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلا شرکت غیرے حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات کا سکہ جاری تھا۔ احادیث و آثار کا یہ سلسلہ سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہتا آ نکہ ماوراء النہر کے امام السنۃ ابو منصور ماتریدی جن کو امام الہدیٰ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، وہ منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل و دلائل کی تحقیق و تدقیق کی نذر کر دیا اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل و مذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (اسلامی مذاہب)

آپ علوم ظاہریہ اور معارف باطنیہ کے بہت بڑے ماہر تھے جن موضوعات کے درس و مطالعہ میں منہمک رہ چکے تھے ان میں آپ نے اکیس سے زائد بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے کتاب تاویل القرآن، کتاب ماخذ الشرائع، کتاب المقالات فی الکلام، کتاب التوحید، کتاب فی اصول الدین کے علاوہ آپ نے فرق ضالہ معتزلہ، روافض اور قرامطہ وغیرہا کی تردید میں کتابیں تحریر فرمائیں جن میں کتاب التوحید اور تاویلات اہل سنت جلد اول ہی شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔

علمائے ماترید یہ حنفیہ میں آپ کا مقام و مرتبہ وہی ہے جو شوافع میں امام باقلانی کا ہے۔ حضرت علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمات دینیہ کے پیش نظر آپ کو حامی سنت، ماحی بدعت اور محی شریعت جیسے القابات سے نوازا ہے جیسا کہ آپ کی کنیت ابو منصور اس امر پر دال ہے۔ آپ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہوئے ہیں آپ کا وصال مبارک ۳۳۳ھ میں سمرقند میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون

باستدلال فلسفی تمام سازد و این دشوار است و دلیر
استدلال کے ذریعے مکمل کر دیں ۵ اور یہ دشوار ہے اور دلیر بنانا ہے
ساختن است مرمخالفان را بر طعن اکابر دین و گذاشتن
مخالفین کو اکابر دین پر طعن کے لئے اور چھوڑنا ہے
است طریق سلف را ثبتنا اللہ سبحانہ علی متابعتہ اراء اهل
طریق سلف کو اللہ سبحانہ ہمیں ثابت قدم رکھے اہل حق کی آراء کی متابعت پر
الحق المقتبسة من انوار النبوة علی صاحبها الصلوات والتسليمات
جو انوار نبوت سے مقتبس ہیں صاحب نبوت پر اتم اور اکمل
اتمها و اکملها.

صلوات و تسلیمات ہوں۔

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز علمائے اشعریہ کے فلسفیانہ نظرو
استدلال پر نقد و نظر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ
علمائے اشعریہ نے اہل سنت و جماعت کے عقائد کو (جو کتاب و سنت سے ماخوذ
ہیں) فلسفیانہ استدلال سے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے منکرین اور معترضین نے ان
کے فلسفیانہ استدلال کو علوم فلاسفہ کے ذریعے ہی توڑنا شروع کر دیا جس سے کتاب
و سنت سے اخذ شدہ اعتقادات از خود اس زد میں آ گئے۔ مزید برآں مخالفین نے
اکابر دین پر بھی زبان طعن و ملامت دراز کرنا شروع کر دی جنہوں نے نور فراست کی
بنا پر ان عقائد کو کتاب و سنت سے مستنبط و مستخرج فرمایا تھا۔ یوں اسلاف کرام پر حرف
گیری اور تنقید سے ان کے متعلق عقیدت و احترام کے جذبات مجروح ہوتے چلے گئے

جس کی وجہ سے ان پر سے مسلمانوں کا اعتقاد اٹھتا گیا۔ یوں ان علمائے راہنہ اور اکابر دین سے مسلمانوں کے برگشتہ ہونے کا دروازہ کھلتا گیا یہاں تک کہ مادر پدر آزاد لوگوں کی طرح ہر کسی نے اپنے عقائد و نظریات فاسدہ کا مبنی، کتاب و سنت کو قرار دے لیا..... یوں لوگ اسلاف کرام سے بد اعتقادی کی بناء پر بد عقیدہ اور گمراہ ہوتے چلے گئے اور مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے جبکہ علمائے ماترید یہ نے صرف مقاصد کو بیان فرمایا ہے فلسفیانہ باریک بینیوں اور علمی مویشگافیوں میں نہیں الجھے، اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک علمائے ماترید یہ کا موقف ہی اسلم ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن اشعری کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں اور اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے، آپ ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ کو بصرہ میں متولد ہوئے۔

آپ ابوعلی جبائی معتزلی کے شاگردوں میں سے ہیں، مذہب اعتزال میں نہایت متعصب تھے چالیس سال تک فرقہ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے مقتداء مانے گئے۔ ایک مرتبہ اپنے استاد ابوعلی جبائی کے ساتھ مباحثہ ہوا جس میں آپ نے اپنے استاد کو لاجواب اور مبہوت کر دیا اور فرقہ معتزلہ کو خیر باد کہہ کر معتزلہ کی تردید و ابطال میں مشغول ہو گئے۔ بعدہ فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا یوں آپ گروہ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد قرار پائے اور تقریباً تین سو کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کے ماننے والوں میں امام باقلانی، امام جوینی، امام اسفرائینی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم کا نام سرفہرست ہے مگر عنانہ ابو زہرہ مصری مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت امام غزالی، شیخ

ابوالحسن اشعری یا شیخ ابو منصور ماتریدی کے مقلد نہ تھے بلکہ آپ کی حیثیت ایک بالغ نظر اور حریت فکر و نظر سے بہرہ ور محقق کی ہے..... امام اشعری کے اکثر تبعین نے امام غزالی کو کفر و زندقہ سے متہم کیا ہے جیسا کہ امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ بین الاسلام و الزندقہ میں اس کی تغلیط و تردید فرمائی گئی ہے۔ (اسلامی مذاہب)

آپ ۳۲۴ھ کو بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مِنَهَا - ۴۳

بحکم کریمہ واما بنعمۃ ربک فحدث اظہار این نعمت
بمصدق آیہ کریمہ و اما بنعمۃ ربک فحدث اس نعمت عظمیٰ
عظمیٰ سی نماید کہ این فقیر را یقینے نسبت بمعقادات
کا اظہار کرتا ہوں کہ اس فقیر کو یقین اعتقادات کلامیہ کے متعلق
کلامیہ کہ بر وفق آرائے اہل حق یعنی اہل سنت و
جو اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت کی آراء کے

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز بطور تحدیث نعمت اس بات کا
اظہار فرما رہے ہیں کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراز مجتہد ان
علم کلامی (مکتوبات شریفہ جلد اول مکتوب ۲۶۶) کے مصداق مجھے علم کلام کا مجتہد بنایا
گیا ہے، تب سے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے معقادات کے متعلق مجھے وجود
آفتاب سے بھی بڑھ کر یقین محکم حاصل ہو گیا ہے کیونکہ وجود آفتاب کا احساس، جو اس
خمسہ ظاہرہ کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ عین الیقین کا ادراک و احساس الہام صریح سے ہوتا
ہے۔ جو اس خمسہ کے حاصل کردہ علوم میں التباس ممکن ہے جبکہ الہام صریح اور کشف صحیح
ہر قسم کے اختلاط و التباس سے پاک ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الہام کے
متعلق قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم منہا میں سہولت ہو سکے۔ وباللہ التوفیق
محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ علم

جماعت واقع شدہ اند بر نہجے حصول پیوستہ است کہ موافق واقع ہوئے ہیں ایسی نہج پر حاصل ہوا ہے کہ در جنب آن یقین یقینے کہ نسبت باجلائے بدیہیات اس یقینی یقین کے مقابلہ میں جو واضح تر حاصل است حکم ظنیات بلکہ وہمیات دارد مثلاً بدیہیات کے متعلق حاصل ہے ، ظنیات بلکہ وہمیات کا حکم رکھتا ہے

بندۂ مومن کے قلب میں ایسے نور کو کہا جاتا ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد و مقتبس ہوتا ہے۔ در حقیقت یہ علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات و صفات و افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کی وساطت سے حاصل ہو تو کسی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو اسے علم لدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مرقات علی مشکوٰۃ ۱/۲۶۳)

علم لدنی کی اقسام ثلاثہ

علم لدنی کی تین قسمیں ہیں

۱..... وحی

۲..... الہام

۳..... فراست

وحی

شارح بخاری حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ وحی کی تعریف کرتے

ہوئے رقمطراز ہیں

وفی اصطلاح الشریعة ہو کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیائہ

یعنی اصطلاح شریعت میں وحی کلام اللہ کو کہا جاتا ہے جو انبیائے کرام میں سے کسی نبی

چوں موازنہ می کنم یقینے را کہ نسبت بہر یکے از مسائل
مثلاً جب میں موازنہ کرتا ہوں یقین کا جو مجھے کلام کے
کلام حاصل ست با یقینے کہ نسبت بوجود آفتاب دارم
مسائل میں سے ہر مسئلہ کی نسبت حاصل ہے اس یقین کے ساتھ جو میں
حیف می آید کہ یقین ثانی را نسبت بہ یقین اول اطلاق
وجود آفتاب کی نسبت رکھتا ہوں افسوس ہوتا ہے کہ یقین ثانی پر یقین اول

پر نازل ہوتی ہے علیہم الصلوٰات۔ (عمدة القاری ۱/۱۳)

الہام

علامہ ملا علی قاری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ الہام کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں
الالہام لغة الابلاغ وهو علم حق يقذفه الله من الغيب في
قلوب عباده یعنی لغت میں الہام کا معنی ابلاغ (پہنچانا) ہے اور الہام وہ علم حق ہے
جس کو اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے بندوں کے قلوب میں القاء فرماتا ہے۔ (مرقات ۱/۲۶۳)
..... قدوة المتكلمين حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ الہام کی تعریف کرتے
ہوئے رقمطراز ہیں:

والالہام المفسر بالقاء معنی فی القلب بطریق فیض یعنی
بطریق فیض (بلا اکتساب واستفاضہ) قلب میں القائے معنی کو الہام کہا جاتا ہے۔

(شرح عقائد ۲۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

..... ایک مقام پر علامہ تفتازانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں:

الالہام ما وقع فی القلب من علم وهو يدعو الى العمل من غیر

یقین نمودہ آید ارباب عقول این معنی را قبول کنند یا نہ
 کی نسبت یقین کا اطلاق کیا جائے ارباب عقول اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں
 بلکہ البتہ قبول نہ کنند کہ این مبحث و رائے طور نظر عقل
 بلکہ ہرگز قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ مبحث عقل کے انداز
 ست عقل ظاہر بین را جز انکار ازین مقام نصیبے نیست
 نظر سے وراء ہے عقل ظاہر بین کو اس مقام سے سوائے انکار کے کوئی حصہ
 حقیقت این معاملہ آنست کہ یقین کار قلب ست و یقینے
 نہیں ہے۔ حقیقت اس معاملہ کی یہ ہے کہ یقین قلب کا کام ہے اور وہ یقین جو

استدلال بایة ولا نظر فی حجة و هولیس بحجة عند العلماء الا عند
 الصوفیین یعنی الہام وہ علم ہے جو قلب میں واقع ہوتا ہے اور کسی عمل (کام) کے
 کرنے کا محرک ہوتا ہے جو نہ تو کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حجت
 (دلیل) سے۔ الہام علماء کرام کے نزدیک حجت نہیں البتہ صوفیائے عظام کے ہاں
 حجت ہوتا ہے۔ (شرح عقائد)

فراست

فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فراست کی
 تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

الفراست فی اللغة التثبت والنظر وفی اصطلاح اهل الحقیقة
 ہی مکاشفۃ الیقین و معاینۃ الغیب یعنی لغت میں فراست، تثبت اور نظر کو
 کہا جاتا ہے جبکہ اہل حقیقت کی اصطلاح میں یقین کے انکشاف اور غیب کے معائنہ

کہ قلب را مثلاً بوجود آفتاب حاصل میگردد بتوسط حواس
 قلب کو مثلاً وجود آفتاب کی بابت حاصل ہوتا ہے حواس کی
 ست کہ حکم جو اسیس دارند و یقینے کہ بیکے از
 وساطت سے ہے جو جاسوسوں کا حکم رکھتے ہیں اور وہ یقین جو مسائل
 مسائل کلامیہ قلب را حاصل شدہ است بے توسط احدی
 کلامیہ کے کسی ایک مسئلہ کی بابت قلب کو حاصل ہوا ہے
 است کہ بطریق الہام از حضرت وہاب جل و علا بے
 بغیر کسی کی وساطت کے ہے جو حضرت وہاب جل و علا سے بطریق الہام

کا نام فراست ہے۔ (کتاب التعریفات ۷۱)

واضح رہے کہ مراتب ولایت میں سے آخری مرتبہ صدیقیت ہے اور مرتبہ
 صدیقیت پر فائز المرام اولیائے کاملین اور علمائے راخنین کو علوم شرعیہ بذریعہ الہام
 حاصل ہوتے ہیں جبکہ نبی علیہ السلام کو علوم شرعیہ بذریعہ وحی حاصل ہوتے ہیں۔
 صدیق اور نبی علیہ السلام کا فرق طریق حصول میں ہے، ماخذ میں کوئی فرق نہیں۔
 دونوں حق تعالیٰ سے ہی حاصل کرتے ہیں لیکن صدیق نبی کی متابعت کی بدولت اس
 مرتبہ تک پہنچتا ہے۔ نبی اصل ہے اور صدیق اس کی فرع ہے۔

الہام، وحی کے تابع ہے نہ کہ وحی، الہام کے تابع۔ نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں
 اور صدیق کے علوم ظنی ہوتے ہیں۔ نبی کے علوم دوسرے پر حجت ہوتے ہیں جبکہ
 صدیق کے علوم دوسروں پر حجت نہیں ہوتے۔

واسطہ تلقی نمودہ است واخذ فرمودہ پس یقین اول بمشابه
 بلا واسطہ القاء ہوا ہے اور اخذ فرمودہ ہے لہذا یقین اول علم الیقین
 علم الیقین آمد و یقین ثانی بمشابه عین الیقین شتان ما بینہما
 کے مشابہ ہوا اور یقین ثانی بمنزلہ عین الیقین ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

سنا ہوا، دیکھے ہوئے کے برابر کب ہو سکتا ہے.....؟

در قافلہ کہ اوست دانم نرم
 ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جسم
 الہام سے حاصل شدہ علوم عین الیقین کا فائدہ دیتے ہیں جو کہ علم الیقین سے بالا
 مرتبہ ہے کیونکہ علم الیقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے جبکہ عین الیقین مشاہدہ سے حاصل
 ہوتا ہے۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(معارف لدنیہ معرفت ۳۶، مرقات وغیرہا)

مِنهَا - ۲۲

چوں طالب را بمحض فضل خداوندی جل سلطانہ
 جب محض فضل خداوندی جل سلطانہ سے طالب کے
 ساحت سینہ او از جمیع مرادات خالی شود و خواستے غیر
 سینہ کا میدان تمام مرادوں سے خالی ہو جاتا ہے لے اور کوئی خواہش
 از حق سبحانہ او را نماند دریں وقت آنچه مقصود از
 سوائے حق سبحانہ کے اسے نہیں رہتی اس وقت جو کچھ مقصود ہے
 آفرینش اوست میسر شدہ باشد و حقیقت بندگی
 اس کی پیدائش سے اسے میسر ہو جاتا ہے وہ بندگی کی حقیقت

لے زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے
 ہیں کہ جب طالب مولیٰ سالک شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ اور عبادت و ریاضت کی
 بدولت ہر قسم کی خواہشات و مرادات سے بے زار اور ماسوی اللہ سے آزاد ہو جاتا ہے
 تو اسے معرفت خدا نصیب ہو جاتی ہے۔ یہی تخلیق انسانی کا مدعا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ
 وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ای ليعرفون سے عیاں ہے
 بعد ازاں اس قسم کے عارف باللہ سے اگر عامۃ الناس کی تعلیم و تربیت اور رشد
 و ہدایت کا کام لینا مقصود ہو تو اسے حریم قدس سے واپس لوٹا دیا جاتا ہے، اس قسم کے

عارفین کو راجعین کہا جاتا ہے ورنہ اسے قرب و حضور میں ہی رکھا جاتا ہے اس قسم کے
 سالکین کو مستہلکین کہتے ہیں۔ اگر عرفائے راجعین حضرات نقشبندیہ رضی اللہ عنہم
 راجعین کے پروردہ ہوں تو وہ قافلوں کے قافلے حریم یارتک خفیہ رستوں سے پہنچا دیتے
 ہیں اور پہنچنے والوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ہم کیسے واصل باللہ ہو گئے سبحان اللہ۔ سلطان
 العشاق حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نے کیا خوب کہا

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ بحر می روند پہاں قافلہ را

بجا آورده بعد ازیں اگر خواہند کہ او را برائے تربیت
بجلا چکا^۲ اس کے بعد اگر چاہتے ہیں تو اسے ناقصین کی تربیت
ناقصان باز گردانند از نزد خود ارادتے او را خواہند عطا
کے لئے لوٹا دیتے ہیں اپنی جناب سے اس کو ایک ارادہ عطا
فرمود و اختیارے خواہند داد کہ در تصرفات قولی و
فرماتے ہیں اور ایک اختیار عنایت فرماتے ہیں کہ وہ قولی اور فعلی
فعلی مختار و مجاز باشد در رنگ عبد ماذون دریں
تصرفات میں صاحب اختیار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے اذن یافتہ غلام کی طرح

^۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز راجعین اہل اللہ کا تذکرہ فرما رہے
ہیں کہ جب انہیں نبوت و رسالت کی خلافت و نیابت پر متمکن فرمایا جاتا ہے تو انہیں
متصف بصفات اللہ اور متخلق باخلاق اللہ کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ قدس جل سلطانہ
کی طرف سے ایسا ارادہ و اختیار عطا فرمایا جاتا ہے جیسے عبد ماذون اور بندہ مرزوق
اپنے آقا کے جملہ امور میں مختار و مجاز و ماذون ہوتا ہے۔ بنا بریں ان صوفیاء کرام کی
گفتگو لوگوں کے دل و دماغ میں انقلاب برپا کر دیتی ہے اور ان کی سیرت و کردار لوگوں
کیلئے باعث متابعت ہوتی ہے۔ یہ بقا باللہ کا مرتبہ ہے جس پر فائز المرام صوفی ولی گر ہوتا
ہے۔ اس قسم کے صوفی کو شیخ کامل مکمل کہا جاتا ہے جس کی توجہات قدسیہ اور فرمودات
عالیہ کی بدولت عامۃ الناس امراض قلبیہ، علل معنویہ اور محبت ماسوا سے نجات حاصل
کرتے ہیں غرضیکہ اس کا کلام دوا، نگاہ شفا اور توجہ اکسیر ہوتی ہے۔ بقول شاعر

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
 آیا بود کہ گوشہء چشمے بما کنند
 درس قلب من اے مظہر حق کن نظری
 زانکہ اکسیر اثر زگس شہلا داری

جب کسی طالب حق اور مرید صادق کو اس قسم کے شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ میسر
 ہو جاتی ہیں تو وہ ابنائے جنس سے بے نیاز اور ممتاز ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر
 یک نظر کن تا کہ مستغنی شوم از ابنائے جنس
 سگ چو شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

مقام کہ مقام تخلق باخلاق اللہ است صاحب ارادہ
 اس مقام میں جو تخلق باخلاق اللہ کا مقام ہے ۳ صاحب ارادہ
 ہر چہ خواہد برائے دیگران خواہد خواست و مصالح
 جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے لئے چاہتا ہے اور دوسروں
 دیگران منظور خواہد داشت نہ مصالح نفس خود کما
 کی مصلحتیں اس کے مد نظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی مصلحتیں جیسا کہ
 ہو حال ارادۃ الواجب تعالیٰ بل للہ المثل الاعلیٰ و لازم نیست
 واجب تعالیٰ کے ارادہ کا حال ہے بلکہ بلندترین مثال اللہ کے لئے ہے اور یہ ضروری
 بلکہ جائز نیست کہ این صاحب ارادہ ہر چہ خواہد
 نہیں بلکہ جائز بھی نہیں ہے کہ یہ صاحب ارادہ جو کچھ چاہے وہ

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب کوئی صوفی
 مختار و ماذون اور مامور من اللہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ ذاتی مفادات اور نفسانی
 خواہشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شب و روز امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علی
 صاحبہا الصلوٰات کی فلاح و بہبود میں ہی کوشاں رہتا ہے گویا کہ وہ حریص علیکم
 بالمؤمنین رؤف رحیمک اشاندار مظہر ہوتا ہے۔

بوقوع آید کہ شرک ست و بندگی آنرا برنتابد حضرت حق
 وقوع میں آئے کیونکہ یہ شرک ہے۔ بندگی اس کو برداشت نہیں کر سکتی حضرت حق
 سبحانہ و تعالیٰ حبیب خود را علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام
 سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو کہ
 می فرماید ”انک لا تھدی من احببت ہر گاہ ارادت سید
 فرماتا ہے انک لا تھدی من احببت جب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک اہم امر کی وضاحت فرما رہے ہیں
 ، وہ یہ کہ مامور من اللہ صاحب ارادہ صوفی کا ہر ارادہ قابل وقوع نہیں ہوا کرتا تا کہ بندہ
 اور خالق کے درمیان حد فاصل قائم رہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا کسی قسم کا
 اشتراک والتباس نہ ہو۔ جب سید المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ توقف
 میں پڑ سکتا ہے تو دیگر صاحبان ارادہ کی وہاں کیا مجال ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انک لا
 تھدی من احببت ولكن اللہ یھدی من یشاء سے واضح ہے۔

واضح رہے کہ انک لا تھدی من احببت میں توفیق و تخلیق ہدایت کا بیان
 ہے جبکہ آیہ کریمہ انک لتھدی الی صراط مستقیم میں تقسیم و تبلیغ ہدایت کا بیان
 ہے۔ ہدایت کی توفیق و تخلیق کرنا خالق حقیقی کا کام ہے جبکہ تقسیم و تبلیغ ہدایت پر حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ مامور ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ
 والتسلیمات انما انا قاسم واللہ یعطی (بخاری) سے عیاں ہے۔ بقول شاعر

اس نے پھیرا دل، تو اس نے دعوت اسلام دی

وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

البشر در توقف افتد دیگران را چه مجال و ایضاً لازم
 کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال نیز یہ
 نیست کہ جمیع مرادات این صاحب ارادت مرضی حق
 ضروری نہیں ہے کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں حق تعالیٰ و تقدس کی مرضی
 باشند تعالیٰ و تقدس والا بر بعضی افعال و اقوال آن
 کے مطابق ہوں ۵ ورنہ آنرور آپ پر اور آپ کی آل پر
 سرور علیہ و علی الہ الصلوٰت و التسلیمات اعتراض از
 درود اور سلامتیاں ہوں کے بعض افعال اور اقوال پر حق سبحانہ کی

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
 صاحب ارادہ عارف کی تمام مرادات حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہونا بھی ضروری
 نہیں یعنی بعض اوقات اس کے افعال مکتبہ رضائے حق کے خلاف بھی ہو جاتے ہیں اور
 اس پر بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے عفو و درگزر کے مژدے بھی ملتے ہیں جیسا کہ
 غزوہ بدر کے موقع پر اسیران بدر کو قید کرنے پر اعتراض ہونے اور غزوہ تبوک کے موقع
 پر منافقین کو اجازت دینے پر عفو و درگزر کا اظہار ہونا آیات کریمہ سے ثابت ہے جیسا کہ
 ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یشحن فی الارض تریدون عرض
 الدنیا (انفال) اور عفا اللہ عنک لم اذنت لهم سے عیاں ہے۔

واضح رہے کہ آیہ کریمہ ما کان لنبی الخ میں بظاہر عتاب حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہے لیکن درحقیقت اس سے وہ عام مجاہدین (نومسلم) مراد
 ہیں جنہوں نے مال دنیوی کے طمع میں اخذ فیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ حضرت علامہ

قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ زیر نظر آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
والنبي صلى الله عليه وسلم لم يامر باستبقاء الرجال وقت الحرب
ولا اراد قط عرض الدنيا وانما فعله جمهور مبشرى الحرب
فالتوبيخ والعتاب انما كان متوجها بسبب من اشار على النبي باخذ
الفدية هذا قول اكثر المفسرين وهو الذي لا يصح غيره (تفسیر قرطبی)
حضرت علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ
اسیران بدر کے متعلق مجاہدین اسلام سے طلب مشورہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے انہیں اختیار دے دیا تھا جیسا کہ تفسیر بیضاوی کے الفاظ فخیّر اصحابہ فاخذوا
الفداء سے ثابت ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

علاوہ ازیں علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے ضمن میں تحریر
فرماتے ہیں ما کان لنبي..... الخ الاية دليل على ان الانبياء يجتهدون
وقد يكون خطاء ولكن لا يقرون عليه یعنی یہ آیت کریمہ اس امر پر دلیل
ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات اجتہاد فرماتے ہیں اور وہ کبھی خطا بھی ہو سکتا ہے لیکن
اس پر ان کا قرار نہیں ہوتا۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ آ یہ کریمہ و شاورہم فی الامر
(نساء ۱۵۹) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

انه كان مأمورا بالاجتهاد اذالم ينزل عليه الوحي والاجتهاد
يتقوى بالمناظرة والمباحثة فلهذا كان مأمورا بالمشاورة وقد
شاورهم يوم بدر في الاسارى وكان من امور الدين یعنی جس معاملہ میں
وحی نازل نہ ہو اس میں آپ اجتہاد کرنے پر مامور تھے اور اجتہاد مناظرہ و مباحثہ سے
قوی ہوتا ہے فلہذا آپ مشاورت پر مامور تھے اور آپ نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا جو کہ ایک دینی معاملہ تھا۔ (تفسیر کبیر)
حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

و اصحاب کرام در امور عقلیہ و احکام اجتہادیہ مجال
اختلاف و مساع خلاف داشتند (ردروافض ۱۷)

حضرت علامہ محمود آلوسی مجددی رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ عفا اللہ عنک لم
اذنت لهم (التوبہ ۴۳) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

واستدل بها جمع علی انه له صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاداً
وانه قدینالہ منه اجر واحد یعنی اس آیت کریمہ سے علماء کی ایک جماعت نے
استدلال فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے اور خطائے اجتہادی
کی صورت میں آپ کو اجتہاد پر ایک اجر ملتا۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت علامہ ملا علی قاری احراری رحمۃ اللہ علیہ (حدیث انما انما بشرانہ
یاتینی الخصم الخ) کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفیہ دلیل علی جواز الخطاء فی الاحکام الجزئیة وان لم یجز
فی القواعد الشرعیہ الی قوله و قد اتفق الاصولیون علی انه صلی
اللہ علیہ وسلم لا یقر علی خطاء فی الاحکام یعنی اس حدیث مبارکہ میں
اس بات پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام جزئیہ میں خطا کا واقع ہونا
جائز ہے جبکہ قواعد شرعیہ میں خطا کا ہونا ممکن نہیں اور علمائے اصولیین اس بات پر متفق
ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں خطا پر برقرار نہیں رہتے تھے۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ۲۵۲/۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شارح بخاری حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں

تحریر فرماتے ہیں:

لو وقع لم يقر عليه صلى الله عليه وسلم لثبوت غصمته یعنی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران اجتہاد خطاء واقع ہو جائے تو آپ اس پر ثبوت عصمت کی بنا پر برقرار نہیں رہتے تھے۔ (فتح الباری ۱۳/۷۷۲)

مذکورۃ الصدر بحث کا ما حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں اجتہاد پر من جانب اللہ مامور تھے اور اجتہاد میں بحث و مباحثہ سے نکھار اور قوت پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات دوران اجتہاد احکام جزئیہ میں خطا بھی ہو سکتی ہے لیکن عصمت نبوت علی صاحبہا الصلوٰات کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خطا پر برقرار نہیں رہتے۔ البتہ خطائے اجتہادی پر ایک درجہ ثواب بھی عطا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات سے ثابت ہے تاہم محققین کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطائے اجتہادی کے عدم جواز کا قول بھی ملتا ہے۔ فذهب المحققون الی انہ لم یکن جائزا (شرح مسلم للنووی ۱/۴۶)

حضرت علامہ ابوالمنتمہی احمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر کے جملہ ”وقد كانت منهم زلات و خطایا“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

حضرت امام عمر نسفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ائمہ سمرقند میں فرماتے ہیں: لا یطلقون اسم الزلۃ علی افعال الانبیاء علیہم الصلوٰة والسلام لانها نوع ذنب..... الخ یعنی افعال انبیاء علیہم الصلوٰات پر اسم زلت کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے کیونکہ زلت، ذنب کی ایک نوع ہے اور کہتے ہیں کہ انہوں نے فاضل کا اکتساب کیا مگر افضل کو ترک کر دیا ”بنا بریں ان پر عتاب ہوا کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کا ترک افضل، غیر انبیاء کے ترک واجب کے بمنزلہ ہے۔ بعض نے انبیائے کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوٰات کی زلت کو قربت الی اللہ کا سبب بھی کہا ہے۔

(شرح فقہ اکبر ۲۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ امر متحضر رہے کہ غزوہ تبوک بعد مسافت اور قلت ساز و سامان وغیرہا کی وجہ سے نہایت دشوار اور مشکل تھا۔ منافقین نے بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰت میں حاضر ہو کر شرکت جہاد سے قبل ہی پیشگی معذرت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کریم النفسی کے باعث انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انہیں رخصت نہ بھی دی جاتی تو بھی وہ شرکت مہم سے انکار کر دیتے۔ مناسب یہی تھا کہ ان کے جھوٹے حیلوں، بہانوں اور معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تا کہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کی منافقت سب پر آشکارا ہو جاتی اور وہ بری طرح ذلیل و رسوا ہوتے۔ اسی لئے حق تعالیٰ جل سلطانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا عفا اللہ عنک لم اذنت لهم حتی يتبين لك الذين صدقوا وتعلم الكاذبين (توبہ ۲۳)

آیت بالا میں اجازت و رخصت کے متعلق تنبیہ سے قبل عفا اللہ عنک کا کلمہ اس لئے فرمایا تا کہ قلب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں لم اذنت لهم الخ کے متعلق کسی قسم کا قلق و ملال نہ رہے بلکہ بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ کا اظہار ہے ان ذالك يدل على مبالغة الله في تعظيمه و توقيره (تفسیر کبیر)

واضح رہے کہ عتاب کا لفظ قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوا البتہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے عتب اللہ علیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا۔ (بخاری ۲۳۱) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد پر فرمایا مرحباً بمن عاتبني فيه ربي (مظہری ۱۹۷)

عتاب کا مبنی مودت و محبت ہے۔ اہل لغت نے عتاب کے معنی محاصبتہ الادلال یعنی محبوب کی لاپرواہی یا بے توجہی پر محبت بھری خفگی کا اظہار لکھے ہیں نیز

صاحب تاج العروس نے اس معنی پر بطور استشہاد درج ذیل دو شعر نقل فرمائے ہیں۔

اعتاب ذا المودة من صديق اذا ما رابنى منه اجتناب

اذا ذهب العتاب فليس ود ويبقى الود ما بقى العتاب

یعنی مودت والے دوست کے ساتھ میں عتاب سے پیش آتا ہوں جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو۔ جب عتاب گیا تو محبت بھی نہ رہی کہ مودت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب باقی رہے۔

یعنی عتاب سے پیش آنا محبت کی علامت ہے مزید برآں اردو، فارسی لغت کی کتابوں میں لفظ عتاب کے معنی ”ناز کرنا“ بھی لکھے ہیں اور انہی کتابوں میں ناز کے معنی لاڈ پیار، اخلاص، محبت، پیار کی بات، پیار کی ادا بھی مرقوم ہیں۔ اسی مفہوم میں ذوق کا حسب ذیل شعر بھی منقول ہے

سنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم

کس مزے سے عتاب کی باتیں

(ماخوذ از التبیان مع البیان)

ردروافض مترجم کے تخیلیہ میں تحریر ہے کہ

یہاں (صفحہ ۱۳۰) پر عتاب کا لفظ ان معنوں میں نہیں جو دوسروں کیلئے مستعمل ہیں۔ اس عتاب میں محبت کے ہزاروں باب ہیں اور اس جلال میں عنایت کے لاکھوں جمال ہیں۔ محبوب کی یہ وہ جفا ہے جو بقول مجدد، وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔

(رسائل مجدد الف ثانی ۱۶۶ مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور)

کسی اردو شاعر نے تو بیخ و عتاب کے متعلق خوب کہا ہے

قہر و عتاب میں بھی تو رحمت ہے مستتر

یہ نکتہ کب خیال میں ناقص کے آسکے

حق سبحانہ نازل نمی شد کما قال سبحانہ ما کان لنبی الخ

طرف سے اعتراض نازل نہ ہوتا جیسا ما کان لنبی الخ کہ اس سبحانہ نے فرمایا

وعفو از ان گنجائش نہ داشت کما قال تعالیٰ عفا اللہ عنک

اور اس سے عفو کی گنجائش نہ ہوتی جیسا کہ اس تعالیٰ نے فرمایا اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا

چہ عفو در تقصیرات متصورست با آنکہ جمیع مرادات حق

کیونکہ عفو تقصیرات میں متصور ہے ۱ اس کے ساتھ ہی حق

جل و علا مرضیات حق سبحانہ نیستند کالکفر والمعاصی

جل و علا کی تمام مرادیں، حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہوتیں جیسا کہ کفر اور معاصی

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ

وہ امور جو حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے تعلق رکھتے ہیں ان جملہ امور کا رضائے حق

تعالیٰ کے مطابق ہونا ضروری نہیں جیسے کفر و معاصی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

افعال عباد (خیر و شر) حق تعالیٰ کے اذن و ارادہ و مشیت سے تعلق رکھتے ہیں وگرنہ نہ

توان افعال کا وجود ممکن ہوتا اور نہ ہی بندوں سے ان افعال کا صدور ہوتا لیکن اس سے

یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جن امور سے حق تعالیٰ کا ارادہ و مشیت متعلق ہو جائے وہ امور

حق تعالیٰ کی مرضیات و پسندیدہ بھی ہوں جیسے طاعت و ایمان اور کفر و عصیان، حق تعالیٰ

کے ارادہ کے تحت ہیں مگر ایمان و طاعت حق تعالیٰ سبحانہ کو پسند ہیں اور کفر و معاصی اسے

پسند نہیں جیسا کہ آیہ کریمہ لا یرضی لعبادہ الکفر (الزمر: ۷) سے عیاں ہے۔ فلہذا

معلوم ہو گیا کہ جب خود حق تعالیٰ سبحانہ کا ارادہ و مشیت اس کی مرضیات کے خلاف ہو سکتا

ہے تو صاحب ارادہ بندوں کا ارادہ بھی رضائے حق تعالیٰ سبحانہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔

مِنَهَا - ۲۵

امام من دریں کار کلام اللہ است و پیر من دریں امر قرآن
 میرا امام اس کام میں کلام اللہ ہے! اور میرا پیر اس امر میں قرآن مجید
 مجید اگر ہدایت قرآن نمی بود راہے بجانب عبادت
 اگر قرآن کی ہدایت نہ ہوتی کوئی راہ معبود بحق کی
 معبود بحق نمی کشود دریں راہ ہر لطیف والطف ندائے
 عبادت کی جانب نہ کھلتی اس راہ میں ہر لطیف اور الطف چیز
 ”انا اللہ“ می زند و روندہ راہ را گرفتار پرستش خود
 انا اللہ کی ندا لگاتی ہے اور راہ چلنے والے (سالک) کو اپنی پرستش میں گرفتار

۱۔ اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد
 فرما رہے ہیں کہ دوران سلوک قدم قدم پر میری رہنمائی قرآن مجید کرتا رہا ہے۔
 دراصل تقویٰ شعار اور محبت ماسوا سے بیزار سالکین کی رہنمائی، محض فضل ایزدی سے
 قرآن مجید ہی کرتا ہے جیسا کہ آیات کریمہ ہدی للمتقین اور ان هذا القرآن
 ینہدی لنتی ہی اقوم (بنی اسرائیل ۹) سے عیاں ہے ورنہ

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
 کہ پیدا نشد تختہء بر کنار

می سازد اگرچون ست خود را بصورت بیچونی و امی
 کریتی ہے اگر چون ہے تو خود کو بے چونی کی صورت میں ظاہر
 نماید و اگر تشبیہہ است خود را بہیئت تنزیہہ جلوہ گرمی
 کرتا ہے اور اگر تشبیہہ ہے تو خود کو ہیئت تنزیہہ میں جلوہ گر کرتی ہے
 گرداند درین جا امکان بوجوب ممتزج است و حدوث
 یہاں امکان ، وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حدوث
 بقدم مختلط اگر باطل است بصورت حق ہویدا است
 قدم کے ساتھ خلط ملط اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ہویدا ہے
 و اگر ضلالت است بشکل ہدایت پیدا بیچارہ سالک
 اور اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں ظاہر۔ بے چارہ سالک
 حکم مسافر اعمی دارد کہ بہر یکے ”ہذا ربی“ گویان
 اندھے مسافر کا حکم رکھتا ہے ۱ ہر ایک کی طرف ہذا ربی کہتا ہوا متوجہ ہوتا ہے۔
 رومی آرد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ خود را بہ خالق
 حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی خالق السموات و الارض کے

۲ سالکین راہ طریقت جس پچاس ہزار سالہ رستہ کو طے کرنے کے درپے ہوتے
 ہیں وہ غیب الغیب ہونے کی بنا پر نہایت پیچیدہ، بہت پوشیدہ، چون بے چوں، تشبیہہ،
 تنزیہہ، امکان، وجوب اور حدوث، قدم کے ساتھ اختلاط و التباس رکھنے کی وجہ سے
 انہیں ہر طرف سے انا اللہ کی صدا نہیں آتی ہیں۔ بقول عارف کھڑی

السموات والارض "سی ستاید" "رب المشرق والمغرب" ساتھ ستائش کرتا ہے اور رب المشرق و المغرب فرماتا ہے سی فرماید و در وقت عروج چون این صفات را بر آلهہ اور عروج کے وقت میں جب ان صفات کو خیالی معبودوں متخیلہ عرض نمودہ شد بے اختیار ابا نمود و رو بزوال پر پیش کیا گیا تو بے اختیار انکار کیا اور سب زوال پذیر ہو گئے آوردند لاجرم لاجب الأفلین گویان رو از ہمہ تافت وقبلہ لامحالہ لاجب الأفلین کہتے ہوئے تمام سے رخ پھر لیا اور توجہ کا قبلہ توجہ جز ذات واجب الوجود نساخت الحمد لله الذی سوائے ذات واجب الوجود کے کسی کو نہ بنایا۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہدانا لهذا وما كنا لنهتدى لولا ان هدانا الله لقد جاءت ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا

رسول ربنا بالحق

البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے

ع میں انا تلکن رستہ دھکے دیوں والے بہتے کے مصداق بیچارہ سالک ہذا ربی کہتا ہوا ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے مگر لاجب الأفلین کا نعرہ مستانہ لگاتا ہوا اشہب شوق پر سوار ہر ماسوی سے روگردانی کرتا ہوا صفات باری تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا بلکہ ذات حق تعالیٰ سبحانہ کو ہی اپنا قبلہ،

توجہ بناتا ہے اور اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر ماسویٰ، خالق نہیں مخلوق ہے، رب نہیں مربوب ہے جیسا کہ آیات کریمہ خالق السموات والارض اور رب المشرق والمغرب سے واضح ہے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اولوالعزم انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے آپ کے زیر قدم محمدی المشرّب سا لکین بھی اولوالعزم اور کامل الاستعداد ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز محمدی المشرّب عارف ہونے کی بنا پر اولوالعزم اور بلند ہمت ہیں اس لئے آپ سا لکین طریقت مجددیہ کو اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی ہی تلقین و تاکید فرماتے ہیں۔ بقول اقبال مرحوم

مرد مؤمن در نسا زد با صفات
مصطفیٰ راضی نشد الا بذات

مِنَهَا - ۴۶

ما چہار کس بودیم در ملازمت خواجہ خود کہ پیش ہم چار افراد اپنے خواجہ کی ملازمت میں تھے اے کہ لوگوں کی مردم در میان سائریاران امتیاز داشتیم ہر کدام مارا نگاہوں میں تمام یاران (طریقت) کے در میان ہم امتیاز رکھتے تھے ہم میں نسبت بحضرت خواجہ اعتقاد علیحدہ بود و معاملہ جدا ہر کسی کا حضرت خواجہ کی نسبت اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ جدا ایس فقیر بہ یقین می دانست کہ مثل این صحبت و یہ فقیر یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع و مانند این تربیت و ارشاد بعد از زمان آن سرور اجتماع اور اس طرح کی تربیت و ارشاد آن سرور (آپ پر اور آپ کی علیہ و علی آلہ الصلوٰت و التسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ آل پر صلوٰت و تسلیمات ہوں) کے زمانہ کے بعد سے ہرگز وجود میں اے اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اپنے سمیت دیگر چند برادران طریقت کی خواجہ بیرنگ شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ احراری دہلوی قدس سرہ العزیز کے ساتھ ارادت و عقیدت کے تجزیہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں جو حضرت خواجہ

است و شکر این نعمت بجای آورد کہ اگرچہ بشرف
 نہیں آئی اس نعمت کا شکر بجا لاتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر
 صحبت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام مشرف
 (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ و سلام ہو) کی صحبت کے شرف
 نشد بارے از سعادت این صحبت محروم نماند، و حضرت
 سے مشرف نہیں ہوا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا ہمارے
 خواجہ ما از احوال آن سہ دیگر چینی می فرمودند کہ
 حضرت خواجہ ان دوسرے تین کے احوال کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے
 فلانے مر اصاحب تکمیل می داند، اما صاحب ارشاد
 کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد
 نمی پندارد و نزد او مرتبہ ارشاد زیادہ از تکمیل بودہ و
 نہیں سمجھتا اسکے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہمارے
 بیرنگ نے بیان فرمایا تھا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کو تو اپنے شیخ کے مقام و مرتبہ کے متعلق کامل
 یقین تھا اسی یقین کامل، حسن عقیدت اور غایت محبت کی بدولت آپ نے اپنے شیخ کے
 جملہ کمالات و فیوضات و برکات کو جذب فرمایا کہ نسبت صدیقیہ، یادداشت، تجلی ذاتی
 دائمی اور وصل عریانی کے مرتبہ پر فائز المرام ہوئے کیونکہ یہ مقامات و مدارج شیخ کامل
 مکمل کی توجہات قدسیہ اور صحبت و زیارت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ چونکہ طریقت
 نقشبندیہ میں حصول فیض شیخ کامل کی صحبت و زیارت پر موقوف ہے اس لئے

فلانے بما کارے ندارد و آن دیگر رامی فرمودند کہ نسبت
ساتھ کوئی سروکار نہیں رکھتا اور اس تیرے کی نسبت
بما انکار دارد و ہر کدام مارا باندازہ اعتقاد بہرہ رسید
فرماتے تھے کہ وہ ہماری نسبت انکار رکھتا ہے اور ہم میں ہر کسی کو اعتقاد کے اندازہ

ساکین طریقت نقشبندیہ اسکا خصوصی اہتمام فرماتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
اجمعین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے پہلی مرتبہ ہی وہ کچھ حاصل ہو
جاتا جو دیگر حضرات کو انتہاء میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بنا بریں طریقت نقشبندیہ کو بعینہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کہا جاتا ہے۔

چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حضرت خواجہ پیرنگ کی بدولت، ان
کے جملہ فیوض و برکات کے حامل ہو گئے اس لئے آپ ہی قیامت تک ان فیوضات
کے امین اور قسیم ہیں، وارث کمالات محمدیہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ کو بھی
نسبت صدیقیہ آپ کی وساطت سے ہی پہنچے گی اور پھر وہ اسی نسبت کی تکمیل و تمم
فرمائیں گے۔

باید دانست کہ اعتقاد مرید با فضیلت پیر و اکملیت او کے موافق حصہ ملا جانا چاہئے ۱ کہ پیر کی افضلیت اور اس کی اکملیت از ثمرات محبت است و از نتائج مناسبت کہ سبب کے بارے میں مرید کا اعتقاد محبت کے ثمرات سے ہے اور مناسبت کے نتائج افادہ و استفادہ است اما باید کہ پیر را بر جماعہ کہ سے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے لیکن چاہئے کہ پیر کو اس جماعت

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ مرید کے قلب میں اپنے شیخ کی محبت و مودت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا اپنے شیخ کی افضلیت و اکملیت کے متعلق اعتقاد پختہ ہوتا جائے گا کیونکہ یہ اعتقاد محبت کے ثمرات و نتائج میں سے ہوتا ہے۔ اپنے شیخ کے ساتھ غایت محبت اور فرط عقیدت کی بنا پر مرید اپنے شیخ کے جمیع کمالات و فیوضات کا مظہر بن جاتا ہے علاوہ ازیں مرید کیلئے اپنا شیخ ہی فضل و فتوحات کے باب و اہونے کا واحد ذریعہ ہوتا ہے۔ فرط محبت کی وجہ سے ہی وہ فنا فی الشیخ کے مرتبہ پر فائز المرام ہوتا ہے جو فنا فی اللہ اور حصول ولایت کا پہلا زینہ ہے، نیز فرط عقیدت سے ہی مرید کا ارتکاز توجہ پختہ ہوتا ہے اور قبلہ توجہ کیلئے وحدت شرط ہے جو سالک و مرید کو محبت شیخ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے سالک کو چاہئے کہ ہر کہ یکجا ہمہ جاوہر کہ ہمہ جا ہیج جا اور یک در گیر محکم گیر کے مصداق توجہ کو کلیۃً شیخ کی طرف مرکوز رکھنا چاہئے۔ عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

دلبر دے دروازے اتے محکم لائے جھوکاں

نویں نویں ناں یار بنائے وانگ کمینیاں لوکاں

قدوة الاخير حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ العزیز مرید کے قبلہ توجہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

مرید وہ ہے کہ آتش ارادت سے اس کی ضروریات بھسم ہو جائیں اور اس کے مقاصد میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے، وہ اپنی بصیرت قلبی سے پیر کے آئینہ میں جمال مراد کا مشاہدہ کرے، دیگر تمام قلوب سے اپنا منہ پھیر لے، اس کا قبلہ جمال شیخ ہو اور وہ پیر کی خدمت کیلئے آزادی سے فارغ ہو گیا ہو، وہ اپنا سر نیاز پیر کے آستانے کے سوا اور کہیں نہ جھکائے، اس نے نیستی کا خط اپنے وجود کی پیشانی پر کھینچ دیا ہو اور اپنے شیخ کے غیر کے وجود کے تفرضہ کا شعور اس میں باقی نہ رہا ہو۔

آن کس کہ در سرائے نگار است فارغ است

از باغ و بوستان و تماشائے لاله زار

فارغ ہے سب سے باریاب حریم یار

ہو باغ و بوستان کہ تماشائے لاله زار

(نجات الانس)

فضل آنها در شرع مقرر است فضل ندبند کہ موجب
 پر جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے فضیلت نہ دے گا کیونکہ یہ
 افراط ست در محبت و آن مذموم است شیعہ را
 افراط کا موجب ہے محبت میں اور یہ مذموم ہے۔ شیعہ کی خرابی
 خرابی از افراط محبت اہل بیت آمدہ و نصاریٰ از افراط
 اہل بیت کی محبت کے افراط سے ہوئی اور نصاریٰ نے افراط
 محبت حضرت عیسیٰ را علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
 محبت سے حضرت عیسیٰ (ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو) کو

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز آداب طریقت سکھاتے ہوئے
 شریعت مطہرہ کا ایک اصول بیان فرما رہے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک طریقت،
 شریعت کی خادم ہے..... وہ اصول اور ادب یہ ہے کہ جن بزرگان دین کی فضیلت
 و عظمت پر شریعت مطہرہ دال ہے، ان پر اپنے شیخ کو فضیلت دینا سا لکین طریقت کے
 لئے روا نہیں۔ اس سلسلہ میں خطیب الاسلام صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ
 العزیز وارث مسند آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ پاکستان کا ایک ارشاد گرامی ملاحظہ ہو!
 حضرت خطیب الاسلام نے قطب اوحہ حضرت باواجی خواجہ نور محمد قدس سرہ
 العزیز کے آستانہ عالیہ چورہ شریف ضلع اٹک پر سالانہ عرس پاک کے موقع پر علماء و
 مشائخ کی موجودگی میں بانگ دہل خطاب کرتے ہوئے فرمایا

میں بطور تحدی یہ اعلان کرتا ہوں کہ جاؤ دنیا کے علماء کو بتادو کہ وہ اولیاء کرام جن
 کی ولایت نص سے ثابت ہے ان کو چھوڑ کر تمام اولیاء کے امام میرے آقا مجدد الف

ثانی قدس سرہ العزیز ہیں۔

غرضیکہ پاس شریعت اور آداب طریقت ہر دو کا ملحوظ خاطر ہونا از بس لازم ہے تاکہ سالکین افراط و تفریط سے بچ کر رہے اعتدال پر گامزن رہیں ورنہ اپنے شیخ طریقت کی مطلقاً فضیلت کا قول کرنا قابل مذمت اور باعث ضلالت ہوتا ہے جیسا کہ فرقہ ضالہ رافضیہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ فرط محبت کی بنا پر گمراہ ہو گئے بلکہ بعض حراماں نصیب اس قدر جری اور بے باک واقع ہوئے ہیں کہ وہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت کی اوٹ میں خلفائے ثلاثہ اور بعض امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں سو قیانہ کلام اور تبر ابازی سے بھی باز نہیں آتے العیاذ باللہ سبحانہ۔ یوں اس قسم کے لوگ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کیلئے بھی گمراہی کا باعث بنے۔

صلوا فاضلوا

ایسے ہی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے ساتھ افراط محبت کی بنا پر عیسائیوں نے انہیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا حالانکہ آپ نے عالم رضاعت میں ہی اپنی عبدیت کا اعلان فرما کر ان کے اس عقیدہ ضالہ کی تردید کر دی تھی جیسا کہ قال انی عبد اللہ (مریم ۳۰) سے عیاں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات ملاحظہ ہو۔ اس روایت کو حضرت امام احمد نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا:

عن علی انہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیک مثل من عیسیٰ علیہ السلام ابغضتہ الیہود حتی بہتوا امہ و احبتہ النصرانی حتی انزلوہ بالمنزلۃ الی لیست لہ ثم قال یہلک فی رجلاں محب مفرط یفرطنی بمالیس فی و مبغض یحملہ شنائی علی ان یبھتنی و قوله سبحانہ اذ تبراء الذین اتبعوا من الذین تبعوا یعنی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے ان سے یہود نے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر بہتان لگایا اور ان سے نصاریٰ نے محبت کی اور ان کو اس مقام پر لاکھڑا کیا جو ان کے لئے نہ تھا پھر فرمایا کہ میرے بارے میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محبت مفرط ہو جو میرے بارے میں افراط کرتا ہے اور دوسرا مبغض کہ مجھ سے بغض رکھنے والا ہے جو مجھ پر بہتان باندھتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد گرانی ہے جب متبوع اپنے تابع فرمانوں سے بیزار ہونگے اور ان کی متابعت قبول نہیں کریں گے۔ (المجموعۃ السنیہ ۱۵ مطبوعہ ابوالخیر اکادمی دہلی)

ابن اللہ خواندہ ودر خسارت ابدی ماندہ لیکن اگر
 ابن اللہ کہہ دیا اور ابدی خسارہ میں پڑ گئے لیکن ان کے
 بر ما سوائے اینہا فضل بدہد مجوزست بلکہ در طریقت
 علاوہ پر فضیلت دے جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب اور
 واجب واین فضل دادن نہ باختیار مریدست بلکہ اگر
 یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار سے نہیں ہے بلکہ اگر
 مرید مستعدست بر اختیار دروے این اعتقاد پیدا می
 مرید صاحب استعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو
 گردد و بوسیله آن کمالات پیر را اکتساب می فرماید
 جاتا ہے اور اس کے وسیلے سے پیر کے کمالات کا اکتساب کر لیتا ہے۔
 اگر این فضل دادن باختیار مرید باشد و بتکلف پیدا کند
 اگر یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار سے ہو اور تکلف سے پیدا کرے
 مجوز نباشد و نتیجہ نہ بخشد۔

تو جائز نہیں ہے اور نہ ہی نتیجہ بخش ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ جن بزرگان دین کی عظمت نص
 سے ثابت ہے ان کے علاوہ دیگر اولیائے کرام پر اپنے شیخ مکرم کی فضیلت کے قائلین
 صوفیاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ مریدین و سالکین پر اپنے شیخ کریم کی محبت کا اس قدر
 غلبہ ہوتا ہے کہ وہ فنا فی الشیخ کے مرتبہ پر فائز المرام ہونے کی بنا پر فضیلت شیخ کا قول

کرتے ہیں کیونکہ ان کے لئے ان کا شیخ ہی زمانے کا قطب و غوث اور امام ہوتا ہے اس لئے کہ وہ شیخ کی توجہات قدسیہ کی بدولت ہی اغیار کی محبتوں سے بیزار اور آزاد ہوتے ہیں۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

پوچھتے ہو مجھ سے قوموں کی امامت کیا ہے

خدا تجھ کو میری طرح صاحب اسرار کرے

ہے وہی اپنے زمانے کا امام برحق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

جبکہ کچھ سالکین جتکف فضیلت شیخ کے قائل ہوتے ہیں ایسا کرنا جائز بھی نہیں

اور نہ ہی یہ نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔

مِنهَا - ۴۷

درجہ علیا در نفی و اثبات بکلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ آن ست
 کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ نفی اور اثبات میں اعلیٰ درجہ
 کہ ہرچہ در دید و دانش و کشف و شہود در اید ہرچند
 یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف و مشاہدہ میں آئے اگرچہ
 تنزیہ صرف و بے کیف محض نماید این ہمہ در تحت
 تنزیہ صرف اور بے کیف محض ہو یہ تمام لا کے

زیر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کلمہ طیبہ کا صوفیانہ انداز میں ورد
 کرنے کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں۔

کلمہ طیبہ..... لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
 ترجمہ: نہیں کوئی معبود (مقصود) سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے
 رسول ہیں۔

◎..... کلمہ طیبہ دین اسلام کے ارکان خمسہ میں سے پہلا رکن اور باب اول ہے۔
 گویا اس کے بغیر کوئی انسان اسلام کے محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

◎..... کلمہ طیبہ وہ لاہوتی نغمہ ہے جو فکر و نظر میں عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے اور کفر
 و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو ایک خدا اور ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
 سے آشنا کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو چند لمحے پہلے اسلام کا دشمن یا اسلام کے خلاف تھا، کلمہ

لا داخل شود و در جانب اثبات غیر از تکلم بکلمہ
تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ
مستثنیٰ کہ بمواطات قلب صادر گردد نصیب نباشد
(اللہ) کہنے کے سوا جو قلب کی موافقت سے صادر ہو کچھ نصیب نہ ہو

پڑھنے کے بعد اسی کے تحفظ اور پاسبانی کی خاطر اپنا جان و مال تک نثار کرنے کے لیے
آمادہ ہو جاتا ہے۔

◎ کلمہ طیبہ وہ پیغام وصل ہے جو انسان کے قلب کو لا الہ کے ذریعے غیر کے
خیال سے پاک کر کے الا اللہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتا ہے۔
حضرت خواجہ سنائی نقشبندی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا

تا بہ جاروب لا نہ رومی راہ
کے رسی در مقام الا اللہ

◎ کلمہ طیبہ: کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو توحید اور دوسرا جزو رسالت
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ توحید ہے۔
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ رسالت ہے۔

توحید دعویٰ ہے اور رسالت اس کی دلیل ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں اس قدر
قرب ہے کہ درمیان میں واؤ عاطفہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا وسیلہ،
رسالت ہے اور قرب خدا (جل جلالہ) کا ذریعہ، قرب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے
کلمہ طیبہ کا پہلا جزو مقصد زندگی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور دوسرا جزو طرز زندگی کی
نشاندہی کرتا ہے۔ نیز کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو (محمد رسول اللہ) حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی معبودیت کے اثبات کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے تاکہ توحید باری تعالیٰ

عنقا شکار کس نشود دام باز چین

عنقا کسی کا شکار نہیں ہوا جال اٹھا لو

کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

کہ اس جگہ ہمیشہ ہوا ہی جال کے ہاتھ لگتی ہے

والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفى عليه

سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی متابعت کرے اور لازم جانے مصطفیٰ کی متابعت

وعلی الہ الصلوات والتسلیمات

کو آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات و تسلیمات ہوں۔

کی تصدیق کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کریں کیونکہ ایمان

ان دو (تصدیق توحید اور تصدیق رسالت) تصدیقوں پر موقوف ہے۔

◎ کلمہ طیبہ کا پہلا جزو تمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے خدائے واحد کے

معبود و مقصود ہونے کو ثابت کرتا ہے جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا جامع

ہے۔

◎ توحید و جودی ہو یا شہودی دونوں سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا اور معبود

برحق کا اثبات کرنا ہے۔ اسی مفہوم کو اہل تصوف نفی اثبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ توحید

شہودی میں مشہود صرف ذات ہوتی ہے۔ غلبہء شہود و وحدت میں کثرت کا نام و نشان

بھی نہیں رہتا جبکہ توحید و جودی میں موجود صرف ذات ہوتی ہے لیکن کثرت میں

وحدت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

◎ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مندرجہ ذیل اشعار توحید شہودی کے مفہوم پر مشتمل

ہیں

خودی کا سر نہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
 خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
 یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
 خودی ہے تیغِ فساں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 فریبِ سود و زیاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 نہ ہے زمان نہ مکاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 صنمِ کدہ ہے جہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 بتانِ وہم و گماں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 بہار ہو کہ خزاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 مجھے ہے حکمِ ازاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

◎ کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو عقیدہ رسالت کا اعلان اور شریعت کی تکمیل و تعمیل کا مظہر ہے۔ کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے پر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ عقیدہ توحید عقیدہ رسالت کے بغیر مفید نہیں اور عقیدہ رسالت عقیدہ توحید کے بغیر نامکمل ہے۔ عقیدہ توحید کا تصور ربوبیت "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (الفاتحہ) سے ظاہر ہے اور عقیدہ رسالت کا تصور رحمت "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" (الانبیاء) سے ثابت ہے۔ اس اعتبار سے کل کائنات کا خدا بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک ہے۔ یوں توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ہی توحید رسالت کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی

ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی

(صلی اللہ علیہ وسلم)

(کلمہ طیبہ پڑھنے کا تفصیلی طریقہ شجرہ نقشبندیہ مجددیہ امینیہ سعیدیہ میں ملاحظہ فرمائیں)

مِنهَا - ۴۸

حقیقت قرآنی و حقیقت کعبہ ربانی فوق حقیقت محمدی
 حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ ربانی ، حقیقت محمدی علیٰ مظهر
 ست علیٰ مظهرها الصلوة والسلام والتحية لهذا حقیقت
 الصلوة و السلام و التحية سے بالا ہے۔ لہذا حقیقت
 قرآنی امام حقیقت محمدی آمد و حقیقت کعبہ ربانی
 قرآنی ، حقیقت محمدی کی امام ہوئی اور حقیقت کعبہ ربانی
 مسجود حقیقت محمدی گشت مع ذلک حقیقت
 حقیقت محمدی کی مسجود (الیہ) ہو گئی اس کے ساتھ ہی حقیقت

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حقیقت قرآنی، حقیقت کعبہ
 ربانی اور حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسليمات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ یہاں
 ان تینوں حقائق کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں و باللہ التوفیق
 ان حقائق ثلاثہ کے متعلق کچھ وضاحت سے قبل لفظ حقیقت کے بارے صراحت پیش
 خدمت ہے تا کہ غلط فہمی کا شبہ ہی پیدا نہ ہو۔

لغت میں لفظ حقیقت سے مراد ذات شئی یا کسی لفظ یا عبارت کا بنیادی مفہوم ہے
 اصطلاح میں کسی شئی کی اصلیت، کنہ، جوہر اور باطنی پہلو مراد ہے جبکہ صوفیائے کرام

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک حقیقت سے مراد کسی شئی کا مبداء تعین ہے جہاں سے وہ شئی فیض و تربیت پاتی ہے (وہ حقیقت مراد نہیں جو جنس اور نوع سے مرکب ہوتی ہے کہ اس پر اعتراض کیا جاسکے)

حقیقت قرآنی

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے نزدیک حقیقت قرآن ”مبداء وسعت بے چون حضرت ذات“ کا نام ہے بفحوائے آیہ کریمہ ان اللہ واسع علیم (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۷)

حقیقت کعبہ

یہ حقائق الہیہ میں سے ایک حقیقت ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

حقیقت کعبہ عبارت از ذات بیچون واجب الوجود دست و شایان مسجودیت و معبودیت ست یعنی حقیقت کعبہ ذات حق تعالیٰ سبحانہ ہے جو سجدے اور عبادت کے لائق ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲)

حقیقت کعبہ سے مراد وہ مرتبہ و وجوب ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم امر کا مربی ہے اور شان العلم سے بلند تر ہے۔ اس اعتبار سے حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات) سے افضل ہے نیز حقیقت کعبہ عالم اکوان کیلئے مسجود ہے جبکہ حقیقت محمدیہ ساجد ہے نہ کہ مسجود لہذا حقیقت کعبہ شان مسجودیت کی وجہ سے حقیقت محمدیہ سے افضل ہے اور ساجدیت و مسجودیت کا فرق اہل علم و فہم پر واضح ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا:

ایں حقیقت راجل سلطانیہا اگر مسجود حقیقت محمدی

گویند چہ محذور لازم آید..... آرمے حقیقت محمدی از حقائق سائر افراد عالم افضل ست اما حقیقت کعبہ معظمہ از عالم عالم نیست یعنی کعبہ کی اس حقیقت کو (جو کہ ذات بے چون اور شان مجودیت ہے) اگر مجود حقیقت محمدی کہا جائے تو کون سا امر مانع ہے..... ہاں حقیقت محمدی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ جس عالم سے نہیں ہے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲)

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے ایک مقام میں حقیقت کعبہ کو شان العلم سے بلند تر قرار دیا ہے اور دوسرے مکتوب میں حقیقت کعبہ کو تنزیہ صرف ذات حق تعالیٰ فرمایا ہے۔ آپ کا یہ کلام تضاد پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اختلاف احوال و مقامات پر مبنی سمجھا جائے یعنی حقیقت کعبہ کو شان العلم سے بلند قرار دینے میں حقیقت کعبہ کے ظلال کا بیان ہے اور اس کو ظہور تنزیہ صرف ذات حق تعالیٰ قرار دینے میں حقیقت کعبہ کی اصل کا بیان ہے کیونکہ حقیقت اپنا اصل اور ظل رکھتی ہے۔

حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات

یہ حقائق کونیہ میں سے ایک حقیقت ہے۔ حضرت امام ربانی اور صوفیائے شہود یہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ ذات کے مرتبہ، شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفس اسم الہی کا ظہور ہے (اسی کو تعین جسی، تعین وجودی اور حقیقت الحقائق بھی کہا جاتا ہے) نہ کہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کیونکہ کسی چیز کی نفس شئی اور اس کی صورت علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ نفس آگ اور اس کی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے۔

اہل تحقیق پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے مکاتیب

شریفہ اور تصانیف عالیہ میں لفظ حقیقت محمدیہ مختلف معانی اور متعدد اقسام پر استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ ایک ہی مخصوص معنی یا قسم مراد لینا فہم سقیم کی علامت ہے لہذا جب حقیقت محمدیہ، حقیقت کعبہ اور حقیقت احمدیہ کے مقابلے میں بولا جائے تو اس سے مراد وہ جامع اسم الہی ہوگا جو عالم سفلیات کی تربیت کی مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الہیہ کے مقابلے میں بولا جائے تو مراد وہ جامع شان ذاتی ہوگی جو عالم علویات کی تربیت کا متولی ہے اور تمام شیونات ذاتیہ کو حاوی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز دفتر سوم مکتوب ۱۰۰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الہی تعالیٰ کا ظہور ہو البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الہی کا ظہور ہے، ظہور قرآنی کا منشاء صفات حقیقیہ سے ہے اس لئے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ سے ہے لہذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے اور کعبہ ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہور اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے۔ (ماخوذ از البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی کی مسجود ہوگئی یہاں مسجود، مسجودہ کے معنی میں نہیں بلکہ مسجودالیہ کے معنی میں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۳) یعنی چھوٹا درجہ (حقیقت محمدیہ) بڑے درجہ (حقیقت کعبہ) کی سمت منہ کر کے حق تعالیٰ سبحانہ کو سجدہ کئے ہوئے ہے

حقیقت محمدی مخلوق کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جس کی دو جہتیں ہیں

جہت عالم خلق اور جہت عالم امر

جب حقیقت محمدی کی جہت عالم خلق کی طرف ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت مطہرہ کا غلبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نکاح و ازدواجی تعلقات، خورد و نوش وغیرہا جیسے اعمال و افعال کا اکتساب فرماتے ہیں، غزوہ احد کے موقعہ پر ضرب لگنے سے

خون بھی بہتا ہے اور جب حقیقت محمدی کی جہت عالم امر (عالم وجوب) کی طرف ہوتی ہے تو آپ پر نورانیت اور لطافت کا غلبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں اور شق صدر کے موقعہ پر نہ آ لہء جراحت استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی خون بہتا ہے نیز آفتاب کی روشنی اور ماہتاب کی چاندنی میں آپ کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ واضح رہے کہ ہر جہت کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبادی فیوض اور تعین وجودی جدا جدا ہیں۔ باعتبار عالم خلق کے حقیقت محمدی کا مبداء فیض صفت العلم ہے اور باعتبار عالم امر کے حقیقت محمدی کا مبداء فیض شان العلم ہے۔

کعبہ ربانی فوق حقیقت قرآنی است آنجا ہمہ بے
کعبہ ربانی حقیقت قرآنی سے بالا ہے ۲ وہاں سراسر
صفتی و بے رنگی ست و شیون و اعتبارات را دران موطن
بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی اس مقام میں
گنجائش نیست تنزیہ و تقدس را درآن حضرت مجال نہ
کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تنزیہ اور تقدیس کی اس بارگاہ میں کوئی مجال نہیں

ع آنجا ہمہ آنست کہ برتر ز بیان ست

وہاں سب کچھ وہ ہے جو بیان سے بالا ہے

ایس معرفتے است کہ ہیچ یکے از اہل اللہ باں لب نہ
یہ معرفت ایسی ہے کہ اہل اللہ سے کسی نے اس کے متعلق لب

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے حقیقت کعبہ کو حقیقت قرآنی سے
فوق و بالا قرار دیا ہے جو ہر قسم کے شیونات و اعتبارات اور تنزیہات و تقدیسات سے
پاک ہے، جہاں بے رنگی و بے صفتی ہے۔ اسی حقیقت کعبہ کو تنزیہ صرف ذات حق تعالیٰ
کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت کعبہ کے کئی مراتب ہیں۔ کبھی حقیقت کعبہ پر صورت کعبہ کا
اطلاق ہوتا ہے، کبھی حقیقت کعبہ سے مراد شان العلم سے بالا مرتبہ کا اطلاق آتا ہے
اور کبھی حقیقت کعبہ پر تنزیہ صرف ذات حق تعالیٰ کا اطلاق آتا ہے کمالا یخفی

علی ارباب البصیرہ

کشادہ است و بر مزہ و اشارت ہم ازان مقولہ سخن نرانده
 کشائی نہیں کی ہے اور کنایہ و اشارہ سے بھی اس مقولہ کی بابت بات نہیں کی۔
 ایں درویش را باین معرفت عظمی مشرف ساختہ اند و
 اس درویش کو اس معرفت عظمی کے ساتھ مشرف فرمایا گیا اور
 در میان ابنائے جنس ممتاز گردانیدہ کل ذالک بصدقہ
 ابنائے جنس کے در میان ممتاز کیا گیا یہ سب کچھ حبیب اللہ
 حبیب اللہ وبرکۃ رسول اللہ علیہ وعلیٰ الہ من الصلوات افضلہا
 صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور رسول اللہ کی برکت ہے آپ پر اور آپ کی آل
 ومن التسلیمات اکملہا باید دانست کہ صورت کعبہ
 پر افضل صلوات اور اکمل تسلیمات ہوں۔ جاننا چاہئے کہ صورت کعبہ
 ہمچنان کہ مسجود صور اشیاست حقیقت کعبہ نیز
 جس طرح چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے حقیقت کعبہ بھی

۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر اس امر کا اظہار
 فرما رہے ہیں کہ مذکورہ معرفت جو ہم نے بیان فرمائی ہے اہل طریقت میں سے کسی نے
 اس کی طرف اشارہ و کنایہ بھی نہیں فرمایا اور یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 تصدق و برکت کی بدولت ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

مسجود حقائق آن اشیا ست واقول قولاً عجباً لم یسمعه
ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے ۴ میں ایسا عجب قول کرتا ہوں کہ
احد وما اخبر به مخبر باعلام اللہ سبحانہ والہامہ تعالیٰ ایای
جسے نہ کسی نے سنا اور نہ کسی مخبر نے بتایا اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اپنے فضل اور کرم
بفضلہ و کرمہ آنکہ بعد از ہزار و چند سال از زمان رحلت
سے مجھے بتایا اور اس کا الہام فرمایا وہ یہ ہے کہ آنرور کے زمانہ
آن سرور علیہ و علی الہ الصلوٰت والتحیات زمانے می
رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰت و تحیات
آید، کہ حقیقت محمدی از مقام خود عروج فرماید و
ہوں) ایسا زمانہ آ رہا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے

۴ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صورت کعبہ اور حقیقت کعبہ، صور اشیاء
اور حقائق اشیاء کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ صورت کعبہ مخلوق ہے اور حقیقت محمدیہ علی
صاحبہا الصلوٰت سب ظہور مخلوق ہے اسی بناء پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق
ہیں۔ اس مقام کا حل یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت، صورت کعبہ سے افضل
ہے اور حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

(البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

یہاں حقائق اشیاء کے متعلق قدرے وضاحت ہدیہ قارئین ہے وباللہ التوفیق
امام العقائد حضرت علامہ نسفی قدس سرہ العزیز حقائق اشیاء کے متعلق اہل سنت و
جماعت کے عقیدہ کی صراحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں حقائق الاشیاء ثابتہ یعنی

چیزوں کی حقیقتیں موجود ہیں۔ (عقائد نسفی) حقیقت کی جمع حقائق اور شئی کی جمع اشیاء ہے
فاضل اجل حضرت سید شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت کی تعریف
کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

الحقیقة هو الشئی الثابت قطعاً و یقیناً یعنی حقیقت وہ شئی ہے جو قطعی
اور یقینی طور پر ثابت و موجود ہو۔ (کتاب التعریفات ۴۰)

حضرت شیخ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شئی کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں

الشئی فی الاصطلاح هو الموجود الثابت المتحقق فی
الخارج یعنی اصطلاح میں شئی اسے کہا جاتا ہے جو خارج میں موجود، ثابت اور متحقق
ہو۔ (کتاب التعریفات ص ۵۷)

حضرت جرجانی قدس سرہ العزیز حقیقة الشئی کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں
حقیقة الشئی ما به الشئی هو هو كالحيوان الناطق للانسان
بخلاف مثل الضاحك والكاتب ما يمكن تصور الانسان بدونه یعنی
حقیقت شے وہ ہے جس کے سبب وہ شے، شے بنی جیسے انسان کے لئے حیوان ناطق کہ
حیوان ناطق کے بغیر انسان کا تصور ممکن نہیں بخلاف ضاحک اور کاتب جیسے الفاظ کے کہ
ان کے بغیر انسان کا تصور ممکن ہے کیونکہ یہ عوارض میں سے ہیں۔ (کتاب التعریفات ۴۰)
یاد رہے کہ حقائق الاشیاء میں حقیقة الشئی سے مراد عین شے ہے۔ (النبراس ۲۵)
لفظ شے کا اطلاق واجب الوجود اور ممکن الوجود دونوں پر کرنا جائز ہے جیسا کہ شیخ
الاسلام علامہ دوسی قدس سرہ العزیز نے قصیدہ بدء الامالی میں تصریح فرمادی ہے۔
نسمى الله شيئاً لا كالأشياء یعنی ہم اللہ کو شے سے موسوم کرتے ہیں
لیکن وہ دوسری چیزوں کی طرح نہیں۔

حضرت العلام ابو محمد احمد چکوالی ثم لاہوری اس کی شرح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لفظ شے کا اطلاق جائز ہے کیونکہ شے کے معنی موجود کے ہیں اور سب موجودات سے اللہ تعالیٰ کا وجود قوی ہے اس لئے اس پر شے کا اطلاق بطریق اولیٰ جائز ہے لیکن اس کے مثل کے اطلاق میں نفی مماثلت کی لازم ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا کلا شیاء (عقیدہ اہل المعالی ۳) ممکن الوجود کیلئے لفظ شے کے متعلق متکلمین اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔
علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک شے کا حقیقی معنی موجود ہونا کے ہیں البتہ کبھی معدوم پر شے کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے۔

مگر معتزلہ موجود اور معدوم دونوں کو حقیقۃً شے کہتے ہیں۔ (النہر اس ۲۸)
لیکن حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وما المعدوم مرئياً و شيئاً یعنی معدوم نہ مرئی ہے اور نہ اس کو شے کہا جاتا ہے۔ (تصیہ بدء الامالی)

نیز علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شے کے متعلق رقمطراز ہیں:

الشئی عندنا هو الموجود یعنی ہمارے نزدیک شے، موجود کو کہا جاتا ہے
والمعدوم ليس بشئی یعنی معدوم کوئی شے نہیں۔ (شرح عقائد)
معتزلہ کے نزدیک معدوم شے ہے ان کا استدلال یہ کریمہ انما قولنا شئی اذا اردنا ان نقول له کن فيكون ہے علمائے اہلسنت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں شے اس واسطے کہا کہ آئندہ شے ہوگی اور تقریر آیت یوں ہے انما قولنا اذا اردنا ان نقول له کن فيكون شئی اس قسم کی دیگر آیات کریمہ تفہیم خلق کیلئے یوں آئی ہیں تاکہ مجازاً اسے شے سے یاد کیا جائے ورنہ معدوم شے نہیں ہے جیسا کہ آیات کریمہ وقد خلقك من قبل ولم تكن شيئاً (مریم ۹) اور هل اتى على الانسان

حين من الدهر لم يكن شيئاً مذكوراً (الدھر: ۱) سے عیاں ہے۔ (عقائد تورپشتی)
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حقائق الاشیاء ثابتہ کی شرح
کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

تمام عقائد اور احکام کا دار و مدار اس اعتقاد پر ہے کہ نفس الامر میں ہر چیز کی ایک
حقیقت ہوتی ہے جو لوگوں کے علم و اعتقاد سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی ثابت اور موجود
ہوتی ہے نیز یہ حقیقت صرف وہم و خیال نہیں ہے نہ ہی یہ علم و اعتقاد کے تابع ہے مثلاً
پانی اور آگ نفس الامر اور حقیقت میں موجود ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ اگر ہم آگ کے
متعلق یہ اعتقاد رکھ لیں کہ یہ پانی ہے تو یہ پانی ہو جائے گی اسی طرح اگر ہم پانی کو آگ
کہہ دیں تو وہ آگ ہو جائے گا۔ اگر ہم گرم کو سرد اور سرد کو گرم ماننے لگ جائیں تو
ہمارے ماننے سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ گرم، گرم ہی ہوگا اور سرد، سرد ہی ہوگا۔

(تکمیل الایمان مترجم)

حضرت علامہ محمد نجم الغنی خان راپوری رحمۃ اللہ علیہ حقائق الاشیاء ثابتہ کی
شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
یعنی متکلمین کا قول ہے کہ بالبداہت عقل حکم کرتی ہے کہ ہر شے موجود کی
ماہیت (وحقیقت) خارج میں ثابت ہے مثلاً جو چیزیں ہمیں دکھلائی دیتی ہیں جیسا کہ
انسان، درخت، پتھر وغیرہ جو واقع میں موجود ہیں وہ محض وہم و خیال نہیں ہیں اور یہ بھی
نہیں ہے کہ جس چیز کو جیسا ہم نے خیال کر لیا وہ چیز وہی ہے مثلاً درخت کو اگر ہم انسان
سمجھ لیں تو وہ انسان ہے اور اگر اس کو کچھ اور سمجھ لیں تو وہ کچھ اور ہے جیسا کہ فرقہ عندیہ
کی یہی رائے ہے۔ (تہذیب العقائد)

حکمائے یونان کا ایک گروہ سوفسطائیہ حقائق اشیاء کا منکر ہے سوفسطائیہ کے تین
فریق ہیں عنادیہ، عندیہ اور لادریہ

بمقام حقیقت کعبہ متحد گردد اس زمان حقیقت محمدی
 اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے ۵ اس وقت حقیقت محمدی
 حقیقت احمدی نام یابد ومظہر ذات احد جل سلطانہ
 حقیقت احمدی کا نام پائے اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر ہو جائے

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اپنے ایک عجیب الہام کا تذکرہ
 فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ارتحال سے ایک ہزار اور چند
 سال بعد حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات عروج کر کے حقیقت کعبہ کے ساتھ واصل
 اور متحد ہو جائے گی اور حقیقت احمدیہ کا نام پا کر ذات احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے
 گی۔

واضح رہے کہ حقیقت کعبہ اگرچہ حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰات سے افضل
 ہے مگر کعبہ کی حقیقت اپنے مقام اصلی سے اوپر عروج نہیں کرتی جبکہ حقیقت محمدیہ علی
 صاحبہا الصلوٰات بفحوائے آ یہ کریمہ وللآخرۃ خیر لک من الاولی ہر دم
 عروج لامتناہی سے مشرف ہے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

ہر شے کی دو حقیقتیں ہوتی ہیں حقیقت امکانی اور حقیقت وجوبی یا بالفاظ دیگر ہر
 حقیقت کے دو تعین ہوتے ہیں تعین امکانی اور تعین وجوبی۔ تعین وجوبی اور حقیقت
 وجوبی کا تعلق عالم امر کے ساتھ ہے جبکہ تعین امکانی اور حقیقت امکانی کا تعلق عالم خلق
 کے ساتھ ہے۔ تعین امکانی (حقیقت امکانی)، تعین وجوبی (حقیقت وجوبی) کا ظل
 ہے۔ تعین امکانی (حقیقت امکانی) میں حس و حرکت اور عروج ہے جبکہ وجوب میں
 حرکت و عروج و نزول نہیں ہے۔ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کا تعین امکانی
 (حقیقت امکانی) عروج کر کے حقیقت کعبہ تک رسائی پا کر متحد ہو جائے گا اور حقیقت

احمدی علی صاحبہا الصلوٰات کا نام پالے گا۔

حقیقت احمدی علی صاحبہا الصلوٰات شیون کا ایک بلند مرتبہ ہے اور اس مرتبہ سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء فیض ہے جس کا تعلق عالم امر اور عالم وجوب کے ساتھ ہے۔ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ نبوت حقیقت احمدی کے ساتھ تعلق رکھتا تھا جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین سے واضح ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین و جوہی ہی جلوہ گر تھا اور آپ کا تعین امکانی (حقیقت امکانی) ابھی منصہ شہود پر ظہور پذیر نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی عالم خلق کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔ عالم امر میں ملائکہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت احمدی علی صاحبہا الصلوٰات عالم امر کے سارے نظام کی معلم و مدرس تھی، ملائکہ کرام نے جملہ تسبیحات و وظائف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سیکھے تھے بنا بریں جملہ فرشتے آپ کے امتی اور شاگرد ہیں چنانچہ روایت میں ہے یسبح

ذالك النور و تسبیح الملائكة بتسبیحه بقول شاعر

گر نہ خورشید جمال یار گشتے راہ نموں

از شب تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

گردد و بہر دو اسم مبارک بمسمی متحقق شود و مقام
 اور دونوں مبارک نام مسمی کے ساتھ متحقق ہو جائیں ۱ اور پہلا مقام
 سابق از حقیقت محمدی خالی ماند تا زمانے کہ حضرت
 حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے اس زمانے تک کہ حضرت

۱ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اسمائے مبارک محمد اور احمد کا تذکرہ فرمایا
 گیا ہے کہ جب حقیقت احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات ذات احمد جل سلطانہ کی مظہر بن
 جائے گی تو دونوں نام اپنے مسمی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے۔ مسمی سے مراد حقیقت
 محمدی اور حقیقت کعبہ ہیں۔ یہاں اسمائے مبارک محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرے
 تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ
 علیہ وسلم دو اسموں سے مسمی ہیں اور وہ دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں
 محمد رسول اللہ (فتح ۲۹) اور اسمہ احمد (القصف ۶) اور ان دونوں مبارک
 ناموں کی ولایت جدا جدا ہے۔ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰات میں محبوبیت صرف
 اور انشاء محبت (کیفیت محبت) کا امتزاج ہے جبکہ ولایت احمدی علیٰ صاحبہا
 الصلوٰات میں محبوبیت صرف ہے جس میں محبت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت،
 ولایت محمدی سے بلند اور مطلوب سے ایک منزل قریب تر ہے اور محبت کو بھی زیادہ مرغوب
 ہے کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں کامل تر ہوگا محبت کی نظر میں اسی قدر محبوب اور زیبا تر
 دکھائی دے گا اور محبوب کو اپنی طرف جذب کرے گا اور اسے اپنا شیفتہ بنا لے گا۔

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست

بلائے من زنا پروائی اوست

بلا سے مراد عشق کی زیادتی ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ احمد عجب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمہ مقدسہ ”احد“ اور حرف ”میم“ کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالم بے چون میں اسرار الہیہ جل سلطانہ کے مخفی رازوں میں سے ہے اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس راز نہانی کی تعبیر حلقہء میم کے بغیر کی جاسکے اور اگر اسکی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہ اس کی تعبیر ضرور فرماتا اور احد وہ احد ہے کہ لا شریک لہ ہے اور حلقہ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندے کو مولا سے متمیز کرتا ہے۔ لہذا بندہ وہی حلقہ میم ہے اور لفظ احد اس کی تعظیم کیلئے آیا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

چو نام این ست نام آور چه باشد

مکرم تر بود از ہر چه باشد

ہزار سال گذر جانے کے بعد اس عرصہ کو امور عظام کے تغیر میں ایک تاثیر رکھی ہے اور اس ولایت کا معاملہ اُس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایت محمدی، ولایت احمدی کے ساتھ انجام پاگئی اور کاروبار عبودیت دو طوقوں میں سے ایک طوق کے متعلق ہو گیا اور پہلے طوق کی بجائے حرف الف جو اس کے رب کی طرف سے ایک رمز ہے متمکن ہو گیا یہاں تک کہ محمد سے احمد علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام ہو گیا..... اس کی وضاحت یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوقوں سے مراد دو حلقہء میم ہیں جو اسم مبارک ”محمد“ کے اندر مندرج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دو طوق (م) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تعین، تعین جسدی بشری اور تعین روحی ملکی کی طرف اشارہ ہو اور تعین جسدی میں اگرچہ انتقال کے عارض ہونے کی بنا پر سستی اور نقص پیدا ہو گیا تھا اور تعین روحی نے قوت حاصل کر لی تھی لیکن پھر بھی اس تعین کا اثر باقی رہ گیا تھا اور اس کیلئے ہزار سال درکار تھے تاکہ اس کا اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعین (جسدی) کا کوئی نشان باقی نہ رہے اور جب ہزار سال

پورے ہو گئے اور اس تعین کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو ان دو طوق عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر زوال و فنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا الف جس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جاسکتا ہے اس کی جگہ بیٹھ گیا تو لازمی طور پر محمدؐ ”احمد“ ہو گیا اور ولایت محمدیؐ، ولایت احمدی میں منتقل ہو گئی۔ لہذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو تعین (میم) سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین (میم) سے کنایہ ہے اور یہ اسم (احمد) حضرت اطلاق سے زیادہ قریب ہو اور عالم سے دور تر۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۹۶)

واضح رہے کہ بفحوائے آ یہ کریمہ وللآخرة خیر لک من الاولى حقیقت احمدی بشریت وخلقیت کا قدرے شائبہ رکھنے کی بنا پر ہر لمحہ عروج لا متناہی سے شاد کام ہے، بنا بریں باعتبار عروج حقیقت احمدی کو حقیقت کعبہ سے افضل کہا جاسکتا ہے کیونکہ حقیقت کعبہ عروج نہیں رکھتی۔ واللہ ورسوله اعلم بحقیقة الحال اسم محمد میں دو میم کی بنا پر دوہری عبودیت ہے بنا بریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محمدیت کا رجحان عالم خلق کی طرف ہے اور اسم احمد میں ایک میم کی وجہ سے عبودیت کم اور عروجیت زیادہ ہے اسی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احمدیت کا تعلق خالق (یعنی عالم امر) کے ساتھ زیادہ ہے یہی تقاضا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ناموں کا۔ بقول شاعر

أدھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس بزرخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدود کا

اسم احمد میں ایک حلقہء عبودیت اس لئے رکھا گیا تا کہ احمدیت مخلوق پر بھی فیض جاری رکھے۔ اگر درمیان میں یہ حلقہ میم نہ ہوتا تو عبودیت بالکل معدوم ہو جاتی۔ یہ احد بن کراحد کے ساتھ ہی باقی رہتا اور ادھر ادھر عالم خلق کی طرف آمد ہی نہ ہوتی مکمل ادھر عالم امر ہی میں رہتے۔ یہاں صوفیائے وجودیہ نے موج میں کہہ دیا

احد، احمد وچہ میم مروڑی ایہہ تے کے نیں جانیا ای نہیں
 رانجھا روپ وٹا کے آیا کھیڑیں بناں ہیر دے کے پچھانیا ای نہیں
 کسی نے اپنے انداز میں یوں کہا

احد، احمد وچہ فرق نہ کوئی رتی اک بھید مروڑی دا

اک رانجھا سانوں لوڑی دا اک رانجھا سانوں لوڑی دا

جبکہ مشائخ نقشبندیہ اور صوفیائے شہودیہ نے پاس شریعت نہایت محتاط انداز
 میں کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم محمد میں اسم احمد کی نسبت عبودیت کا غلبہ ہے
 تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت عالم خلق کی طرف متوجہ رہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان احمدیت میں غایت قرب و عروجیت کے
 باوجود حلقہ عبودیت باقی رہا گو کمتر تھا تاکہ شب معراج مقام وصل میں پہنچ کر بھی امت
 کی طرف مراجعت کا فکر دامنگیر رہے۔ واللہ الحمد

وہ ہر عالم کی رحمت تھے کسی عالم میں رہ جاتے

یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

یاور ہے کہ اس دوران دین اسلام کی رشد و ہدایت، تبلیغ و دعوت اور تشہیر و تقویت
 کا بھرپور کام ہوا بے شمار علمائے راہنما، صوفیائے کاملین اور مجاہدین اسلام اعلیٰ
 کلمۃ الحق کی خاطر شب و روز کوشاں رہے کہ انہوں نے دین اسلام کی عظمت کے سکے
 جمادیئے اور علم لہرادیئے۔

پھر حکمت الہیہ کا تقاضا ہوا کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات جو عالم خلق کی
 مربی ہے اور اس کی طرف متوجہ ہے اسے اپنی طرف عالم امر کی جانب متوجہ کر لے پس
 جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے ایک ہزار اور چند سال بعد
 حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات متوجہ بحق ہو گئی تو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات پر

ہمہ گیر زوال آنا شروع ہوا..... امت کی عمر خیریت اختتام پذیر ہو گئی..... صوفیائے خام، علمائے سوء، امرائے سلطنت اور ارباب بست و کشاد آزاد خیالی کے زعم میں مبتلا ہو کر یہود و ہنود و نصاریٰ کی رسوم و عادات کے پابند ہو گئے اور مطلق العنان بادشاہ جلال الدین اکبر نے دین الہی ایجاد کر ڈالا..... جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کو پامال کر دیا گیا..... اور دین اسلام کی اصلی صورت و حقیقت، بدعات و خرافات کے دبیز پردوں میں چھپ گئی۔

اندریں حالات ضرورت تھی کسی ایسے مرد و حید اور فرد فرید کی جو حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی نیابت مطلقہ اور خلافت کاملہ پر فائز المرآم ہو کر اپنی حکمت بالغہ، دعوات صالحہ، تصرفات باطنیہ اور توجہات قدسیہ سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کر دے کہ بدعات و منکرات کا قلع قمع ہو جائے..... سنت و شریعت کا پہرہ ہو جائے..... اور دین اسلام کی صحیح صورت اور خدو خال نمایاں ہو جائیں..... لہذا یہ کام حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے کر دکھایا۔

آپ نے دین اسلام کی تجدید و تبلیغ کا کام کچھ اس انداز سے کیا کہ ہزارہ دوم میں جتنی بھی اسلامی تحریکیں اٹھیں گی ان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی روحانی توجہات و تاثیرات و برکات شامل ہوں گی۔ جس طرح قطب کے متعلقہ علاقے میں جتنے امور سرانجام پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان جملہ امور میں اس قطب کی برکات و حسنت، اثرات و توجہات کو اس علاقہ و شہر کے لئے سبب بنا دیتا ہے..... یونہی ہزارہ دوم میں عرب و عجم میں درس و تدریس، تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ، اشاعت و تشہیر، تحریک و تجدید وغیرہ امور دینیہ، اعمال صالحہ اور عقائد اسلامیہ کا جتنا کام ہو گا ان میں حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی روحانی توجہات و فیضان شامل ہو گا۔ والحمد لله علیٰ ذالک

واضح رہے کہ ہزار سالہ مجدد ہی مجددِ اعظم اور امامِ زمانہ ہوتا ہے جس کا کلام سوچوں کے زاویے بدلتا، قلب و نظر میں انقلاب برپا کرتا اور حاضر و موجود سے بیزار کر دیتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا

پوچھتے ہو مجھ سے قوموں کی امامت کیا ہے
خدا تجھ کو میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی اپنے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

عِيسَى عَلَى نَبِينَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَزُولُ فَرْمَايِدِ وَ
 عِيسَى هَمَارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر درود و سلام ہوں نَزُولُ فَرْمَايِمِ کے
 عمل بشریعتِ محمدی نماید علیہما الصلوات والتسليمات
 اور شریعتِ محمدی پر عمل کریں۔ ان دونوں پر صلوات و تسلیمات
 والتحيات، دران وقت حقیقتِ عیسوی از مقام خود عروج
 و تحیات ہوں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج فرمائے
 فرمودہ بمقام حقیقتِ محمدی کہ خالی ماندہ بود استقرار کند
 حقیقتِ محمدی کے مقام پر جو خالی پڑا ہوا تھا قرار پکڑے گی۔

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ حقیقتِ محمدی علی
 صاحبہا الصلوات عالم خلق میں جو فرائض سرانجام دے رہی تھی وہ فرائض اپنے کسی
 نائب کامل کے سپرد کر کے حقیقتِ احمدی میں ذات کے ساتھ مصروف ہو گئی ہے اور وہ
 نائب کامل حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی ہے۔ قرب
 قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نَزُولُ فَرْمَايِمِ گے تو شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا
 الصلوات کی تعمیل و تبلیغ اور تقویت و تائید کی بدولت حقیقتِ عیسوی علی صاحبہا الصلوات
 حقیقتِ محمدی علی صاحبہا الصلوات کے ساتھ قیام پذیر ہو جائے گی۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے قول عجیب
 سے بعض معاندین نے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ حضرت امام ربانی
 قدس سرہ العزیز نے در پردہ نبوت کا اعلان فرمایا ہے کیوں کہ آپ کا نام احمد ہے اور اس
 لئے حقیقتِ احمدی علی صاحبہا الصلوات سے مراد آپ خود ہیں العیاذ باللہ سبحانہ من

هذه الخرافات

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی اس واضح عبارت سے غلط اور غلیظ مفہوم مراد لینا دلیل محرومی اور حرماں نصیبی کی علامت ہے اور اہل اللہ پر الزام تراشی اور ان کے ساتھ سوء ظن رکھنا ہے جو سراسر گناہ، ظلم عظیم اور حرام ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ان بعض الظن اثم سے عیاں ہے۔

واضح رہے کہ حقیقت عیسوی کے حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰات کے ساتھ قیام پذیر ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حقیقت عیسوی علی صاحبہا الصلوٰات کو عالم امر میں حقیقت احمدی علی صاحبہا الصلوٰات کا قرب خاص رہا تھا جہاں دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کی ارواح مقدسہ کو حقیقت احمدی علی صاحبہا الصلوٰات، توجہات و تعلیمات سے نوازا کرتی تھی اور اسی قرب خاص کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم خلق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کا تذکرہ فرمایا اور اپنے دیس کی بولی بولی جیسا کہ آیہ کریمہ و مبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد اور ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات انا احمد فی السماء و محمد فی الارض (مواہب اللدنیہ) سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے متولد ہوئے کیونکہ آپ پر عالم امر کا غلبہ تھا جیسا کہ آیہ کریمہ و نفخت فیہ سے عیاں ہے اسی لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جہت عالم خلق مغلوب تھی اسی لئے حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح البیان نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محض بشر کہنا کفر ہے۔

مِنهَا - ۴۹

اگر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ نمی بود راہے بجناب قدس
اگر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ نہ ہوتا بارگاہ قدس خداوندی
خداوندی جل سلطانہ کہ سی نمود و نقاب از چہرہ
جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا اور توحید کے
توحید کہ سی کشود و فتح ابواب جنات کہ سی فرمود
چہرہ سے نقاب کون اٹھاتا اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا۔
کوہ کوہ صفات بشریہ باستعمال کند این لا کندہ سی
صفات بشریہ کے پہاڑ کے پہاڑ اس لا کی کدال کے استعمال سے
شود و عالم عالم تعلقات ببرکت تکرار این نفی منتفی
کھودے جاتے ہیں تعلقات کے جہان کے جہان اس نفی کی تکرار کی

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کلمہ طیبہ کی فضیلت و فیوضات
و برکات کا تذکرہ فرما رہے ہیں درحقیقت کلمہ طیبہ افضل الذکر اور افضل الکلام ہے جسے
صرف ایک مرتبہ خلوص قلب کے ساتھ پڑھ لینے سے انسان جنت کا حقدار ہو جاتا ہے
جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت من قال لا الہ الا اللہ مخلصاً من قلبہ
دخل الجنة سے عیاں ہے اسی بنا پر بندہ مؤمن ہر قسم کے ظاہر و باطن،

می گردد ونفی آن الہہ باطلہ رامنتفی می سازد واثبات
برکت سے منتفی ہوتے ہیں اور اس (کلمہ) کی نفی باطل معبودوں
آن معبود برحق راجل شانہ مثبت می سازد سالک
کی نفی کرتی ہے اور اس کا اثبات معبود برحق جل شانہ کو
مدارج امکانی رابمدد اوقطع می نماید وعارف بمعارج
ثابت کرتا ہے سالک اس کی مدد سے امکانی درجوں کو قطع کرتا ہے
وجوبی ببرکت اوارتقا می فرماید اوست کہ از تجلیات
اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معراجوں کی طرف ارتقاء فرماتا ہے
افعال بتجلیات صفات می برد واز تجلیات صفات بتجلیات
یہی (کلمہ) ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات تک لے جاتا ہے اور تجلیات
ذات می رساند

صفات سے تجلیات ذات تک پہنچاتا ہے۔

تا بہ جاروب لا نروبی راہ

جب تک لاکا جھاڑونہ ہو تو رستہ نہیں پاسکتا

خلوت و جلوت اور قول و فعل کے تضاد سے محفوظ ہو کر سراپا اسلام بن جاتا ہے ورنہ بقول
اقبال مرحوم

زبان نے کہہ بھی دیا لالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نرسی در سرائے الا اللہ

نہ ہی الا اللہ کی سرائے تک پہنچ سکتا ہے

والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ و

اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع

علی الہ الصلوٰت والتسلیمات اتمھا واکملھا.

کو لازم جانے آپ پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوٰت و تسلیمات ہوں

جو بندہ مومن کلمہ طیبہ کے جملہ تقاضوں کو پورا کر لیتا ہے وہی ایمان کی حلاوت

و چاشنی کو چکھ سکتا ہے۔ اس کے پانچ بنیادی تقاضے درج ذیل ہیں

۲..... اخلاص

۱..... ایمان اور اعمال صالحہ

۴..... حب خدا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۳..... انقلاب

۵..... استقامت

(مزید تفصیلات مقالات ابوالبیان میں ملاحظہ فرمائیں)

مِنَهَا - ۵۰

خدمتِ مخدوم شیخ شرف الدین منیری در مکتوبات
حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں
خود نوشتہ اند کہ معوذتین را در نماز نباید خواند
لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ
کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ در قرآنیت این دو سورہ
ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کی قرآنیت میں جمہور

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز معوذتین (سورہ الفلق، سورہ
الناس) کی قرآنیت بذریعہ کشف والہام بیان فرما رہے ہیں۔ علمائے کرام جن مسائل
میں مضطرب ہوتے ہیں اولیائے کاملین اور علمائے راخنین پر وہ علوم و مسائل و معارف
بذریعہ الہام و کشف عیاں ہو جاتے ہیں۔ یہاں بھی جب شیخ الاسلام یحییٰ منیری قدس
سرہ العزیز کے بیان کردہ موقف پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے عمل کرنا
شروع فرمادیا تو آپ پر معوذتین مثالی صورت میں ظاہر فرمائے گئے تو ان کے قرآن
کریم سے اخراج کی شکایت پر آپ ان کی قرآنیت کے قائل ہو گئے۔ والحمد للہ
علیٰ ذالک در اصل ان دونوں سورتوں کی عدم قرآنیت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن
مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک باطل روایت ہے:

شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد اور صحیح ابن

مخالف جمہور است پس در فرض قطعی قرأت آن دو
 کے مخالف ہیں لہذا فرض قطعی میں ان دو سورتوں کی قرأت
 سورہ محسوب نباید کرد و این فقیر ہم نمی خواند
 کو شمار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فقیر بھی نہیں پڑھتا تھا
 تا آنکہ روزے برین فقیر ظاہر ساختند کہ گویا معوذتین
 یہاں تک کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کرتے ہیں کہ گویا معوذتین

حبان کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی
 اللہ عنہ اپنے مصحف مبارک میں معوذتین کو تحریر نہیں فرماتے تھے اور طبرانی وغیرہا کے حوالہ
 سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مصاحف سے معوذتین کو کھرچ کر نکال دیتے تھے
 اور کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب اللہ سے نہیں ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے
 ساتھ محض پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی نے
 بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جو
 یہ اشکال وارد ہوتا ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ تمام
 مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کریم میں شامل ہیں
 جو شخص ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج (کافر) ہے اور حضرت
 ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے عدم قرآنیت کی نقل منقول ہے وہ باطل ہے
 حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔
 علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح بھی ہوں تو
 ان کی توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک معوذتین کا

حاضر اند و از مخدوم درباب منع قرأت آنها در فرض حاضر ہیں اور مخدوم سے فرض میں ان کی قرأت کی ممانعت کے بارے شکایت دارند کہ ما را قرآن اخراج می نماید ازاں زمان میں شکایت کرتی ہیں کہ ہم کو قرآن سے نکالتے ہیں اسی وقت سے ازاں منع ممتنع گشتم و شروع درقرأت آنها درفرض نمودم اس ممانعت سے باز آ گیا اور میں نے فرض میں ان کی قرأت شروع کر دی۔

قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھوانا ثابت نہیں تھا اگرچہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک لکھوانا بھی ثابت تھا۔ (فتح الباری شرح بخاری ۷۳۲/۸)

عظیم مفسر قرآن حضرت علامہ محمود آلوسی حنفی بغدادی مجددی خالدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن کریم کی بعض سورتوں میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تو اہل بیت سے ثابت ہے اور اخبار آحاد میں اتنی قوت نہیں کہ وہ تواتر کے معارض ہو سکیں اور نہ ہی ظن، یقین سے مزاحم ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی)

جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سورتوں کی فضیلت یوں منقول ہے ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات الم تر ایات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں امشب ایسی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (صحیح مسلم باب فضل قرآۃ المعوذتین)

ہر مرتبہ کہ آن دوسورہ کریمہ را در فرض می خوانم احوال
 ہر مرتبہ جب ان دونوں سورہ کریمہ کو میں فرض میں پڑھتا ہوں
 عجیبہ مشابہہ می نمایم والحق کہ چون بعلم شریعت
 عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں اور حق یہ ہے کہ جب علم شریعت
 رجوع نمودہ آید منع قرأت آن دوسورہ را در فرض وجہ ہے
 کی طرف رجوع کیا جائے ان دونوں سورتوں کو فرض میں قرأت کی
 پیدا نمی شود بلکہ شبہ انداختن است در قطعیت
 ممانعت کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی بلکہ شبہ ڈالنا ہے اس متفق

حضرت یحییٰ منیری قدس سرہ کا مختصر تعارف

سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ قدس سرہ العزیز ۲۶ شعبان
 المعظم ۶۶۱ھ سلطان ناصر الدین محمود کے دور سلطنت میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں
 متولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ایک تقویٰ شعار اور پارسا خاتون تھیں کہ انہوں نے
 کبھی آپ کو بے وضو دودھ بھی نہیں پلایا تھا۔ حضرت شیخ نے علوم دینیہ حضرت علامہ
 اشرف الدین ابوترامہ رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل کے بعد اپنے استاد کامل کی دختر نیک اختر
 سے نکاح فرمایا:

آپ سلسلہ عالیہ کبرویہ کے عظیم روحانی پیشوا خواجہ، خواجگان حضرت شیخ نجیب
 الدین فردوسی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کی غرض سے حاضر
 خدمت ہوئے تو شیخ نے دیکھتے ہی فرمایا ”درویش آؤ برسوں سے تمہارا انتظار
 کر رہا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں“۔ خواجہ فردوسی قدس سرہ العزیز

ایں حکم مجمع علیہ کہ ما بین الدفتین قرآن با آنکہ ضم علیہ حکم کی قطعیت میں کہ جو کچھ دفتین کے درمیان ہے وہ قرآن ہے سورہ از واجبات است کہ ظنی ست پس منع قرأت دو اس کے ساتھ ہی سورت کا ملانا واجبات سے ہے جو کہ ظنی ہے پس (ان)

نے بیعت لیتے ہی خرقة خلافت، شجره طریقت اور دیگر نصاب تحریر فرما کر رخصت کر دیا۔ جب آپ نے اپنی تعلیم و تربیت کیلئے کچھ اور قیام کرنے کی اجازت چاہی تو شیخ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”تمہاری تعلیم و تربیت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدر ہے۔“

آپ چالیس سال تک جنگلوں اور پہاڑوں میں عبادت و ریاضت کرتے رہے پھر ہجوم خلق کی بنا پر مجبوراً بہار شریف میں اقامت گزریں ہو کر ساری عمر درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں گزار دی۔ آپ کی ۶ شوال المکرم بروز جمعرات بوقت چاشت ۷۸۲ھ تجہیز و تکفین کی گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ نے بوقت وصال وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں تین اوصاف پائے جاتے ہوں۔ وہ شخص صحیح النسب سید ہو..... تارک سلطنت ہو..... اور حافظ قرأت سب سے ہو۔ چنانچہ لوگ منتظر تھے کہ یکا یک حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز تشریف فرما ہوئے جن میں مذکورہ بالا تینوں شرائط موجود تھیں اس لئے انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی اور چند روز مرقد انور پر چلے کش رہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔

دلا ہرگز نیابی در جہاں ہچوں شرف پیرے
کہ مالا مال ازو شد سید اشرف جہانگیرے

سورہ را اگرچہ ظنی باشند ولو علی فرض المحال ہیچ
 دو سورتوں کی قرأت کی ممانعت اگرچہ ظنی ہو بفرض محال کوئی وجہ نہیں
 وجہ نباشد کہ قرأت انہا بطریق ضم با فاتحہ است
 ہے کہ ان کو فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے۔ شیخ مقتداء
 فالعجب من الشيخ المقتدی مثل هذا الكلام کل العجب
 سے اس قسم کے کلام کا ہونا بہت ہی حیران کن ہے۔ سید البشر اور

والصلوة والسلام علی سید البشر والہ الاطہر

آپ کی آل اطہر پر درود و سلام ہو۔

آپ کے مکتوبات شریفہ، ملفوظات قدسیہ، رسائل مبارکہ اور تصانیف عالیہ سے
 آپ کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف لطیفہ کے
 علاوہ آپ کے مکاتیب شریفہ علوم و معارف کا گنجینہ اور اسرار شریعت و طریقت کا خزینہ
 ہیں۔ آپ کے مکتوبات تین قسم کے ہیں

۱..... مکتوبات صدی ۲..... مکتوبات دو صدی ۳..... مکتوبات بست و ہشت

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ العزیز نے اوراد غوثیہ میں دیگر نصائح
 کے علاوہ ایک وصیت تحریر فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ”اگر مرشد حاضر نہ باشد
 مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کند
 تافریب نفس ووسواس خناس دریابد“

مِنهَا - ۵۱

حظ وافر از طریق صوفیہ بلکہ از ملت اسلام کسے
صوفیہ کے طریق سے بلکہ ملت اسلام سے وافر حصہ اسے
راست کہ فطرت تقلید و جبلت متابعت دروے بیشتر
ہی ملتا ہے کہ جن میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی عادت
است مدار کار اینجا بر تقلید ست و مناط امر دریں
زیادہ ہے۔ یہاں کام کا مدار تقلید پر ہے اور اس مقام میں

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تقلید و متابعت کی فضیلت
واہمیت بیان فرما رہے ہیں۔ دراصل دین اسلام کی سرشت میں تقلید و اتباع ایک بنیادی
رکن ہے۔ جس شخص کی فطرت و طبیعت میں تقلید و اتباع جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ شخص
اسلام کی برکات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و فیوضات سے مالا مال ہوگا۔
جملہ سلاسل طریقت بالعموم اور طریقت نقشبندیہ میں بالخصوص تقلید و متابعت کا خصوصی
طور پر اہتمام و انصرام کیا جاتا ہے۔ علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کا مطمع نظر ہی
ترویج شریعت اور تائید ملت ہوتا ہے جو بجز تقلید و متابعت کے ممکن نہیں، چنانچہ حضرت
امام ربانی قدس سرہ العزیز اس کے متعلق ایک مقام پر رقمطراز ہیں

جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

تخلیق انسان سے مقصود، وظائف، اطاعت و عبادت کی ادائیگی اور حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف کلیتہً متوجہ رکھنا ہے اور یہ بات سید الاولین والاخرین علیہ التحیۃ والثناء کی ظاہری و باطنی کامل تابعداری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً، فعلاً، ظاہراً، باطناً، عملاً اور اعتقاداً کمال متابعت عطا فرمائے۔ آمین
(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۱۰)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تقلید کے متعلق قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق
علمائے کرام نے کتاب و سنت کی روشنی میں تقلید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں
تقلید مذمومہ اور تقلید محمود

تقلید مذمومہ

یہ وہ تقلید ہے جس میں کوئی شخص سنت و شریعت و طریقت کے برعکس کسی جاہل، غافل، تابع ہوئے و ہوس اور نااہل کی محض ہٹ دھرمی اور کورزوقی کی بناء پر اندھی پیروی کرنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ کتاب و سنت میں اس کی مذمت اور ممانعت فرمائی گئی ہے جیسا کہ آیات کریمہ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا و اتبع ہواہ اور اتخذوا احبارہم و رہبانہم ارباباً من دون اللہ (توبہ ۳۱) اسی طرح ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات لا طاعة للمخلوق فی معصیۃ الخالق سے عیاں ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس قسم کی تقلید کی مذمت بیان کرتے ہوئے خوب کہا

طرفگی با در نہاد کائنات

نیست از تقلید تقویم حیات

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو

آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

تقلید محمود

وہ تقلید ہے جس میں بندہ مومن ائمہ مجتہدین، علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کی اتباع کرتا ہے کیونکہ یہ نفوس قدسیہ علمائے شریعت، عاملین سنت اور کاملین طریقت ہوتے ہیں جو اغیار کی محبت سے آزاد اور ہوا و ہوس سے بیزار ہوتے ہیں۔ بنا بریں کتاب و سنت میں ان کی تقلید و متابعت کی تلقین فرمائی گئی ہے جیسا کہ آیات کریمہ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (النحل ۴۳) اور واتبع سبیل من اناب الی سے عیاں ہے۔ یہی وہ تقلید ہے کہ جس کے ذریعے محبت کو دوام اور عشق کو استحکام ملتا ہے۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد
عاشقی؟ محکم شواز تقلید یار

موطن بر متابعت تقلید انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات
 معاملہ کا انحصار متابعت پر ہے انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات کی
 بدرجات علیا می رساند و متابعت اصفیا بمعارج عظمیٰ
 تقلید اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اصفیاء کی متابعت بڑی معراجوں

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی
 حکمت ہے کہ کسی شخص کی فطرت و سرشت میں تقلید و متابعت کے رجحان کا غالب ہونا
 اس کے صاحب استعداد ہونے کی علامت ہے۔ اس تقلید سے مراد ائمہ شریعت کی فقہی
 تحقیقات بھی ہیں جس کی بنا پر ان کے مقلدین حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلواتے ہیں
 بنا بریں مقلدین، سنت و شریعت کی برکات سے مالا مال ہوتے ہیں اور اس تقلید سے
 مراد مشائخ طریقت کی صوفیانہ تخلیقات و تحقیقات بھی ہیں جو کتاب و سنت سے ماخوذ
 ہوتی ہیں بنا بریں سالکین و عارفین، باطن شریعت اور احوال مصطفویہ علی صاحبہا
 الصلوٰت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اللہم ارزقنا ایہا

می برد ابوبکر چون این فطرت را بیشتر داشت برے
 تک لے جاتی ہے حضرت ابوبکر چونکہ یہ فطرت زیادہ تر رکھتے تھے ۳
 توقف بسعادت تصدیق نبوت مسارعیت فرمودہ رئیس
 اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت جلدی فرمادی اور صدیقوں
 صدیقار آمد و ابوجہل لعین چون استعداد تقلید و
 کے رئیس ہو گئے اور ابوجہل لعین چونکہ تقلید اور متابعت کی استعداد کم

۳ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیائے عظام، صوفیاء
 کرام علیہم الصلوٰات کی متابعت مسلمین و سالکین کو درجات عظمیٰ اور مقامات اقصیٰ تک
 پہنچا دیتی ہے۔ خلیفہ رسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جبلت و فطرت میں
 تسلیم و تصدیق اور متابعت و تقلید سب سے زیادہ تھی اس لئے انہوں نے حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم کی نبوت و معجزات و فرمودات کو بغیر کسی توقف و تامل کے مان لیا اسی بنا پر
 آپ صدیقوں کے سردار ہو گئے جبکہ ابوجہل لعین میں تقلید و اتباع کی استعداد کم تر تھی
 اس لئے وہ بڑا دانشمند اور خطیب ہو کر بھی بد بخت ہی رہا اور کمالات نبوت سے فیضیاب
 نہ ہونے کی بناء پر ملعونوں کا پیشوا ہو گیا۔

ایسے ہی بعض لوگوں کی فطرت میں تنقید و تشکیک اور اضطراب و تخمین زیادہ
 ہوتا ہے اس لئے وہ مشائخ عظام سے شرف بیعت کے باوجود فیوض و برکات حاصل
 نہیں کر پاتے بلکہ مشائخ کی ہر نقل و حرکت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے اور ہمیشہ اس ٹوہ
 میں رہتے ہیں کہ کب ان سے کوئی لغزش سرزد ہو تو ہم ان پر انگشت نمائی اور زبان طعن
 دراز کریں اور اگر اپنے شیخ و مرشد کا کوئی کمال و کرامت دیکھ کر ان کی عظمت کو تسلیم بھی
 کر لیں پھر بھی سطحی اور زبانی طور پر ہی تسلیم کرتے ہیں، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مائل

نہیں ہوتے اس لئے اپنے شیخ کے فیض و برکت سے محروم رہ جاتے ہیں جو نامراد و بد بخت ہونے کی علامت ہے۔ العیاذ باللہ سبحانہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ مرید کو جو بھی مرتبہ و مقام و کمال حاصل ہوتا ہے وہ اپنے شیخ کی تابعداری اور تقلید سے ہی حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے ہر حال میں اپنے شیخ کے عادات و اطوار، اعمال و افعال، لباس و کردار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات، صورت و سیرت کو ہی اپنانا چاہئے یہاں تک کہ فقہ کے مسائل بھی شیخ کی اداؤں سے سیکھنے چاہئیں تاکہ اس کا ظاہر و باطن اپنے شیخ کے رنگ میں رنگا جائے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

جہاں تک ممکن ہو سکے تقلید کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید میں بہت فائدے اور ثمرات ہیں اور اس کے طریقے کی مخالفت میں سراسر خطرات ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۳)

چونکہ اتباع شیخ، محبت شیخ کا ثمرہ ہوتی ہے اس لئے مرید فرط محبت کی وجہ سے تصور شیخ میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ اس کے حواس پر شیخ کی شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے یہاں تک کہ شیخ کی صورت و سیرت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے

تو من شدى من تو شدم تو تن شدى من جاں شدم

تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

جیسا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فانی الشیخ کے مرتبے میں اس قدر

مغلوب ہو گئے تھے کہ صورت و سیرت کے اعتبار سے جمال نبوت کے آئینہ دار بن گئے

اور ہجرت کے موقع پر اہل مدینہ کے لئے آقا اور غلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

(صحیح بخاری ۱/۵۵۵)

تبعیت کمتر داشت بآن سعادت مستعد نگشت و
 تر رکھتا تھا اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا
 پیشوائے ملعونان شد مرید ہر کمال را کہ مییابد از
 ہو گیا مرید جو کمال پاتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے
 تقلید پیر خود سی یابد خطائے پیر بہتر از صواب مرید
 پاتا ہے ۴ پیر کی خطا مرید کی درستگی سے بہتر ہے یہی

۴ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی تلقین فرما رہے ہیں کہ مرید
 اور سالک کیلئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کی کسی ادا پر تنقید کرے خواہ شیخ کی وہ
 ادا، نظما ہی کیوں نہ ہو۔ دراصل بعض لوگ بڑے ناقد مزاج اور نکتہ چین ہوتے ہیں وہ
 ہر کسی کو اپنے موہوم معیار پر پرکھتے ہیں حالانکہ معیار کتاب و سنت ہے۔ اس قسم کے
 آوارہ مزاج لوگوں کو کس دانانے مشورہ دیا کہ وہ ادب و نیاز کی وادی میں قدم رنجاں
 فرمائیں اور پریم نگر میں اتریں۔ بقول شاعر

جو سیس تلی پہ دھر نہ سکے

وہ پریم گلی میں آئے کیوں

حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حصول علم و فیض
 کیلئے تسلیم و اطاعت پر اور اعتراض نہ کرنے پر پابند رہنے کی تاکید فرمائی جیسا کہ آیہ
 کریمہ فان اتبعنی فلا تسئلنی عن شیء (الکہف ۷۰) سے عیاں ہے۔

مولانا روم مست بادۃ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

چوں گرفتگی پیر را تسلیم شو

ہم جو موسیٰ زیر حکم خضر رو

مرید کی کیفیت مردہ بدست غسل کی مانند ہونی چاہئے اور وہ سراپا ادب و نیاز اور مجسمہ تسلیم و انقیاد ہو اور اپنے حال و قال سے یوں گویا ہو

اتنی رمز پچھانو یارو بہت کراں کیہہ گلاں

میں کریوں ہتھ واگ بلوچے جدھر چلاوے چلاں

بلکہ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو غلبہ محبت کی بنا پر یہاں تک فرما دیا کہ اگر شیخ، کامل مکمل اور سنت و شریعت کا پابند ہو اور وہ مرید کو کہے کہ اپنے مصلیٰ کو شراب سے رنگ دے تو مرید کو بغیر کسی توقف و تامل کے ایسا کر گزرنا چاہئے ممکن ہے مرید کا امتحان مقصود ہو

بمئے سجاده رنگیں کن گرت پیر مغان گوید

اس کی مثال قرآن مجید سے ملاحظہ ہو کہ جب رب تعالیٰ جل سلطانہ نے شیخ

الانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سیدنا اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام کے

ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کے نازک

حلقوم پر چھری رکھ دی تو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم بس ہاتھ روک لو، ہم نے

تمہارے جذبہ تسلیم و رضا کو ہی دیکھنا تھا، ذبح پسر مطلوب نہیں تھا بلکہ تمہارا امتحان مقصود

تھا جیسا کہ آیات کریمہ قد صدقت الرء یا انا کذالك نجزی المحسنین

ان هذا لہو البلاء المبین (صافات ۱۰۵، ۱۰۶) سے عیاں ہے۔

غرضیکہ شیخ کا بظاہر خلاف شریعت قول و عمل مبنی بر حکمت ہوتا ہے اس لئے مرید کو

ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اپنے شیخ کی خطا کو اچھالے اور برسبر منبر و محراب اور اپنی محافل

میں ان پر زبان طعن دراز کرے۔ دیکھئے جب غزوہ احد میں درہ پر متعین صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہو گئی تو خاصی

پریشانی و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا گو بعد میں اللہ رب العزت جل سلطانہ نے اظہار

ناراضگی کے بعد معافی کا اعلان فرمادیا جیسا کہ آیہ کریمہ ولقد عفا عنکم (آل عمران ۱۵۲) سے عیاں ہے۔

ایسے ہی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے شجرہ ممنوعہ سے کھا بیٹھنے کے بعد ان کی لغزش کو اچھالنا دلیل محرومی ہے کیونکہ ان کے اجتباء، قبولیت توبہ اور اعلیٰ مراتب قرب کی راہیں ان پر واہونے کا اعلان، ان کے ہبوط آسمانی اور نزول جنت سے قبل ہی تواب و رحیم رب نے فرمادیا تھا جیسا کہ آیہ کریمہ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ و ہدیٰ (طہ ۱۲۲) سے واضح ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ولم یکن اخراج اللہ آدم من الجنة و اہباطہ منها عقوبة له لانه اہبطہ بعد ان تاب علیہ و قبل توبتہ یعنی اللہ تعالیٰ کا سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے اخراج و اہباط کا حکم ان پر عتاب کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ ان کی توبہ اور قبولیت توبہ کے بعد انہیں جنت سے اتارا گیا تھا (قرطبی ۱/۳۲۱)۔ کیونکہ وہ خلافت ارضیہ پر فائز المرام ہونے کیلئے اترے تھے۔

باقی رہا آیہ کریمہ و عصی ادم ربہ فغوی (طہ ۱۲۱) میں سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف عصیان و غوایت کا منسوب ہونا حقیقتاً نہیں بلکہ صورت ہے کیونکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش دانستہ نہیں بلکہ بھولے سے بلا ارادہ سرزد ہو گئی تھی جیسا کہ آیہ کریمہ ففسی ولم نجد له عزمًا (طہ ۱۱۵) سے آشکارا ہے نیز عصی اور غوی کا انتساب سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف صنعت مشککہ کے قبیل سے ہے جیسا کہ آیہ کریمہ جزاء سیئة سیئة مثلها سے واضح ہے کیونکہ برائی کے بدلے کو محض صوری مشابہت کی بنا پر سیئة فرمایا گیا ہے حقیقتہً برائی کا بدلہ برائی نہیں کیونکہ کسی برے فعل کو جائز قرار دینا حق تعالیٰ سبحانہ کی شان کے لائق نہیں۔ تعالیٰ اللہ عن

ذالك علواً كبيراً

واضح رہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کے امتیوں سے سہو و خطا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا البتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ منقول ہے وقیل یمتنعان علیہم الا علی جهة السهو والخطاء وہم ماخوذون بذالك وان كان موضوعاً من امتہم (البحر المحیط ۱/۱۶۲) علمائے متکلمین سہو و نسیان کو زلت سے موسوم کرتے ہیں اور صدور زلت، اظہار عصمت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا لطف ہے جو نبی علیہ السلام کو فعل خیر پر ابھارتا اور اسے شر سے بچاتا ہے بقائے اختیار کے ساتھ تا کہ معنائے ابتلاء کا تحقق (برقرار) رہے ہی لطف من اللہ تعالیٰ یحملہ علی فعل الخیر ویزجرہ عن الشر مع بقاء الاختیار تحقیقاً للا بتلاء (شرح عقائد ۷۴)

مواخذہ سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کی عظمت و رفعت و فضیلت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ان کی کمال عظمت و رفعت و فضیلت کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ مواخذہ کا موجب انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کی بارگاہ قدس جل سلطانہ میں غایت قربت اور کمال محبوبیت ہوتا ہے جیسا کہ مقولہ حسنات الابرار سیئات المقربین سے عیاں ہے۔ مولانا روم مست بادۃ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو بیان فرمایا ہے

وصلت عامہ حجاب خاصداں

طاعت عامہ گناہ خاصگان

جن کے زتبے ہیں سوان کی سوا مشکل ہے

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے زلت آدم (علیہ السلام) پر مواخذہ کا تذکرہ

یوں بیان فرمایا ہے

بود آدم دیدہ نور قدیم موائے در دیدہ بود کوہ عظیم

یعنی سیدنا آدم علیہ السلام نور قدیم کی آنکھ تھی اور آنکھ میں اگر بال بھی پڑ جائے تو آنکھ کی نزاکت اسے برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا اور باریک سا بال بھی کوہِ عظیم کی مانند ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں سیدنا آدم علیہ السلام کا ربنا ظلمنا انفسنا کا اعتراف و اقرار اور اس پر توبہ و استغفار ان کے کمالِ عبدیت اور غایتِ عجز و انکسار کا مظہر ہے۔ بقول شاعر

الہی انتہائے عجز کا اقرار کرتا ہوں

خطا و سہو کا پتلا ہوں استغفار کرتا ہوں

یونہی اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے جب کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے تو حالتِ خواب یا مراقبہ میں انہیں خود حق تعالیٰ سبحانہ مطلع فرمادیتے ہیں یا ان کے مشائخِ عظام انہیں متنہہ فرمادیتے ہیں اور اس خطا کے ارتکاب پر انہیں ڈانٹ پلا دیتے ہیں یوں ان کے مشائخِ عظام انہیں توبہ کراتے ہیں اور بارگاہِ قدس جل سلطانہ سے معافی لیکر دیتے ہیں۔

نیز لغزش پر اطلاع پانے کے بعد وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کس قدر آہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہیں نہ جانے وہ کیا کیا کرتے ہیں کہ جن کے بدلے میں ان پر مغفرتوں و بشارتوں اور بلندی درجات کے دروازے وا کر دیئے جاتے ہیں یوں انہیں گناہ و خطا پر برقرار نہیں رہنے دیا جاتا۔ غالباً ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات اذا احب اللہ عبداً الن یضرہ ذنب ثم تلا ان اللہ یحب التوابین (احیاء العلوم) کا بھی یہی مفہوم ہے اور علمائے اہلسنت کا بھی یہ موقف ہے کہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں یوں انبیائے کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی قبولیت توبہ اور مغفرت کا سامان ہو

جاتا ہے اسلئے ان کی لغزش و خطا کو دھرانا اور بدگمانی کی بنا پر اسی شبہ میں پڑے رہنا دلیل محرومی ہے۔ مقولہ مشہور ہے خطائے بزرگان گرفتن خطا است اس لئے بزرگوں کی غلطی کی تشہیر سے اجتناب کرنا، اسے نظر انداز کرنا اور خاموش رہنا ہی احوط اور اسلم ہے۔

علاوہ ازیں اہل اللہ کی خطائیں ہماری عبادتوں سے بدرجہا بہتر ہیں کہ ان کی معافی بھی ہو چکی جبکہ ہمیں اپنی عبادات کی قبولیت کا بھی علم نہیں ہوتا اسی لئے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے اپنے اعمال و عبادات کو تہمت زدہ جاننے کی تقلین فرمائی ہے تاکہ ریواسمعه کا خیال بھی نہ آنے پائے اور سالکین اپنی پارسائی کے ڈھنڈورے پیٹنے اور اناخیر منہ کے راگ الاپنے سے بچیں رہیں ورنہ بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ

گر نہ فرزند بلیسی امے عنید
پس بتو سیراٹ آن سگ کے رسید
وائے ناکامی زاہد کہ جبیں پر اس کی
داغ سجدہ تو بنا داغ محبت نہ بنا

مختصر یہ کہ اپنی عبادات پر ناز کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس ان کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں نیز اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب ہوتے ہیں اس لئے انہیں ذلیل و حقیر جاننے سے بچنا چاہئے

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توجہ دانی دریں گرد سوارمے باشد

است ازیں جاست کہ ابوبکر طلب سہو پیغمبر علیہ
 وجہ ہے کہ ابوبکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کا سہو طلب کرتے ہیں ۵
 الصلوٰۃ والسلام می نماید کہ یالیتنی کنت سہو محمد
 اے کاش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو بن جاؤں اور حضرت پیغمبر
 و حضرت پیغمبر درشان بلال رضی اللہ عنہ فرمودہ اند کہ
 نے بلال کے بارے میں فرمایا ہے بلال کی سین اللہ کے

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ خطائے شیخ، مرید کی
 درستگی سے بہتر ہے اسی لئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یالیتنی کنت
 سہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آرزو کی تھی۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سہو کے متعلق قدرے وضاحت ہدیہء قارئین ہے۔ وباللہ التوفیق
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو و نسیان کے متعلق
 یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

سہو و نسیان حضرت پیغمبر علیہ السلام پر جائز بلکہ واقع ہے جیسا کہ حدیث
 ذوالیدین میں وارد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی قطعی کے ذریعہ سہو و نسیان پر
 اطلاع فرما کر صواب کو خطا سے جدا کر دیا۔ نبی کا خطا پر قائم رہنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس
 سے احکام شرعیہ کا اعتماد رفع ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۹۶)

حدیث ذوالیدین (عمیر بن عبد عمرو) کی وضاحت کتب احادیث میں کچھ یوں
 ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نماز عصر
 پڑھائی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا
 اقصر الصلوٰۃ یا رسول اللہ ام نسیت (یا رسول اللہ کیا نماز قصر کر دی گئی یا

آپ سے بھول ہو گئی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابا ارشاد فرمایا لم انسی ولم تقصر نہ میں بھولا ہوں نہ نماز قصر ہوئی (ابن ماجہ ۸۶)۔ بلکہ مؤطا امام مالک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یوں منقول ہیں کل ذالك لم یکن یعنی کچھ بھی نہیں ہوا وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا انسی لانسی انسی لاسن یعنی میں اس لئے بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں کہ کوئی سنت قائم کر دوں (مؤطا امام مالک کتاب السہو) اسی طرح حضرت علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا لست انسی ولكن انسی یعنی میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں قرآن مجید میں ارشاد ہے سنقرئك فلا تنسى الا ماشاء الله (الاعلیٰ: ۶) یعنی ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ (الشفاء جلد دوم)

غرضیکہ عامۃ الناس کا نسیان مبنی بر غفلت ہوتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کا نسیان مبنی بر حکمت ہوتا ہے کیونکہ وہ بھولتے نہیں بھلائے جاتے ہیں۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ جمہور متکلمین اہل سنت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلوٰت اپنے دور نبوت میں کبار سے مطلقاً اور صغائر سے عمداً معصوم ہوتے ہیں۔ گوا کثر مشائخ اہل سنت سہواً انبیاء (علیہم الصلوٰت) کے قائل ہیں لیکن جو صغائر، دناءت و خست و رذالت کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوٰت سے ممکن نہیں جیسے نوالہ کا سرقہ اور ایک دانہ بھر تول ناپ میں کمی کرنا لیکن محققین نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اگر انہیں متنبہ کر دیا جائے تو وہ اس سے رک جائیں۔ ایسے ہی محققین اہل سنت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات قابل نفرت امور سے بھی معصوم ہوتے ہیں جیسے امہات و آباء کرام اور زوجات محترمت کا فجور و رذالت اور خست

ودنات۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے سہو و نسیان کو ہی زلت کہا جاتا ہے۔ (شرح عقائد، شرح فقہ اکبر لعلی قاری، مقالات کاظمی وغیرہا)

واضح رہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ امور تبلیغیہ میں آپ پر سہو اور نسیان طاری نہیں ہو سکتا کہ آپ رشد و ہدایت کی تبلیغ فرمائیں اور کوئی غلط بات بتلا دیں البتہ دنیوی معاملات اور عبادات میں بعض اوقات آپ پر نسیان طاری ہو جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ علی الفور آپ کو امر واقعہ سے آگاہ فرمادیتا تھا اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ امور اعتقادیہ میں آپ پر نسیان نہیں آ سکتا (شرح مسلم للنووی جلد اول) اسی بنا پر امام الہدیٰ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں:

الانبياء احق بالعصمة لان الامم مامورون باتباع الانبياء
لا الملائكة یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات عصمت کے زیادہ حقدار
ہیں کیونکہ امتوں کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ملائکہ کو۔ (نبراس ۲۸۴)

”سین بلال عند اللہ شین“ کہ بلال عجمی بود در اذان اسہد ہاں شین ہے ۱ چونکہ بلال عجمی تھے اذان میں سین مہملہ سی گفت بسین مہملہ ونزد خدائے عزوجل و علا اسہد کے ساتھ اسہد کہا کرتے تھے خدائے عزوجل و علا کے ہاں

۲ یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ بعض حضرات کی عجز و نیاز مندی اور اخلاص و للہیت حریم قدس جل سلطانہ میں اس قدر مقبول و محبوب ہوتی ہے کہ ان کی خطا بھی دوسروں کے افعال صحیحہ اور اعمال صالحہ سے بہتر ہوتی ہے خواہ وہ زبان دان اور قادر الکلام نہ بھی ہوں۔ قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز نے اس سلسلہ میں شجاع طریقت حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس سرہ العزیز کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے حضرت شیخ عجمی رحمۃ اللہ علیہ امام اہلسنت حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ العزیز کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی اور وہ عربی سے نابلد تھے ایک مرتبہ خواجہ حسن بصری، خواجہ حبیب کے حجرہ کے پاس سے گذرے جبکہ شیخ عجمی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز مغرب میں مشغول ہو گئے چونکہ شیخ عجمی عربی تلفظ کو صحیح طریقہ کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے خواجہ حسن نے ان کی امامت میں نماز ادا نہ فرمائی۔ جب رات کو سوئے تو خواب میں خدا تعالیٰ جل سلطانہ کا دیدار نصیب ہوا اور عرض کی ”بار خدا یا رضائے تو اندر چہ چیز است“ بار خدا یا تیری رضا کس چیز میں ہے ارشاد ہوا اے حسن تجھے میری رضا کا مرتبہ ملا مگر قدر ندانستی تو نے اس کی قدر نہیں کی اگر تو کل شب حبیب کے پیچھے نماز ادا کر لیتا تو اس کی صحت نیت تجھے عبادت کی حقیقت سے آشنا کر دیتی اور میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

(کشف المحجوب فارسی ۹۴)

یونہی مؤذن رسول حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی اذان پر جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اعتراض کیا اور کہا کہ بلال حبشی ہونے کی وجہ سے اشہد کی بجائے اسہد کہتے ہیں کسی اور صاحب نے اذان دی تو صبح ہی طلوع نہ ہوئی ارشاد فرمایا یہ بجا ہے کہ بلال (رضی اللہ عنہ) عجمی ہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت سے واقف نہیں ان کا تلفظ درست نہیں مگر سین بلال عند اللہ شین یعنی بلال کی سین اللہ کے ہاں شین ہی ہے۔

دیکھئے خدائے بے نیاز دوسروں کے صواب و نیکی سے بھی راضی نہیں مگر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خطا پر بھی راضی ہے بقول شاعر

ع براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

اواشہد است پس خطائے بلال بہتر از صواب دیگران باشد
ان کی اسہد، اشہد ہے لہذا بلال کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہوئی۔

ع براشہد توخندہ زند اسہد بلال

تیری اشہد پر بلال کا اسہد ہوتا ہے

از عزیزم شنیدہ ام کہ می گفت بعضے از ادعیہ کہ از
میں نے ایک عزیز سے سنا کہ وہ کہتے تھے بعض دعائیں جو

مشایخ منقول است و اتفاقاً آن مشائخ در بعضے آن

مشائخ سے منقول ہیں اتفاقاً مشائخ سے ان بعض دعاؤں

ادعیہ خطا کردہ اند و محرف خواندہ اگر متابعان ایشان

میں خطا ہو گئی اور بگاڑ کر پڑھا اگر ان کے تبعین ان دعاؤں

کے یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے ”خطائے پیر بہتر از

صواب مرید است“ کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ دراصل اہل اللہ،

صدق مقال، رزق حلال و اذکار و اوراد پر مواظبت کی بناء پر سیف اللسان ہوتے ہیں۔

عامۃ الناس کیلئے بالعموم اور مریدین کیلئے بالخصوص ان کے مشائخ کرام کے ارشادات و

فرمودات اور اداؤں میں ہی تاثیرات اور فیوض و برکات ہوتے ہیں خواہ وہ فرمودات

سبقت لسانی یا سہو و نسیان کی بنا پر ہی ان سے صادر ہوئے ہوں یا مشائخ کرام نے

انہیں عملاً یا خطاً بگاڑ کر پڑھا ہو..... خواہ لوگ ان کا مذاق اڑائیں، اہل علم کتنی ہی نکتہ چینی

کریں..... مریدین اور سالکین کو برپشم قلندر کے مصداق کسی کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے

اور ان دعاؤں اور اوراد و وظائف کو ایسے ہی پڑھنا چاہئے جیسے ان کے مشائخ

آن ادعیہ را بہمان صرافت کہ مشائخ خواندہ اند
 کو اسی تحریف کے ساتھ جیسے مشائخ نے پڑھا پڑھیں
 بخوانند تاثیر می بخشد و اگر درست کردہ بخوانند از
 تاثیر بخشی ہیں اور اگر درست کر کے پڑھیں
 تاثیر خالی می مانند ثبتنا اللہ سبحانہ علی تقلید انبیاء و
 تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں ہمیں ثابت قدم رکھے اللہ سبحانہ اپنے نبیوں کی
 متابعت اولیائہ بحرمة حبیبہ علیہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین
 تقلید اور اپنے ولیوں کی متابعت پر اپنے حبیب کے طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

و علی متابعتهم الصلوات والتسلیمات

تمام انبیاء و مرسلین پر اور ان کے تابعین پر صلوات و تسلیمات ہوں۔

نے پڑھا ہے کیونکہ درست کر کے دعاؤں کو پڑھنے سے ثواب تو ضرور مل جاتا ہے مگر
 تاثیر نہیں ملتی تاثیر مشائخ کی زبان و اجازت میں ہی ہوتی ہے۔
 حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حزب البحر“ کے وظیفہ کے دوران
 قرآنی آیت و جعلنا من بین ایدیہم سداً کوجلدی سے و جعلنا من بین
 ایدیہم سداً و من خلفہم سداً پڑھ دیا (یعنی سداً کی بجائے سداً پڑھا) ان کے
 خلفاء و مریدین نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی حزب البحر پڑھا کرتے تو سداً ہی
 پڑھتے۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہمیں نہیں پتہ
 بس ہمارے شیخ مکرم نے یونہی پڑھا تھا اس لئے ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں تو حزب
 البحر میں تاثیر پاتے ہیں اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیرات پیدا نہیں ہوتیں!

ہم سے کسی نے پوچھا تھا کہ اکثر لوگ جب درود خضریٰ پڑھتے ہیں تو یوں پڑھتے ہیں۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و علی الہ و صحبہ وسلم تو ہم نے اسے جواباً کہا تھا کہ ہمارے مشائخ سادات آلومہار شریف رحمۃ اللہ علیہم نے ہمیں صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و الہ وسلم کی اجازت دی ہے فلہذا ہم تو اتنا ہی پڑھتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر درود نہیں بھیجتے بلکہ ہمارا تو موقف یہ ہے کہ کل تقی و نقی فہو آلی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آل کی عمومیت میں شامل ہیں۔

مِنهَا - ۵۲

محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم سيد
 حضرت محمد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سيد المرسلين هي
 المرسلين است عليه وعليهم الصلوات والتسليمات
 آپ پر اور ان پر درود اور سلامتياں ہوں تو
 فكيف سائر بشر و حضرت عيسى و موسى را عليهما
 تمام انسانوں كى كيفيت كيا هوگى حضرت عيسى اور حضرت موسى
 الصلوات والتسليمات والتحيات اگرچه از مقام تجلى
 ان دونوں پر صلوات و تسليمات و تحيات ہوں اگرچه بقدر مرتبه
 ذات نصيبے است على قدر المرتبة والاستعداد قال الله
 اور استعداد تجلى ذات كے مقام سے حصہ حاصل ہے ؎ الله سبحانه

۱۔ زير نظر منها ميں حضرت امام ربانى قدس سره العزيز انبياء اولوا العزم عليهم
 الصلوات والتسليمات كے تجلى ذات اور تجلى صفات كے اعتبار سے درجات كا تفاوت
 بيان فرما رہے هيں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے كہ يہاں تجلى ذات اور تجلى صفات كے متعلق
 قدرے تفصيلات بيان كر دى جائیں تا كہ فہم منها ميں سہولت رہے وباللہ التوفيق
 تجلى كا لغوى معنى ظاہر كرنا اور ظاہر ہونا ہے..... اصطلاح صوفياء ميں اللہ تعالى

سبحانه وتعالى خطاباً لموسى واصطنعتك لنفسى اى لذاتى
و تعالى نے حضرت موسىٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اور میں نے تجھے
و حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ است و کلمۃ
اپنے نفس کیلئے منتخب فرمایا یعنی اپنی ذات کیلئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اوست سبحانه و کثیر المناسبت است باں سرور علیہ
روح اللہ (سبحانه) اور اس کا کلمہ ہیں اور آنسور علیہ الصلوٰۃ

کی ذات و صفات اور اسماء و افعال کا کسی شان یا رنگ، کیفیت یا حالت میں اظہار، تجلی
کہلاتا ہے اسے لباس تعین بھی کہتے ہیں۔ تجلی کا ثبوت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام
کے رب ارنی کے مطالبہ پر فلما تجلّی ربہ للجبل (الاعراف ۱۴۳) اور ارشاد
نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتانى ربى فى احسن صورة (ترمذی
۱۵۶/۲) سے عیاں ہے۔

حق تعالیٰ جب بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کا نام حق کے اعتبار سے شان
الہی رکھا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے اسے حال کہا جاتا ہے اور وہ ہر آن ایک نئی
تجلی میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نے اس مفہوم کو یوں
بیان فرمایا ہے

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوق دگر افزائی

تجلی صفاتی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہات صفات میں متجلی پاتا ہے۔ امہات صفات

آٹھ ہیں جنہیں صفات ثمانیہ ذاتیہ حقیقیہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں
حیات..... علم..... کلام..... سمع..... بصر..... قدرت..... ارادہ..... تکوین

تجلی ذاتی

اس تجلی میں سالک فنا فی المطلق ہو کر اپنے علم، شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عبد، فانی ہو جاتا ہے اور حق، باقی رہتا ہے اسی فنایت کے بعد بقا باللہ کا مقام آتا ہے۔ اس تجلی میں سالک اپنے آپ کو بلا تعین جسمانی و روحانی اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے اور کمال تو حید عیانی کا مشاہدہ کرتا ہے جسے وصل عریانی بھی کہا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت نے تجلی ذاتی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں
تجلی ذاتی برقی اور تجلی ذاتی دائمی

تجلی ذاتی برقی

اکثر مشائخ طریقت کے نزدیک تجلی ذاتی برقی ہوتی ہے یعنی آسمانی بجلی کی مانند تھوڑی دیر کیلئے سالکین کے سامنے اسماء و صفات کے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد دوبارہ حائل ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان پر حضور ذاتی کا اثر کم اور غیبت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔

تجلی ذاتی دائمی

اکابر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک تجلی ذاتی دائمی ہوتی ہے یعنی جب تجلی آتی ہے تو پھر جاتی نہیں ہمیشہ رہتی ہے سلسلہ نقشبندیہ میں اس کو نسبت حضور آگاہی، حضور ذاتی دائمی، دوام حضور مع اللہ بلا غیبت اور یادداشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱، ۱۲)

علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ جمیع رسل عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات نفس رسالت (بحیثیت رسول) میں اور جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات نفس نبوت (بحیثیت نبی) میں برابر ہیں یعنی کسی رسول اور نبی کی رسالت اور نبوت عارضی نہیں بلکہ جملہ رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کی رسالت و نبوت اصلی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ لا نفرق بین احد من رسلہ (البقرہ ۲۸۵) سے عیاں ہے۔ لیکن فضائل و مقامات، مراتب و درجات اور کمالات و معجزات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک صفت سے متصف فرمایا تو کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ کمالات جمالیہ و جلالیہ کا مظہر اتم و اکمل بنایا۔ خدا نے جو مراتب و کمالات و معجزات دیگر رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کو ایک ایک کر کے عطا فرمائے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر میں مندرج فرمادیئے کسی نے کیا خوب کہا

حسن یوسف ، دم عیسیٰ ، ید بیضاء داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

علاوہ بریں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کی رشد و ہدایت کے لئے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا جو اعظم معجزات میں سے ہے جس کے باعث ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کو کرامت و خیریت میسر ہوئی جیسا کہ آیہ کریمہ کنتم خیر امتہ سے عیاں ہے۔ کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے۔

زنام و ناسمۃ تو یافتیم عز و کرامت

ہزار جانِ گرامی فدای نامہ و ناست

شیخ المتکلمین حضرت علامہ ابوشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں کہ
متکلمین اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ رسول، انبیائے کرام علیہم الصلوٰات
سے افضل ہے..... اور رسولوں میں بعض، بعض سے افضل ہیں..... صاحبان کتاب دیگر
سے افضل ہیں..... پھر اولوالعزم افضل ہیں..... اور اولوالعزم میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔ (التمہید ۷۶)

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ تفصیل انبیاء
کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

بعض انبیاء کی بعض انبیاء (علیہم الصلوٰات) پر تفصیل حکم اجمالی کے اعتبار سے
قطعی ہے اور یہ افضلیت مال دنیوی کے وفور کی بنا پر نہیں بلکہ زیادت علم لدنی کے لحاظ
سے ہے جیسا کہ آیات کریمہ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض اور
ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض سے عیاں ہے لیکن حکم تفصیلی کے اعتبار
سے یہ امر ظنی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ۱۱۴)

صاحب بہار شریعت حضرت علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ
رسولوں میں سب سے افضل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں..... ان
کے بعد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ..... انکے بعد سیدنا موسیٰ کلیم اللہ..... ان کے بعد سیدنا
عیسیٰ روح اللہ..... ان کے بعد سیدنا نوح نجی اللہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں۔
(بہار شریعت حصہ اول) جبکہ علامہ سالمی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

صاحبان شریعت رسل عظام میں سے اولوالعزم چھ رسول ہیں ان میں اول سیدنا
آدم..... ثانی سیدنا نوح..... ثالث سیدنا ابراہیم..... رابع سیدنا موسیٰ..... خامس سیدنا
عیسیٰ..... سادس سیدنا محمد رسول اللہ علیہ وسلم الصلوٰات والتسلیمات ہیں۔ (التمہید ۸۰)
اس سے معلوم ہوا کہ چھٹے اولوالعزم رسول سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن پر دس

صحائف نازل ہوئے۔ (التمہید ۸۱)

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق یوں

رقطراز ہیں

ازاں جملہ آنست کہ بدانند رسول صلی اللہ علیہ والہ

وسلم بہتر و فاضل تر جملہ انبیاء است و دلیل بریں معنی

گفتہ وی بس است کہ انا سید ولد آدم ولا فخر یعنی حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان و اعتقاد رکھنے میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰات سے بہترین اور فاضل ترین مانا جائے

اس پر دلیل خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے انا سید ولد آدم ولا فخر

(المعتد فی المعتمد ۱۱۰)

واضح رہے کہ آیہ کریمہ ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض اور

تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعضك کے ساتھ بعض احادیث مبارکہ

متعارض ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تفضلوا بین الانبیاء یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو

ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہے:

لا تخایروا بین الانبیاء یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کے درمیان مختارہ

نہ کرو۔

ایک روایت میں ہے:

لا تخیرونی و فی روایة لا تفضلونی علی موسیٰ یعنی مجھے حضرت

موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو۔

ایک مقام پر یوں فرمایا:

لا تخيروني على ابراهيم يعني مجھے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو۔

ایک حدیث میں ہے:

وما ينبغي لعبدان يقول انا خير من يونس ابن متى يعني کسی شخص کیلئے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں حضرت یونس ابن متی سے افضل ہوں۔

ان آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے رفع تعارض کے متعلق علمائے کرام کے متعدد اقوال ملتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

◎..... بعض انبیائے کرام کو بعض انبیائے کرام پر تفاضل کا قول بغیر نص کے اپنی رائے کے ساتھ کرنا جائز نہیں کیونکہ فضیلت کا مطلب حق تعالیٰ کے ہاں قرب اور کثرت ثواب ہے جو کتاب و سنت سے ہی ثابت ہوتی ہے محض رائے سے معلوم نہیں ہو سکتا۔
(تفسیر مظہری)

◎..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ تواضع وانکسار فرمایا کہ مجھے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰات پر فضیلت نہ دو۔

◎..... تفاضل بین الانبیاء یوں بیان نہ کی جائے کہ جس سے کسی نبی علیہ السلام کی تنقیص و تحقیر کا شبہ ہوتا ہو یا ازراہ خصومت و عداوت تفضل کے قول سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا سراسر ضلالت و گمراہی و بے دینی کا موجب ہے العیاذ باللہ سبحانہ

○..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ممانعت فرمائی کہ آپ اس وقت قطعی طور پر اپنے تخریر و تفضل سے واقف نہ تھے مگر امارات و آثار سے اپنی خیریت و فضیلت پہچانتے تھے اور جب بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے آگاہی ہوگئی تو خود ارشاد فرمایا الا وانا حبیب اللہ

○..... بعض احادیث مبارکہ کی بنا پر اگر دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰت کی جزوی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے تو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جملہ انبیائے کرام اور جمیع رسل عظام علیہم الصلوٰت پر اضعافاً مضاعفہ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے انا خاتم النبیین اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد

بر رسول ما رسالت ختم کرد

الصلوة والسلام اما حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ
 و السلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم
 الصلوۃ والسلام باوجود آن کہ در مقام تجلی صفات ست
 ہمارے نبی پر اور ان پر درود و سلام ہو باوجودیکہ تجلی صفات کے مقام
 اما حدید البصر ست شان خاصے کہ پیغمبر مارا در مقام
 میں ہیں۔^۱ لیکن بہت تیز چشم ہیں جو شان خاص ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو
 تجلی ذات میسر شدہ است حضرت ابراہیم رادر مقام
 تجلی ذات کے مقام میں میسر ہوئی ہے حضرت ابراہیم کو تجلی
 تجلی صفات حاصل گشتہ مع التفاوت الاستعدادی بینہما
 صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی دونوں کی استعداد کے تفاوت کے ساتھ
 پس باین اعتبار اواز حضرت عیسیٰ و موسیٰ افضل باشد
 پس اس اعتبار سے وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ سے افضل ہیں
^۲ ہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ
 حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حدید البصر اور ناقدا نظر ہیں اس کی
 قدرے وضاحت پیش خدمت ہے۔
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں کہ ذات تعالیٰ جل سلطانہ کے ساتھ
 وصول دو قسم کا ہے

باعتبار نظر اور باعتبار قدم

باعتبار نظر سے مراد یہ ہے کہ نظر و اصل ہو اور باعتبار قدم سے مراد یہ ہے کہ ناظر بنفس خود و اصل ہو۔ وصول نظری بالاصالت حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حصہ ہے جبکہ وصول قدمی بالاصالت حضرت سیدنا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیب ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اصل ہیں اور حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تابع ہیں اور وصول قدمی میں حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے وہاں تو بال کی بھی گنجائش نہیں پھر قدم کی کیا حقیقت بلکہ وہاں ایک مجہول الکفایت وصول ہے۔ اگر صورت مثالیہ میں نظر کے ساتھ منقش ہو جائے تو اسے وصول نظری کہیں گے اور اگر وہ قدم کے ساتھ منقش ہو تو اسے حصول قدمی کہتے ہیں ورنہ نظر اور قدم دونوں بارگاہ قدس جل سلطانہ میں حیران و پریشان ہیں۔

(ماخوذ از مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۸۸)

و حضرت عیسیٰ از حضرت موسیٰ افضل است و رتبہء
 اور حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے افضل ہیں ۳ اور ان کا مرتبہ
 اوفوق حضرت موسیٰ است و حدید البصر ست و ناقد
 حضرت موسیٰ سے بلند ہے وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں
 النظر بعد از ایشان حضرت نوح است علی نبینا و علیہ
 ان کے بعد حضرت نوح ہیں ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو
 الصلوٰۃ والسلام و مقام حضرت نوح در مقام صفات ہر چند
 حضرت نوح کا مقام، مقام صفات ہے اگرچہ
 بالا تر از مقام حضرت ابراہیم است اما حضرت ابراہیم
 حضرت ابراہیم کے مقام سے بالا تر ہے لیکن حضرت ابراہیم کو
 ۳ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو
 حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے افضل کہا ہے جبکہ ایک مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ یوں
 رقمطراز ہیں

ولایت موسوی علی صاحبہا الصلوٰات ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کے دہنی
 جانب واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسوی علی صاحبہا الصلوٰات اس ولایت کے بائیں
 جانب ہے۔ ولایت موسوی مقام دعوت سے تعلق رکھتی ہے اور ولایت عیسوی مقام
 عزلت سے مناسبت رکھتی ہے۔ مقام دعوت جو کہ مرتبہء نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کے درمیان صرف
 حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام میں بدرجہء اتم و اکمل ہے اور ان کی کتاب تورات،

را دران مقام شان خاص ست وحدت بصرست کہ دیگرے
اس مقام میں شان خاص اور تیزی نظر حاصل ہے جو کہ کسی
رانیست لیکن اولاد کرام ایشان را ازاں مقام نیز نصیب
دوسرے کو نہیں ہے لیکن ان کی معزز اولاد کو اس مقام سے بھی حصہ ہے
ست بہ تبعیت وفرعیت وحضرت آدم بعد از حضرت نوح
اتباع اور فرع ہونے کی بنا پر اور حضرت آدم حضرت نوح کے بعد
است علی نبینا وعلی جمیعہم الصلوات والتسلیمات هذا مما
ہیں ہمارے نبی اور ان تمام پر صلوات وتسلیمات ہوں یہ سب کچھ میرے پروردگار نے
علمنی ربی والہمنی بفضله و کرمه والعلم عند اللہ سبحانہ
مجھے سکھایا ہے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے الہام فرمایا ہے اور علم اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے

قرآن مجید کے بعد نازل شدہ کتابوں میں بہترین ہے۔ چونکہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ
السلام کی شریعت و ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے یہی وجہ ہے کہ سید
المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم دیا گیا جیسا کہ آیہ کریمہ ثم او حینا
الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا (النحل ۱۲۳) سے عیاں ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

حضرت شیخ نواب سید نور الحسن خان المعروف بہ نور میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے
رسالہ لمعہ نور میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے دونوں اقوال کے درمیان
تطبیق یوں بیان فرمائی ہے:

مبدأ و معاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تحریر

فرمایا ہے اور مکتوبات شریفہء امام ربانی رضی اللہ عنہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات نبوت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات ولایت کا لکھا ہے تو مطابقت بین القولین اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول کے اتباع شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمائینگے تو یہ جامعیت آپ کی بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہر و باہر ہے۔

(مجموعہ رسائل ۱۲۹)

منہا-۵۳

سالکے کہ سیر اور تفصیل اسماء و صفات افتاد راہ
 وہ سالک کہ جس کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں واقع ہو گئی
 وصول او بحضرت ذات جل سلطانہ مسدود گشت
 اس کے وصول کا رستہ حضرت ذات جل سلطانہ تک بند ہو گیا
 چہ اسما و صفات رانہایت نیست تا بعد از قطع آنہا
 کیونکہ اسماء و صفات کا انتہاء نہیں ہے کہ انکو قطع کرنے کے بعد
 بمقصد اقصیٰ تواند رسید مشائخ ازیں مقام خبر دادہ
 منتہائے مقصود تک پہنچ سکے مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سیر اجمالی اور سیر تفصیلی
 کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ درحقیقت حریم قدس جل سلطانہ کی طرف روحانی سیر اور باطنی
 طیر کرنے والے سالکین دو طرح کے ہوتے ہیں۔

کچھ سالکین تو دوران سلوک اسماء و صفات کے ذریعے سلوک طے کرتے ہیں
 کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کے اسماء و صفات لامحدود اور غیر متناہی ہیں اس لئے وہ اسماء و
 صفات کی سیر میں ہی مشغول ہو کر رہ جاتے ہیں جبکہ بعض عارفین کو اسماء و صفات میں
 اجمالاً سیر کروا کر حریم ذات جل سلطانہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

اند کہ مراتب وصول رانہایت نسیت زیرا کہ کمالات
 مراتب وصول کی انتہاء نہیں ہے کیونکہ محبوب کے کمالات
 محبوب نہایت ندارد و مراد از وصول این جا وصل
 کوئی انتہاء نہیں رکھتے اس جگہ وصول سے مراد اسمائی اور
 اسمائی و صفاتی ست سعادت مند کسے است کہ سیر
 صفاتی وصل ہے سعادت مند وہ سالک ہے جس کی سیر
 اور اسماء و صفات بطریق اجمال واقع شدہ و بسرعت
 اسماء و صفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی اور جلدی کے ساتھ

قدوة الابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سیر کی
 دو قسمیں ہیں

۱..... سیر مستطیل ۲..... سیر مستدیر

سیر مستطیل بعد در بعد ہے اس سیر سے مراد مقصود کو اپنے دائرے کے خارج سے
 طلب کرنا ہے اور یہ سیر اسماء و صفات کے دوران ہوتی ہے اسی کو سیر آفاقی بھی
 کہا جاتا ہے جبکہ سیر مستدیر قرب در قرب ہے یہ سیر اپنے قلب کے گرد پھرنا اور مقصود کو
 اپنے سے تلاش کرنا ہے اس کو سیر انفسی بھی کہا جاتا ہے اور عارف بارگاہ قدس تک واصل
 ہو جاتا ہے۔ دیگر سلاسل طریقت کے مشائخ اپنے مریدین و متوسلین کو اسماء و صفات کا
 سبق دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ تر اسماء و صفات کی تجلیات میں ہی الجھ کر رہ
 جاتے ہیں جبکہ خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے درویشوں اور سالکوں کو اسم
 ذات کا درس دیتے اور پوشیدہ رستوں سے حریم یار تک پہنچا دیتے ہیں۔

واصل حضرت ذات تعالیٰ و تقدس گشتہ واصلان ذات
 واصل ذات تعالیٰ و تقدس ہو گیا۔ واصلان ذات کو
 رابعداز وصول بنہایت النہایت رجوع بدعوت لازم
 نہایت النہایت تک وصول کے بعد دعوت کے لئے رجوع لازم ہے
 است و عدم رجوع آن موطن متصور نہ بخلاف متوسطان
 اس مقام سے عدم رجوع کا کوئی تصور نہیں بخلاف متوسط
 کہ بعد از وصول شان بنہایت استعداد خود رجوع لازم
 سائلین کے جن کا اپنی استعداد کے انتہاء تک وصول کے بعد رجوع لازم
 نیست تواند بود کہ رجوع نمایند و تواند بود کہ اقامت
 نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور ہو سکتا ہے کہ وہیں ٹھہرے رہیں
 ورنہ پس مراتب وصول منتہیاں را بتمام متصور ست
 پس منتہیوں کے مراتب وصول کا پورا ہونا متصور بلکہ لازم ہے۔

سلطان العشاق حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نے کیا خوب کہا

نتشنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ بحر می روند پنہاں قافلہ را

یہ امر واضح رہے کہ جو سائلین اسماء و صفات کی تفصیلی سیر میں مشغول ہو جاتے

ہیں وہ متوسط حضرات ہوتے ہیں جو باطنی استعداد کی کمی کی وجہ سے تجلیات اسماء و

صفات میں ہی منہمک و مدہوش ہو جاتے ہیں بنا بریں وہیں کے ہی ہو کر رہ جاتے

بلکہ لازم و مراتب وصول متوسطان را کہ بتفصیل
 متوسطین کے مراتب وصول جو اسمائی و صفاتی تفصیل میں چلے
 اسمائی و صفاتی رفتہ اند نہایت نہ این علم از جملہ
 گئے کی کوئی انتہاء نہیں یہ علم اس فقیر کے جملہ علوم مخصوصہ میں
 علوم مخصوصہ این فقیر ست والعلم عند اللہ سبحانہ
 سے ہے علم صحیح تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

ہیں اس قسم کے سالکین کو مستہلکین کہا جاتا ہے۔

جبکہ کامل الاستعداد سالکین جو تجلیات ذاتیہ سے بہرہ ور ہونے کی بناء پر بھی
 باہوش اور ہوشیار رہتے ہیں اس قسم کے منتہی سالکوں کو راجعین کہا جاتا ہے جو نبوت و
 رسالت کی نیابت و خلافت کے طور پر مخلوق خدا کی رشد و ہدایت پر فائز المرام ہوتے
 ہیں انہی حضرات کو کامل مکمل (بکسر میم ثانی) کہا جاتا ہے۔ والحمد للہ
 علی ذالک

مِنَهَا - ۵۲

مقام رضا فوق جمیع مقامات ولایت است و حصول این مقام
مقام رضا جمیع مقامات ولایت سے بالا ہے ۱۔ یہ بلند مقام
عالی بعد از تمامی سلوک و جذبہ است اگر پرسند کہ رضا
سلوک و جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے اگر پوچھیں کہ ذات حق
از ذات حق سبحانہ و از صفات او تعالیٰ و از افعال او سبحانہ
سبحانہ اس تعالیٰ کی صفات اور اس سبحانہ کے افعال سے

۱۔ اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز مقام رضا اور اس کی اقسام
کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ دراصل مقام رضا ان دس مقامات میں سے آخری مقام کا نام
ہے جو حصول ولایت کیلئے لازم ہیں، ان دس مقامات کو مقامات عشرہ کہا جاتا ہے جس کا
پہلا مقام، مقام توبہ ہے۔

رضا ایسی سعادت عظمیٰ اور دولت قصویٰ ہے جو حق تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت
کبریٰ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ و رضوان من اللہ اکبر (التوبہ ۷۲) سے عیاں ہے
جس کا حصول سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے اور یہی مقام رضا، تجلی ذات حق
تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز مقام رضا کے متعلق رقمطراز ہیں:

در رضا رفع کراہت فعل ایلام محبوب است یعنی رضا محبوب

واجب ست ودر نفس ایمان ماخوذ پس عامہ مومنان را از
 رضا واجب ہے اور نفس ایمان میں ماخوذ لہذا عام مومنوں کو اس سے
 ان چارہ نبود پس حصول آنرا بعد از تماسی سلوک و
 چارہ نہیں پھر اس (رضا) کا حصول سلوک و جذبہ
 جذبہ معنی چہ باشد؟ در جواب گوئیم کہ رضا را صورتیست
 کے تمام ہونے کے بعد کیا معنی رکھتا ہے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ رضا کی ایک

کی الم دہی سے کراہت دور کرنے کا نام ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۳۳)
 ❁..... کسی شخص نے حضرت شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ارشاد گرامی اسئلك الرضاء بعد القضاء (اے اللہ میں تجھ سے قضا کے بعد
 رضا کی درخواست کرتا ہوں) کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے یہ دعا مانگی تھی کہ قضا سے قبل راضی برضا ہونا
 رضا پر عزم کرنا ہے اور حقیقی رضا، قضا کے بعد ہوتی ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

❁..... اہل طریقت نے حقیقت رضا کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر اعتراض نہ
 کیا جائے جیسا کہ مقولہ ترك الاعتراض على القضاء سے واضح ہے اور اسی
 حقیقت کو پالینے کے بعد رضی اللہ عنہم ورضوا عنه (البقرہ ۱۵۵) کا مژدہ ملتا
 ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مقام رضا کے
 حصول کیلئے درج ذیل دعا کے تکرار کی تلقین فرمایا کرتے تھے چنانچہ جو شخص اس دعا کا
 صبح و مساء تکرار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حقدار ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی علی

صاحبہا الصلوات والتسليمات ہے رضینا باللہ رباً وبالاسلام دینا وبمحمد رسولاً (ابوداؤد ۲/۲۳۶) یاد رہے کہ اہل رضا کو ہی ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات والتسليمات ذاق طعم الايمان من رضی باللہ تعالیٰ رباً وبالاسلام دینا وبمحمد رسولاً (صحیح مسلم ۱/۴۷) سے واضح ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اور مقام رضا

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز پر اعلیٰ کلمۃ الحق کی پاداش میں حکومت وقت نے بے دریغ مظالم ڈھائے..... آپ کو قید و بند کی ایذائیں دی گئیں..... سرائے و آستانہ عالیہ اور باغ و کتب خانہ وغیرہ املاک کو نذر آتش کر دیا گیا..... صاحبزادگان و مریدین کو بے حد ستایا گیا..... آپ کے خلفاء اور مریدین خاص کو جلا وطن کیا گیا..... آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے..... علمائے سوء اور صوفیائے خام نے آپ کے خلاف تحریکیں چلائیں..... آپ کے مکتوبات شریفہ کی عبارات کو غلط معانی کا لباس پہنا کر جھوٹے پراپیگنڈے کیے گئے..... آپ کی کرامات کو جادوگری کا نام دیا گیا..... لیکن آپ نے صبر و استقامت کی چٹان بن کر ان تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ فرمایا اور جذبہ تسلیم و رضا کے پیکر اتم بن کر رضا بالقضاء کی لازوال مثال قائم فرمائی چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”اگر محبوب، محبت کے حلق پر چھری بھی چلا دے اور اس کے ایک ایک عضو کو جدا کر دے تو بھی محبت اس میں اپنی بہتری اور بہبودی تصور کرے۔“

(مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۳۳)

و حقیقتے در رنگ سائر ارکان ایمان در اوائل تحقق صورت ہے اور ایک حقیقت^۱ تمام ارکان ایمان کی مانند۔ اوائل میں صورت کا صورتست و در نہایت تحقق حقیقت و چون منافی رضا تحقق ہے اور نہایت میں حقیقت کا تحقق اور جب کسی شخص سے رضا کے ظاہر نشود ظاہر شریعت حکم بحصول رضا می فرماید منافی ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت، حصول رضا کا حکم فرما دیتی ہے۔ در رنگ تصدیق قلبی کہ چون منافی تصدیق یافتہ نشود تصدیق قلبی کی مانند کہ جب تصدیق کے منافی نہ پائی جائے تو حکم بحصول تصدیق می کنند و مانحن بصدد حصول حصول تصدیق کا حکم کر دیتے ہیں اور ہم حقیقت رضا کے حصول کے درپے

حقیقة الرضا لا صورتہ واللہ سبحانہ اعلم

ہیں نہ کہ اس کی صورت کے اللہ سبحانہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

^۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح دیگر ارکان ایمان جیسے صورت اسلام، حقیقت اسلام، صورت ایمان، حقیقت ایمان وغیرہا کی صورت اور حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی دو قسمیں ہیں

صورتِ رضا اور حقیقتِ رضا

عامۃ المسلمین کو اگر صورت رضا حاصل ہوتی ہے تو اہل اللہ عبادت و ریاضت کے ذریعہ حقیقت رضا کو حاصل کرتے ہیں تاکہ ہر قسم کا تکلف و عمل و تصنع مرتفع ہو جائے

اور وہ ریاء و دکھلاوے اور شرک اصغر سے محفوظ ہو جائیں اور کل جنت میں دست قدرت سے شراب طہور کے جام پر جام لٹکھائیں اور مست و بے خود ہو جائیں جیسا کہ آیہ کریمہ و سقّھم ربھم شراباً طہوراً (دھر) سے عیاں ہے۔

مِنهَا - ۵۵

سعی باید کرد کہ عمل بہ سنت میسر شود و اجتناب از
کوشش کرنا چاہئے کہ سنت پر عمل کرنا میسر ہو اور بدعت سے
بدعت علی الخصوص بدعتی کہ رافع سنت باشد قال
پرہیز خصوصاً ایسی بدعت جو رافع سنت ہو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ
علیہ الصلوٰۃ والسلام من احدث فی دیننا هذا فہورد عجب
والسلام نے فرمایا جو شخص ہمارے اس دین میں نئی بات داخل کرے وہ مردود ہے
مے آید از حال جماعۃ کہ در دین باوجود اکمال و اتمام
تعجب ہوتا ہے ایسی جماعت کے حال پر جو دین میں باوجود مکمل اور پورا
آن چیز ہا احداث می کنند و بآن محدثات تکمیل دین
ہونے کے نئی چیزیں داخل کرتے ہیں اور ان محدثات کے ذریعہ دین کی

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سنت کے اکتساب اور بدعت
سے اجتناب کی تلقین فرما رہے ہیں۔

در اصل سنت نبوی اور متابعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ بندہ مومن کیلئے
محبت خدا جل سلطانہ اور کفارہ سینات کا موجب ہے۔ اسی کی بدولت بندہ مومن نزول
رحمت اور دخول جنت کا حقدار ٹھہرتا ہے..... اسی کی برکت سے بندہ مومن کو ظاہری و

میجویند و باک ندارند از آنکہ مبادا ازین مخترع رفع تکمیل کی تلاش کرتے ہیں اور نہیں ڈرتے اس امر سے کہ کہیں اس نو ایجاد بات سنت شود مثلاً ارسال فش بین الکتفین سنت است سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا جمعے ارسال فش رادر جانب یسار اختیار کردہ اند و سنت ہے لیکن ایک جماعت نے شملہ کو بائیں جانب لٹکانا اختیار کر لیا ہے اور بایں عمل تشبہ بموتی منظورداشته وخلق کثیر بایشان اس عمل کے ذریعے مردوں کے ساتھ مشابہت منظور کرتے ہیں اور بے شمار لوگ دریں فعل اقتدا نمودہ ندانستہ اند کہ این عمل رفع سنت اس فعل میں ان کی اقتداء کر رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ عمل رفع سنت کر

باطنی کمالات اور صوری و معنوی برکات حاصل ہوتی ہیں..... اس کے باعث بندہ مومن کو انبیاء و اصدقاء اور شہداء و صلحاء کی معیت و سنگت میسر ہوتی ہے..... سنت ہی بندہ مومن پر حریم قدس جل سلطانہ تک رسائی کا واحد ذریعہ اور ابواب غیب کے کھلنے کا وسیلہ ہے جیسا کہ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ و من یطع اللہ و الرسول کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یصلون بسلو کہ جناب القدس و یفتح ابواب الغیب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم یعنی سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰات کی بدولت ہی علمائے راجحین اور عرفائے کاملین کو حریم قدس جل سلطانہ تک رسائی نصیب ہوتی ہے اور ان پر غیب کے ابواب واہوتے ہیں

سینماید و از سنت ببدعت میبرد و بحرمت میرساند تشبہ
 رہا ہے اور سنت سے بدعت کی طرف لے جا رہا ہے اور حرمت تک پہنچا رہا ہے
 بمحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہترست
 حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت
 یا تشبہ بموتی اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ
 اچھی ہے یا مردوں کے ساتھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی
 مشرف شدہ بموتے کہ پیش از موت است اگر تشبہ
 موت سے مشرف ہوئے جو موت سے قبل ہوتی ہے اگر وہ میت کے ساتھ
 بمیت جویند ہم باوسزاوارست عجب کار است کہ در
 مشابہت کی جستجو کرتے ہیں تو بھی آں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ کے سزاوار ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ
 تعالیٰ اسے وہ علوم و معارف عطا فرماتا ہے جن کا اسے علم نہیں ہوتا۔

عمدة المفسرین حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بندۂ
 مومن کو سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی بدولت چار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

۱..... صالحین کے قلوب میں اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۲..... فاسقین کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی جاتی ہے۔

۳..... اس کے رزق میں وسعت و برکت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۴..... اسے دین متین کی فقاہت عطا کر دی جاتی ہے۔ (روح البیان)

حضرت خواجہ حکیم سنائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سنت مبارکہ کی ترغیب و تشویق

کفن میت عمامہ بہم بدعت ست چہ جائے فش او و
عجب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں عمامہ بھی بدعت ہے چہ جائے کہ اس کا شملہ ہو اور
بعضے از متاخران کہ عمامہ در کفن میت کہ از علما
بعض متاخرین (علماء) میت کے کفن میں عمامہ جبکہ وہ علماء
باشد مستحسن داشته اند نزد فقیر زیادتی کردن نسخ
میں سے ہو مستحسن جانتے ہیں فقیر کے نزدیک زیادتی کرنا نسخ ہے
ست و نسخ عین رفع ثبتنا اللہ سبحانہ علی متابعة السنة
اور نسخ عین رفع ہے اللہ سبحانہ ہمیں ثابت قدم رکھے روشن سنت
السنية المصطفوية علی مصدرها الصلوة والسلام ویرحم
مصطفویہ کی متابعت پر اس (سنت) کے مصدر پر درود و سلام ہو اور اللہ

اللہ عبداً قال امینا

رحم فرمائے اس بندے پر جو آمین کہے

دلاتے ہوئے فرماتے ہیں

گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن
تا بود نور الہی با دو چشمت مقترن
مژہ در چشم سنائی چون سانے باد تیز
گر سنائی زندگی خواہد زمانے بے سنن

مِنَهَا - ۵۶

روزے احوال جنیاں را بریں درویش منکشف ساختند
 ایک روز جنات کے حالات اس درویش پر ظاہر فرمائے گئے
 دید کہ جنیاں در کوچ ہا در رنگ مردم سی گردند و
 دیکھا کہ جنات گلیوں میں انسانوں کی طرح پھر رہے ہیں اور
 برس رہے جن فرشتہ است موکل و آن جن از ترس موکل
 ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ جن اپنے موکل کے خوف

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز جنات کے حالات کے متعلق
 اپنے ایک مکاشفہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں جنات کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہء
 قارئین ہے۔

جن جمع ہے اسکا واحد جنی ہے جیسے روم کا واحد رومی ہے

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ لغت عرب میں جن کا معنی ستر اور خفا
 ہے۔ جن کو جن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے مستور اور مخفی ہوتا
 ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انہ یراکم ہو و قبیلہ من حیث لا ترؤنہم سے عیاں ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لفظ جن کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اصل الجن ستر الشیء عن الحاسة یعنی کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ
 ہونے کو جن کہا جاتا ہے۔ اس مادہ سے کئی مشتقات بنتے ہیں جن میں یہ معنی موجود

خود سر نمی تواند برداشت و یمین و یسار خود نظر نمی
 سے سر نہیں اٹھا سکتا اور اپنے دائیں بائیں نہیں دیکھ
 تواند انداخت در رنگ مقیدان و محبوسان گشتند و
 سکتا قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح گھوم رہے ہیں اور
 اصلاً مجال مخالفت نداشتند الا ان یشاء ربی شیئاً۔

بالکل مخالفت کی مجال نہیں رکھتے بجز اس کے کہ میرا رب جو چاہتا ہے
 ہے جیسے شکم مادر میں پوشیدہ حمل کو جنین، سینے میں پوشیدہ دل کو جنان اور دشمن کے
 وار و حملہ سے چھپانے والی ڈھال کو مجنہ کہا جاتا ہے۔

بیہتی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جنات کے متعلق
 اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الجن اجسام ذات ارواح كالحيوان عاقلة كالانسان خفية عن
 اعين الناس ولذا سميت جناً خلقت من النار كما خلق آدم من
 طين..... تتصف بالذكورة والانوثة وتتوالد والظاهر ان الشياطين
 منهم بخلاف الملائكة فانهم لا يتصفون بالذكورة ولا بالانوثة
 ووجود الجن والشياطين والملائكة ثابت بالشرع وانكره الفلاسفة
 یعنی جن اجسام ہیں ان میں حیوان کی مانند ارواح ہوتی ہیں، انسان کی طرح
 عقل مند ہوتے ہیں، لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہوتے ہیں اسی لئے انہیں جن
 کہا جاتا ہے۔ یہ آگ سے بنائے گئے ہیں جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یہ نرمادہ
 ہوتے ہیں ان کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے شیاطین انہی میں سے ہیں
 بخلاف فرشتوں کے کیونکہ وہ مذکر اور مؤنث نہیں ہوتے۔ جنات، شیاطین اور ملائکہ کا

و در آن وقت چنان معلوم می شد که گویا بردست موکل
 اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا موکل کے
 گریز است آہنی کہ اگر از جن اندک مخالفت احساس
 ہاتھ میں آہنی گرز ہے کہ اگر کسی جن سے تھوڑی سی مخالفت محسوس
 نماید بیک ضرب کار او را کفایت کند
 کرے ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے۔

وجود شریعت مطہرہ سے ثابت ہے لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)
 علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کو اپنے انداز میں یوں بیان
 فرمایا ہے: ان الروح حانیین ثلاثة اخیار وہم الملائکہ و اشرار وہم
 الشیاطین و اوساط فیہم اخیار و اشرار وہم الجن یعنی روحانی مخلوق کی
 تین اقسام ہیں ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہے وہ ملائکہ ہیں دوسری قسم وہ ہے جو سراپا
 شر ہے شر ہیں وہ شیاطین ہیں تیسری قسم درمیانی درجہ کی ہے جن میں کچھ اخیار ہیں اور کچھ
 اشرار ہیں اور وہ جن ہیں۔ (مفردات امام راغب)

حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور جنات کو ٹھیکری کی مانند بجنے والی مٹی اور شعلہ زن
 آگ سے تخلیق فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ
 و خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ (الرحمان) سے واضح ہے جنات
 حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل پیدا کئے گئے جیسا کہ حدیث خَلَقَ الْجِنَّ
 قَبْلَ اٰدَمَ بِالْفِیْ عَامٍ (لَقَطُ الْمَرْجَانِ فِيْ اَحْكَامِ الْجَانِّ) سے عیاں ہے۔

جس طرح انسان گارے اور بجنے والی مٹی سے مخلوق ہے جس کا یہ مطلب ہرگز
 نہیں کہ انسان کی حقیقت گارا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی اصل گارا ہے.....

خدائے کہ بالا و پست آفرید

خدا نے بالا اور پست کو بنایا

زبردست ہر زیر دست آفرید

ہر زیر دست پر زبردست بنایا

ایسے ہی جنات کی اصل نار ہے اس لئے شیاطین پر شہاب اور شعلے برسائے جاتے ہیں تاکہ وہ اسرار الہیہ کا سراغ نہ لگا سکیں۔ اس شعلہ باری سے انہیں تکلیف ہوتی ہے نیز ان کے لئے عذاب سعیر تیار کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و جعلنا ہار جو ماً للشیاطین و اعتدنا لہم عذاب السعیر (الملک) سے عیاں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
خلق اللہ الجن ثلاثة اصناف، صنف حیات و عقارب و خشاش الارض و صنف كالريح في الهواء و صنف عليهم الحساب و العقاب یعنی اللہ تعالیٰ نے جنات کو تین قسموں پر پیدا فرمایا ہے ایک قسم سانپ، بچھو اور حشرات الارض ہیں ایک قسم فضا میں ہوا کی مانند ہے ایک قسم وہ ہے جس پر حساب و عذاب ہے۔ (لقطہ المرجان فی احکام الجنان)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جنات کے پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتے ہیں ایک قسم سانپ اور کتے ہیں اور ایک قسم جو سفر اور قیام کرتے ہیں۔ (مستدرک ۲/۴۵۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الکلب الاسود شیطان کالا کتا شیطان ہے۔ (ترمذی کتاب الصيد)
اور سیاہ رنگ کتے کو مار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فاقتلو امنہا کل اسود بہیم فانہ جنہا (صحیح مسلم کتاب المساقات) سے عیاں ہے۔

جسم انسانی پر جنات کا تسلط اور شیاطین کا تصرف

جسم انسانی پر جنات کے تسلط اور بدن انسانی میں شیاطین کے تصرفات کتاب و سنت سے ثابت ہیں چند آیات مقدسہ اور احادیث نبویہ پیش خدمت ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یا کلون الربو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس یعنی جو لوگ سو دکھاتے ہیں وہ روز قیامت اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مغبوط الحواس کر دیا ہوں (البقرہ ۲۸۵)

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے:

واذ کر عبدنا ایوب اذ نادى ربه انى مسنى الشيطان بنصب و عذاب یعنی ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے کہ جب انہوں نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے بڑی اذیت اور سخت تکلیف پہنچائی ہے۔ (ص ۴۱) روایت میں ہے:

عطا بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں تجھے جنتی عورت نہ دکھاؤں میں نے عرض کی کیوں نہیں انہوں نے کہا یہ حبشی عورت ہے جو بارگاہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوٰت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرے کپڑے کھل جاتے ہیں آپ میرے لئے دعا فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کرو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تمہیں عافیت عطا فرمائے گا اس عورت نے عرض کیا میں صبر کرتی ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرے کپڑے نہ کھلیں فدعالہا

آپ نے اس کیلئے دعا فرمائی۔ (بخاری ۲/۸۳۳)

یہ امر واضح رہے کہ جنات انسان کی زبان پر کلام کرتے اور ہوا اور سانس کی مانند جسم انسانی میں دخول کرتے ہیں۔

حضرات امام احمد بن حنبل، علامہ ابن قیم حنبلی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ محمود آلوسی بغدادی جیسے اکابرین امت انسانی جسم اور اعضا پر جنات کے تصرفات و تسلطات کے قائل ہیں۔

مسکین بے تمکین راقم السطور کا یہ چشم دید واقعہ ہے کہ ایک عورت جس پر جنات کے اثرات کی وجہ سے دورا پڑا ہوا تھا ہمارے آقائے ولی نعمت سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ ظہر کی باجماعت نماز سے فارغ ہو کر مسجد مبارک کے ہال سے باہر تشریف لائے تو صوفی کرامت علی مجددی کو فرمایا صوفی صاحب اس عورت کو کیا ہے عورت کے لواحقین نے عرض کیا کہ حضور اسے جن تنگ کرتے ہیں حضور قبلہ عالم نے صوفی صاحب کو فرمایا جاؤ اس عورت کے پاس جا کر ہمارا نام لو اور کہو کہ اسے تنگ نہ کرو چلے جاؤ صوفی صاحب نے ایسا ہی کہا وہ عورت فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اس قسم کے متعدد واقعات احباب بیان کرتے ہیں جو ان کے ساتھ خود بیٹے ہیں۔ (مرتب)

مِنهَا - ۵۷

ولی ہر کمالے کہ می یابد و بہر درجہ کہ می رسد بطفیل
 ولی جو کمال بھی پاتا ہے اور جس درجہ پر پہنچتا ہے اپنے
 متابعت نبی خود ست علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر
 نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی متابعت کے طفیل اگر نبی
 متابعت نبی نمی بود نفس ایمان رونمی نمود و راہ
 کی متابعت نہ ہوتی نفس ایمان ظاہر نہ ہوتا اور
 بدرجارت علیا از کجا می کشود پس اگر ولی را
 اعلیٰ درجات کا رستہ کہاں سے کھلتا لہذا اگر ولی کو جزوی
 فضلے از فضائل جزئیہ حاصل شود کہ نبی را حاصل
 فضیلتوں میں سے کوئی فضیلت حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھی
 نبودہ و درجہ خاص از درجات علیا میسر شود کہ نبی
 اور اعلیٰ درجات میں سے کوئی درجہ خاص میسر ہو جو نبی
 نہ داشتہ باشد نبی را نیز ازاں فضل جزئی و ازاں درجہ
 نہیں رکھتا تھا نبی کو بھی اس جزوی فضیلت اور اس خاص

خاص نصیب کامل است چہ حصول آن کمال بواسطہ
درجہ سے کامل حصہ ملتا ہے ۱ کیونکہ اس کمال کا حصول اس

۱ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ولی کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
پر جزوی فضیلت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ دراصل جب کوئی بندہ مومن شریعت محمدیہ اور
سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو بجالاتا، اوامر کا اکتساب اور نواہی سے
اجتناب کرتا ہے تو عنایت ایزدی سے اس پر فضل و فتوحات کے درکھلتے ہیں بنا بریں
اسے بلند ترین درجات و مقامات و کمالات نصیب ہوتے ہیں جن میں اس بندہ مومن
(ولی) کو اگر نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت حاصل ہو جائے تو ایسا روا اور جائز ہے
کیونکہ اس ولی کو یہ کمال و مرتبہ اپنے نبی کریم علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی
متابعت بجالانے سے حاصل ہوا ہے۔ اس لئے نبی کریم علیہ السلام کو اس کمال سے
پورا پورا حصہ حاصل ہوگا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات من سن
سنة حسنة في الاسلام فله اجرها واجر من عمل بها (مشکوٰۃ ۳۳) سے
عیاں ہے لیکن ولی اس کمال کے حصول میں گو مقدم اور پیش رو ہے مگر خادم، تبع اور امتی
ہو کر اسے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے جہاں اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ ہمسری کا شائبہ
بھی نہیں کیونکہ ہمسری کا دعویٰ کفر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۸۷)

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ولی کی نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت کے
متعلق رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

بلے فضل کلی بر کل مخصوص بآن سرورست علیہ و
علی الہ الصلوٰۃ والسلام اما کمالے باشد کہ راجع، بفضل جزئی
بود رواست کہ مخصوص بہ بعضے انبیائے کرام و ملائکہ عظام

متابعت آن نبی است و نتیجہ است از نتائج اتباع
 نبی (علیہ السلام) کی متابعت کے واسطہ سے ہے اور نتیجہ ہے ان کی
 سنت او پس ناچار نبی را از ان کمال بہرہ تمام باشد
 سنت کی پیروی کے نتائج میں سے پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ ملتا ہے
 کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من سن سنة حسنة فله اجرها و
 جیسا کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اسے

باشد علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات وہیج قصورے
 در فضل کلی او نہ کند علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام
 در احادیث صحاح آمدہ است کہ بعضے از کمالات در افراد
 امتان باشد کہ انبیاء غبطہ آن نمایند علیہم الصلوات
 والتسلیمات و حال آنکہ فضل کلی مر انبیاء راست بر جمیع
 افراد امتان ونیز در حدیث آمدہ است کہ شہداء فی سبیل
 اللہ بہ چند چیز بر انبیاء مزیت دارند شہداء را احتیاج بغسل
 نیست و انبیاء را غسل باید داد و بر شہداء نماز جنازہ نیامدہ
 است چنانچہ مذہب امام شافعی ست و بر انبیاء نماز جنازہ
 باید کرد و در قرآن فرمودہ کہ شہداء را شما موتی نہ پندارید
 کہ احياء اند و انبیاء را موتی فرمودہ این ہمہ فضائل جزئیہ اند
 قصورے در فضل کلی انبیاء ندارند (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۲)

یعنی ہاں کل پر کلی فضیلت آن سرور علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص

اجر من عمل بها لیکن ولی در حصول این کمال سابق
 اسکا اجر بھی ملتا ہے اور اسکا ثواب بھی ملتا ہے جو اس طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ لیکن ولی اس کمال
 ست و در وصول باین درجہ مقدم و این قسم فضل ولی
 کے حصول میں پیش رو ہے اور اس درجہ تک رسائی میں مقدم اور اس قسم کی فضیلت
 را برنبی جائز داشته اند کہ جزئی است کہ مجال معارضہ
 ولی کی نبی پر (علماء) جائز رکھتے ہیں کیونکہ یہ جزوی (فضیلت) ہے جو کلی (فضیلت)
 بکلی ندارد و آنچه صاحب فصوص می گوید کہ خاتم
 کا مقابلہ کرنے کی مجال نہیں رکھتی اور وہ جو صاحب فصوص کہتے ہیں کہ خاتم

ہے لیکن وہ کمال جو جزوی فضیلت کی طرف راجع ہیں جائز ہے کہ وہ بعض انبیاء کرام اور
 ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہوں اور ان علیہ وعلی
 الہ الصلوٰة والسلام کی فضیلت کلی میں کوئی تصور واقع نہ ہو۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ
 امتیوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر انبیائے کرام علیہم
 الصلوٰت والتسلیمات بھی رشک کرتے ہیں۔

عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من
 عباد الله لاناساً ما هم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء
 يوم القيامة بمكانهم من الله قالوا يا رسول الله تخبرنا من هم قال هو
 قوم تحابوا بروح الله على غير ارحام بينهم ولا اموال يتعاطونها
 فوالله ان وجوههم لنور وانهم لعلی نور لا يخافون اذا خاف الناس
 ولا يحزنون اذا حزن الناس وقرء هذه الاية الا ان اولياء الله لا خوف

عليهم ولا هم يحزنون (مشکوٰۃ ۴۲۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء و شہداء نہیں لیکن روز قیامت بارگاہ الوہیت میں ان کے مقامات عالیہ کو ملاحظہ فرما کر انبیائے کرام اور شہداء عظام علیہم الصلوٰات ان پر رشک فرمائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بتائیے کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو رحم کے رشتوں اور مالی لین دین کے علاوہ فقط رضائے الہی کیلئے باہم محبت کریں گے۔ قسم بخدا انکے چہرے نورانی ہونگے اور ان کے اوپر نور ہوگا وہ نہیں ڈریں گے جب لوگوں کو خوف ہوگا۔ وہ غم نہیں کھائیں گے جبکہ لوگ غمگین ہونگے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کو امتوں کے تمام افراد پر کلی فضیلت حاصل ہے نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰات پر فضیلت و مزیت رکھتے ہیں (ذکر القرطبی فی تفسیرہ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اکرم اللہ تعالیٰ الشہید بخمس کرامات لم یکرّم بها احد من الانبیاء ولا انا) تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی) شہداء کو غسل کا احتیاج نہیں اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کو غسل دینا چاہئے..... شہداء کیلئے نماز جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء کرام کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے..... اور قرآن مجید میں فرمایا کہ شہداء کو مردہ نہ جانو کہ وہ زندہ ہیں (ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احياء عند ربهم یرزقون) اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کو موتی فرمایا (انک میت وانہم میتون) یہ سب جزوی فضائل ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰات کے فضل کلی میں کوئی قصور (کمی) پیدا نہیں کرتے۔

ایک مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز یوں رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

ہیچ ولی از اولیائے این امت کہ خیر الامم است باوجود
افضیلت پیغمبر خویش بمرتبہ ہیچ نبی از انبیاء نرسد اگرچہ
اورا بواسطہ متابعت پیغمبر خویش از مقام ما بہ الا فضلیت
نصیبے حاصل شود فضل کلی انبیاء راست اولیاء طفیلی اند
(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۸۷) یعنی یہ امت جو خیر الامم ہے کے اولیاء میں سے کوئی
ولی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے باوجود نبیوں علیہم الصلوٰات میں سے کسی
نبی علیہ السلام کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ اسے (ولی) اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کی متابعت کی وساطت سے وہ ما بہ الا فضلیت مقام حاصل ہوا ہے پھر بھی کلی فضلیت
انبیاء علیہم الصلوٰات کو ہی ہے اولیاء علیہم الرحمۃ والرضوان طفیلی ہیں۔

عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ العزیز کا اس سلسلہ میں

ایک سوال کا جواب ملاحظہ ہو!

سوال: آنکہ یقرر و مبین ست کہ فضل کلی مرانبیاء راست
علیہم الصلوٰات والسلام بر جمیع افراد امت و در حدیث
صحیح آمدہ است کہ بعضے کمالات در بعضے افراد امت
ست کہ مَزَیْت بر انبیاء دارد کَالشُّہْدَاءِ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ احتیاج
بغسل ندارند و بلفظ موتی نخوانندہ و انبیاء بغسل محتاج
اند و لفظ موتی خوانندہ

جواب: این فضل راجع بفضل جزئی ست کہ دران محذور
نیست ہر حائک و حجام بصنعت بر عالم ذی فنون فضل دارد و
فضل کلی مرانبیاء و عالم راست یعنی یہ امر مسلم اور واضح ہے کہ انبیائے

کرام علیہم الصلوٰت کو تمام افراد امت پر کلی فضیلت حاصل ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بعض کمالات بعض افراد امت میں ایسے ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰت پر فضیلت و مزیت رکھتے ہیں جیسا کہ شہداء فی سبیل اللہ غسل کی حاجت نہیں رکھتے اور وہ لفظ موتی سے نہیں پکارے جاتے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰت (بعد از وصال مبارک) غسل کے محتاج ہیں اور ان کے لئے لفظ موتی بولا جاتا ہے..... اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت جزوی فضیلت کی طرف راجع ہے کہ اس میں کوئی استحالہ نہیں ہر جولاہا اور حجام اپنے ہنر و پیشہ کے اعتبار سے صاحب فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے اور کلی فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوٰت اور عالم کیلئے ہے۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۲۴)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

یعنی کلی فضیلت تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰت کو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم پر حاصل ہے اور کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا لیکن جزوی فضیلت میں کوئی تنازع نہیں ہے۔ اگر بعض فضائل و معارف ولی ہی کیلئے خاص ہوں تو وہ کلی فضیلت کا باعث نہیں ہوتے یہ جائز بلکہ واقع ہے جب ولی اور نبی علیہ السلام میں جزوی فضیلت واقع ہوتی ہے تو اگر نبی بعض فضائل و معارف میں رسول (علیہ السلام) کی نسبت مخصوص ہو تو یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا اگرچہ کلی فضیلت رسول کیلئے ہوگی جیسا کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علی نبینا و علیہم الصلوٰت والتسلیمات کا قصہ ہے۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۳۶)

واضح رہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد آپ کو غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو علم نہ تھا کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا کپڑوں سمیت غسل دیا جائے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ دوران اونگھ حجرہ مقدسہ کے ایک کونے سے یہ آواز سنائی دی اَنْ غَسِّلُوْا رَسُوْلَ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثیابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برغرس کے نہایت پاکیزہ پانی میں بیری کے پتے ملا کر غسل دیا گیا۔ تکفین کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم چند مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ کے کلمات طیبہ کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب علی صاحبہا الصلوٰت میں سلام نیاز و عقیدت پیش کیا بعد ازیں صفیں بنا کر بغیر امام کے نماز جنازہ ادا کی حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پہلی صف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑے ہوئے اور بارگاہ ایزد تعالیٰ جل سلطانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ احکام، جہاد فی سبیل اللہ اور آپ کی رافت و رحمت کی شہادت دیتے ہوئے یوں گویا ہوئے

اللہم انا نشہد انہ قد بلغ ما انزل الیہ و نصح لأمته و جاہد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ، فانہ کان بالمومنین رؤفاً رحیماً..... الخ سے عیاں ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگ رہے تھے اور دوسرے لوگ یہ دعائیہ کلمات سن کر آمین آمین کہہ رہے تھے۔ یونہی سب مرد و خواتین بچوں اور غلاموں نے بغیر امام کے گروہ درگروہ اپنے آقا و مولیٰ کے حضور حاضری دی۔

تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب لوگوں نے امام کے بغیر نماز جنازہ ادا کی اور بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھنے کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود امام الاولین والآخرین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور امام الاولین والآخرین کی موجودگی میں اور کون امام بن سکتا ہے؟۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر بحوالہ ضیاء النبی جلد چہارم)

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہ العزیز حیات نبوی علی صاحبہا الصلوٰات اور آپ کے تصرفات کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

”حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کا تعلق جس طرح حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا اور جس طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کے تصرفات جاری تھے ویسے ہی اب بھی جاری ہیں یہی معنی ہے حیات النبی علی صاحبہا الصلوٰات ہونے کا اور اسی وجہ سے قطب، غوث، ابدال، اوتاد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوتے رہیں گے (ذکر خیر)

الانبياء علوم و معارف را از خاتم الولايت اخذ ميکند
الانبياء علوم و معارف خاتم الولايت سے حاصل فرماتے ہیں ۲
راجع باین معرفت است کہ این فقیر را بآن ممتاز ساخته
اسی معرفت کی طرف راجح ہے کہ جس سے اس فقیر کو ممتاز فرمایا گیا ہے
اند و سراسر موافق شریعت است و شراح فصوص در
اور (وہ) سراسر شریعت کے موافق ہے فصوص کے شارحین
تصحیح آن تکلف نمودہ اند و گفته اند کہ خاتم الولايت
اس کی تصحیح میں تکلف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خاتم الولايت،
خزینہ دار خاتم النبوت است اگر پادشاہ از خزینہ خود
خاتم النبوت کا خزانچی ہے اگر بادشاہ اپنے خزانہ سے کوئی
چیز لے بگيرد بیچ نقص لازم نیاید و حقیقۃ الامر ما حقیقہ
چیز لے تو کوئی نقص لازم نہیں آتا اور حقیقت معاملہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کی ہے

۲ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز، حضرت ابن العربی قدس سرہ العزیز
کے ایک قول اور اس قول کے شارحین کی شرح پر تبصرہ فرما رہے ہیں جس میں ابن
العربی قدس سرہ العزیز نے خود کو خاتم الولايت کہا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء علی
صاحبہا الصلوٰات علوم و معارف کو خاتم الولايت سے حاصل فرماتے ہیں۔ فصوص الحکم
کے شارحین نے حضرت ابن العربی قدس سرہ العزیز کے اس قول کی توجیہ کرتے
ہوئے تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخ بمنزلہ خزانہ دار ہے اور حضور

وَمِنْ شَأْنِ التَّكْلِيفِ عَدَمُ الْوُصُولِ بِحَقِيقَةِ الْمَعَامَلَةِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ

اور اس تکلف کا منشاء حقیقت معاملہ تک عدم وصول ہے اللہ سبحانہ

اعلم بحقائق الامور کلها والصلوة والسلام علی سید البشر

تمام امور کے حقائق کو زیادہ جاننے والا ہے حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

والله الاطهر

اور آپ کی آل اطہر پر صلوة و سلام ہو۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں۔ اگر بادشاہ کو خزانہ سے کوئی چیز مطلوب ہو تو وہ خزانچی

سے ہی لیتا ہے۔ حضرت ابن عربی قدس سرہ العزیز کے اس قول کی وجہ سے علمائے کرام

نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ (شرح مکتوبات قدسی آیات حصہ ششم ۵۲۵)

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے حضرت ابن عربی قدس سرہ العزیز

کے اس قول کی ایسی توجیہ فرمائی ہے جو شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہے جس میں ولی

کو نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت حاصل ہے جبکہ کلی فضیلت نبی علیہ السلام کیلئے ہی ہے

اور اس جزوی فضیلت کو کلی فضیلت کا مقابلہ و معارضہ کرنے کی مجال نہیں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے شیخ ابن عربی قدس سرہ العزیز کے اس

قول (خاتم النبوت این علوم و معارف را از خاتم الولايت

اخذ می نماید) کی تعبیریوں بھی بیان فرمائی ہے و هو هذا

سیر ابن العربی قدس سرہ العزیز سیر تفصیلی تھی جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیر اجمالی ہے کیونکہ محبوبوں کی سیر، سیر اجمالی ہوتی ہے تاکہ بجلد حریم قدس جل سلطانہ

تک انکی رسائی ہو جائے جبکہ سیر تفصیلی کے ذریعے کوئی بھی بارگاہ قدس جل سلطانہ تک

نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات کے ظلال اور ان کی تفصیلات غیر متناہی اور

لا محدود ہیں بنا بر آں اگر کوئی تفضیل یا کسی صفت کا ظل شیخ ابن عربی یا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کے کسی دوسرے فرد کی وساطت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکشوف ہوتا ہے وہ محل اعتراض اور لائق تردید نہیں ہوگا کیونکہ جو کمال بھی امت کو حاصل ہوتا ہے وہ کمال اس امت کے نبی علیہ السلام کو بھی ملتا ہے۔ خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰات اصل کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں ان کی شان، ظلال سے بہت بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ظلال کی طرف التفات نہیں فرماتے۔ پس اگر کوئی ظل یا تفضیل امتیوں کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکشوف ہو جائے تو یہ محل اعتراض نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی خدمت ہے جو خادموں کی وساطت سے مخدوموں کو پہنچتی ہے اور اس قسم کی خدمات، خادم کیلئے سبب افتخار اور باعث سعادت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی سپہ سالار کی وساطت سے کوئی علاقہ فتح ہو تو وہ درحقیقت بادشاہ کی شان و شوکت، سامان حرب و ضرب اور لشکر شاہی کی وساطت سے ہی فتح ہوتا ہے، سپہ سالار کو محض جزوی فضیلت حاصل ہوتی ہے یونہی امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰات میں سے اگر کسی کو کوئی کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و متابعت کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے۔

مِنهَا - ۵۸

ولایت ولی جزئیست از اجزائے ولایت نبی او علیہ
 ولی کی ولایت حصہ ہے اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجزائے ولایت کا
 الصلوٰۃ والسلام ولی را ہر چند درجات علیا میسر شود
 ولی کو کتنے ہی اعلیٰ درجات میسر ہو جائیں
 آن درجات جزئیست از اجزائے درجات آن نبی
 وہ درجات اس نبی کے اجزائے درجات کا ایک جزو ہی ہونگے

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے
 ہیں کہ ولی کی ولایت، نبی علیہ السلام کی ولایت کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے چہ جائے کہ
 نبوت پر ولایت کی عظمت و فضیلت کا قول کیا جائے جیسا کہ مشہور مقولہ الكل اعظم
 من الجزء (کل جز سے بڑا ہوتا ہے) سے واضح ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ
 العزیز ایک مقام پر ارقام پذیر ہیں۔

نبوت افضل باشد از ولایت خواہ ولایت نبی باشد خواہ
 ولایت ولی یعنی نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت
 (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۹۵)

لیکن اس حقیقت کا سمجھنا ارباب سکر پر دشوار ہے مستقیم الاحوال اکابر ہی اس
 معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۰۸) کیونکہ اولیائے کرام کی

خواہد بود جز ہر چند عظمت پیدا کند کمتر از کل
 جز کتنی ہی عظمت پیدا کر لے کل سے کم تر ہو گا
 خواہد بود کہ الكل اعظم من الجزء قضیہ بدیہیہ است
 کیونہ کل جز سے بڑا ہوتا ہے بدیہی قضیہ ہے احمق ہے وہ

ولایت حق تعالیٰ کے ظلال صفات سے تعلق رکھتی ہے جبکہ ولایت انبیاء، صفات سے
 مربوط ہے لیکن نبوت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات ذات حق تعالیٰ کی معرفت سے
 ممتاز ہے۔ جب تمام ولایتیں اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ وصول سے قاصر ہیں تو مقام
 ولایت، مقام نبوت کے ساتھ قابل قیاس ہی نہیں، تفصیل ولایت کا قول صوفیائے کرام
 کی نارسائی کی بنا پر ہے، اگر ان کی کمالات نبوت تک رسائی ہو جاتی تو اس قسم کی باتیں
 نہ کرتے۔ ع چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

طاؤس الفقراء حضرت شیخ ابو نصر طوسی قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:
 ولایت اور صدیقت انوار نبوت سے روشن ہیں اس لئے یہ ابد تک نبوت سے ملحق نہیں
 ہو سکتے ہیں تو یہ نبوت سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟۔ (کتاب اللمع، المینات جلد دوم مکتوب ۷۷)
 قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز اپنی تصنیف
 لطیف میں ”الکلام فی تفضیل الانبیاء علی الاولیاء“ کا باب باندھ کر اس
 کے تحت اپنا موقف یوں تحریر فرماتے ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

جملہ مشائخ طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ اولیاء طریقت، انبیائے کرام کی
 متابعت کرنے والے اور ان کی دعوت کے مصدق ہوتے ہیں فلہذا انبیائے عظام علیہم
 الصلوٰات، اولیائے کرام سے فاضل تر ہیں کیونکہ نہایت ولایت، نبوت کی ابتداء ہوتی
 ہے اور جملہ انبیائے کرام ولی ہوتے ہیں مگر اولیاء کرام میں کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اولیائے

احمقے باشد کہ کلانی جز را تخیل نموده از کل افزوں
 شخص جو جز کی بڑائی کا خیال کر کے کل سے زیادہ جانے
 داند کہ کل عبارت ازاں جزء اجزائے دیگر است
 کیونکہ کل دیگر اجزاء کے علاوہ اس جز سے بھی عبارت ہے

کرام پر طاری احوال انبیائے عظام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے مستقل مقام ہوتے
 ہیں اور جو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کیلئے مقام ہوتا ہے وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت
 کیلئے حجاب ہوتا ہے۔ یہی علمائے اہل سنت اور محققین طریقت کا متفقہ فیصلہ ہے بلکہ ”
 یک نفس انبیاء فاضل تر از ہمہ روزگار اولیاء“ یعنی نبی علیہ السلام کا
 ایک سانس مبارک بھی ولی کی ساری زندگی سے فاضل تر ہوتا ہے۔ سلطان العارفین
 حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح مراتب اولیاء،
 لوگوں کے ادراک سے نہاں ہوتے ہیں ایسے ہی مراتب انبیاء علیہم الصلوٰت
 والتسلیمات تصرف اولیاء سے نہاں ہوتے ہیں۔

(کشف المحجوب فارسی ۲۵۹ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز لاہور)

علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک کوئی بھی بندہ مؤمن (ولی) خواہ کتنا ہی بڑا
 عابد و زاہد ہو، کسی نبی علیہ السلام کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ امام العقائد حضرت
 علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں لا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء (عقائد نسفی)
 سے عیاں ہے کیونکہ اولیائے کرام جن کمالات سے متصف ہوتے ہیں انبیائے عظام
 علیہم الصلوٰت والتسلیمات ان کمالات سے بدرجہ اتم متصف ہونے کے علاوہ مزید
 ایسے اوصاف و کمالات کے حامل ہوتے ہیں جن سے اولیائے کرام محروم ہوتے ہیں
 اور وہ کمالات یہ ہیں۔

۱..... حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں بخلاف اولیائے کرام کے کہ وہ معصوم نہیں البتہ محفوظ ہوتے ہیں۔

۲..... انبیائے عظام علیہم الصلوٰات سوء خاتمہ سے مامون ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ایسا معاملہ نہیں ہوتا البتہ ان کے نیاز مندوں کو اکابر دین اور اپنے مشائخ طریقت کے سلامتی خاتمہ کا ظن غالب اور علم اطمینان رکھنا چاہئے۔

۳..... حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ فرشتوں کے مشاہدہ سے مکرم ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوتا۔

۴..... حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کمالات اولیائے عظام سے متصف ہونے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ احکام اور ہدایت انام پر مامور ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین براہ راست ان امور کی انجام دہی پر مامور نہیں ہوتے۔ (شرح عقائد، شرح فقہ اکبر، مکتوبات معصومیہ وغیرہا)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں

ولایت ایمان اور ولایت احسان

ولایت ایمان کبار کے ارتکاب سے زائل نہیں ہوتی جبکہ ولایت احسان و امتنان ارتکاب کبار سے باقی نہیں رہتی جبکہ نبی علیہ السلام صغائر و کبار کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اس لئے مرتبہ نبوت سے معزول نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی موت سے نبوت زوال پذیر ہوتی ہے۔ (التمہید ۷۷)

مِنهَا - ۵۹

صفات واجبی تعالت و تقدست سه قسم اند، قسم اول
 ۱ صفات واجب تعالت و تقدست تین قسم کی ہیں قسم اول
 صفات اضافیہ اند کالخالقیۃ والرازقیۃ و قسم ثانی
 صفات اضافیہ ہیں جیسے خالقیت اور رازقیت اور قسم دوم
 صفات حقیقیہ اند اما رنگے از اضافت دارند کالعلم
 صفات حقیقیہ ہیں لیکن اضافت کا رنگ (جھلک) رکھتی ہیں۔ جیسے علم
 والقدرة والارادة والسمع والبصر والكلام و قسم ثالث
 قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام اور تیسری قسم

۱ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صفات ثبوتیہ ذاتیہ کی اقسام ثلاثہ کا
 تذکرہ فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صفات باری تعالیٰ کے متعلق قدرے
 تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق
 حق تعالیٰ جل سلطانہ صفات کے ساتھ موصوف اور نعوت کے ساتھ منعوت
 ہے۔ نعوت جمع ہے نعت کی، صفات جمع ہے صفت کی اور اسماء جمع ہے اسم کی۔ علمائے
 اہلسنت وجماعت کے نزدیک صفت اور نعت میں کوئی فرق نہیں البتہ صفت اور اسم میں
 فرق ہے۔

حقیقت صرف است كالحيوة فانه لامزج فيه من الاضافة
 حقیقت صرف ہے جیسے حیات پس اس میں اضافت کا امتزاج نہیں
 ونعنى بالاضافة التعلق بالعالم وقسم ثالث اعلائے اقسام
 اور اضافت سے ہماری مراد عالم کے ساتھ تعلق ہے اور قسم سوم تینوں قسموں
 ثلاثہ است وجامع ترین جميع اقسام واز اسمہات صفات
 میں سے اعلیٰ اور تمام قسموں میں جامع ترین ہے اور اسمہات صفات سے ہے

صفت کی تعریف

الصفة ان يعرف الموصوف به عن غيره یعنی صفت یہ ہے کہ جس
 کے ذریعے موصوف اپنے غیر سے جدا پہچانا جائے۔

اسم کی تعریف

اسم علامت کو کہا جاتا ہے اور لفظ اسم سمة سے مشتق ہے۔ اہل لغت کے
 نزدیک اسم کی تعریف یہ ہے کہ ما یشار بہ الی المسمی یعنی اسم وہ چیز ہے کہ جس
 کے ذریعے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جبکہ اہل تحقیق و اصول کے نزدیک
 حد الاسم ما یعلم المسمیٰ به عن غيره یعنی اسم وہ شئی ہے کہ جس کی بدولت
 مسمیٰ اپنے غیر سے جدا معلوم ہو۔ (تمہید ابی شکور سالمی ۲۷)

بنیادی طور پر صفات باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں:

صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ

صفت علم باوجود جامعیت تابع صفت حیات است
 صفت علم جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع ہے
 ودائرہ صفات وشیونات بحیات منتہی می گردد و
 صفات اور شیونات کا دائرہ حیات پر ختم ہوتا ہے اور
 دروازہ وصول بمطلوب ہم اوست وچون صفت حیات
 مطلوب تک وصول کا دروازہ بھی یہی ہے اور جب صفت حیات

صفات سلبیہ

یہ وہ صفات ہیں جو حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس سے یہ
 صفات مسلوب ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ لیس کمثلہ شئی سے عیاں ہے بلکہ حضرت
 امام ربانی قدس سرہ العزیز نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمایا ہے لیس کمثلہ شئی
 فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الافعال

صفات ثبوتیہ

یہ وہ صفات ہیں جو حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات میں موجود اور ثابت ہیں ان کی دو
 قسمیں ہیں۔ صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ

یہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی قدیم، حقیقی اور کمالی صفات ہیں جن کا ذات اقدس
 سے انفکاک محال ہے۔ علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک صفات ذاتیہ حقیقیہ کی تعداد
 آٹھ ہے جنہیں صفات ثمانیہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں حیات، علم، کلام، سمع، بصر،

فوق صفت علم ست لاجرم وصول بآں موطن بعد از
 صفت علم سے بالا ہے اور لامحالہ اس مقام تک وصول مراتب
 طی مراتب علم خواہد بود علم ظاہر باشد یا باطن
 علم طے کرنے کے بعد ہو گا علم ظاہر ہو یا علم باطن،

قدرت، ارادہ اور تکوین۔ علمائے اشعریہ کے نزدیک تکوین صفات ذاتیہ میں شامل نہیں
 ہے ان کے ہاں آٹھویں صفت قدم ہے۔ (تمہید ۳۵)

صفات ذاتیہ کی بھی دو قسمیں ہیں

- ۱..... وہ صفات باری تعالیٰ جو وجود خارجی رکھتی ہیں جیسے صفات ثمانیہ متعارفہ
- ۲..... وہ صفات جن کا وجود خارجی نہیں بلکہ انتزاعی اور اعتباری ہے جیسے ازلیت،
 ابدیت، قدم، بقا، غنا وغیرہا

صفات فعلیہ

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری قدس سرہ العزیز صفات فعلیہ کی
 تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ہی التی یتوقف ظہورہا علی وجود الخلق یعنی صفات فعلیہ وہ
 صفات ہیں کہ جن کا ظہور وجود خلق پر موقوف ہے۔ (شرح فقہ اکبر ۲۱)

صفات فعلیہ، صفات ذاتیہ کے آثار ہیں یعنی صفات فعلیہ وہ ہیں جن کی ضد
 کے ساتھ حق تعالیٰ سبحانہ موصوف ہے جیسے حق تعالیٰ رحیم ہے اور اس کی ضد یہ ہے کہ حق
 تعالیٰ سبحانہ قہار بھی ہے صفات فعلیہ کی مثالیں تخلیق، ترزیق، تصویر، احیاء، امانت،
 انعام، ایلام وغیرہا ہیں۔

حق تعالیٰ بذات خود موجود ہے

حضرت حق تعالیٰ سبحانہ نفس وجود اور تمام کمالات جو کہ وجود کے تابع ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، کلام اور تکوین میں خود بذات اقدس کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں اگرچہ صفات کاملہ زائدہ بھی حق سبحانہ کیلئے ثابت ہیں۔ پس حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے..... اسی طرح بذات خود زندہ ہے نہ کہ اپنی صفت حیات کے ساتھ..... بذات خود دانا ہے نہ کہ صفت علم کے ساتھ..... بذات خود بینا ہے نہ کہ صفت بصر کے ساتھ..... بذات خود شنوا ہے نہ کہ صفت سمع کے ساتھ..... بذات خود توانا ہے نہ کہ صفت قدرت کے ساتھ..... بذات خود مرید ہے نہ کہ صفت ارادہ کے ساتھ..... بذات خود گویا ہے نہ کہ صفت کلام کے ساتھ..... بذات خود ایجاد کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین کے ساتھ۔ اگرچہ وجود عالم صفت تکوین اور باقی صفات کی وساطت سے ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۲۶)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، وہ وجود خواہ عین (ذات) ہو یا زائد (از ذات) اور صفات واجب تعالیٰ اس کی ذات تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ حضرت شیخ علاؤالدولہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فوق عالم الوجود عالم الملك الودود یعنی مالک وود تعالیٰ کا عالم، عالم وجود سے بالا ہے۔ پس امکان ووجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکان ووجوب، ماہیت ووجود کے درمیان نسبت کا نام ہے فلہذا جب وجود ہی

نہیں تو امکان و وجوب بھی نہیں ایسے معرفت و رائے طور نظر و فکر
است۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۲)

حضرت العلامة نصر اللہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں
رقمطراز ہیں:

ذات حق تعالیٰ بذات خود موجود ہے، وجود کے ساتھ موجود نہیں اور صفات حق
تعالیٰ بھی وجود کے ساتھ موجود نہیں بلکہ ذات حق تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ وجود
کی وہاں گنجائش نہیں۔ جب اصل کی وہاں گنجائش نہیں تو امکان و وجوب جو کہ وجود کی
فرع ہیں، اس کی کہاں گنجائش ہوگی؟

البتہ اتنا ہے کہ مفہوم تصوری میں ذات حق تعالیٰ وجوب کے مناسب ہے اور
مفہوم تصوری میں صفات حق تعالیٰ امکان کے مناسب ہیں کیونکہ صفات ثمانیہ وجود و بقا
میں ذات حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اگرچہ یہ اپنی ذات میں وجود و وجوب سے بلند ہیں۔

(شرح مکتوبات قدسی آیات دفتر دوم مکتوب ۲)

وجوب وجود آیا حق تعالیٰ کی صفت فعلی ہے یا صفت ذاتی..... اس سوال کا جواب
بیان کرتے ہوئے علامہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ربانی قدس
سرہ العزیز کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب وجود صفت فعلی ہے کیونکہ
اضافت ہے اور وجوب، وجود کے ساتھ مضاف ہے بنا بریں یہ صفات فعلیہ کے ساتھ
مناسبت رکھتی ہے نہ کہ صفات ذاتیہ کے ساتھ اور صفات فعلیہ جنہیں صفات اضافیہ بھی
کہا جاتا ہے، یہ جزئیات و تفصیلات و ظلال ہیں صفت تکوین کی جو کہ صفات ذاتیہ حقیقیہ
میں سے ہے۔ (مکتوبات قدسی آیات دفتر دوم مکتوب ۳، اسلامی عقائد ۷۴)

صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں جیسے ایک دس سے (حاشیہ
مہر انور) اگر صفات کو عین ذات کہا جائے تو نفی صفات اور تعدد قدام لازم آتا ہے جو

توحید کے منافی ہے اور اگر صفات کو غیر ذات کہا جائے تو صفات کا حدوث و امکان اور ذات سے انفکاک لازم آتا ہے جو ذات حق تعالیٰ کے لئے جہل و عجز کے جواز کا موجب ہے حالانکہ صفات کا ذات سے انفکاک محال ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا اس سلسلہ میں امتیازی موقف مذکور ہوا۔
حضرت علامہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک جواب یوں بیان فرمایا کہ
قدیم کی دو قسمیں ہیں

قدیم بالذات اور قدیم بالغیر

صفات ثمانیہ قدیم بالذات نہیں بلکہ قدیم بالغیر ہیں جبکہ قدیم ذاتی ذات حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فلہذا تعدد و قدماء بالذات لازم نہیں آتا اور صفات ثمانیہ قدیم بالذات نہیں ہوتیں۔ فافہم (ماخوذ از شرح مکتوبات قدسی آیات دفتر سوم مکتوب ۱۷)

صفت حیات کا اجمالی تذکرہ

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ ثمانیہ (امہات صفات) میں سب سے اعلیٰ، جامع ترین اور جملہ صفات کی امام صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ بذات خود زندہ و پائندہ اور دیگر مخلوقات کو زندہ رکھنے والا ہے۔ بقول شاعر

از صفاتش یکے حیات آمد
کہ امام ہمہ صفات آمد
او بخود زندہ است و پائندہ
زندگان دیگر باو زندہ

صفت علم اپنی جامعیت کے باوصف صفت حیات کے تابع ہے علامہ تفتازانی رقمطراز ہیں الحیوة وہی صفة ازلیة توجب صحة العلم یعنی حیات ایک

ازلی صفت ہے جو صفت علم وغیرہ کی صحت وامکان کا باعث ہے۔ ایک مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارقام پذیر ہیں کہ شان الحیات ایسی عظیم الشان شان ہے کہ دیگر شیون وصفات اس کے پہلو میں ایسی نسبت رکھتے ہیں جیسے چھوٹی نہر کو دریائے محیط سے نسبت ہوتی ہے..... شیخ ابن العربی قدس سرہ العزیز آنجا کلبہ دارد (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۷۳)

حیات سے حی ماخوذ ہے حق تعالیٰ حی مطلق ہے کہ اس کی حیات مخلوق کی حیات کی مانند نہیں بلکہ وہ تعالیٰ اول بلا ابتداء اور آخر بلا انتہاء ہے اور حی کا معنی زندہ دائم البقاء ہے جیسا کہ آیات کریمہ اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم اور کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال و الاکرام سے عیاں ہے۔ شیخ الاسلام و المسلمین حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بدء الامالی میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یوں ارقام فرمایا ہے۔

هو الحی المدبر کل امر هو الحق المقدر ذوالجلال
یعنی وہ زندہ ہے ہر امر کی تدبیر کرنے والا..... وہ حق ہے صاحب جلال جملہ امور کی تدبیر کرنے والا۔

صفت علم کا تفصیلی تذکرہ

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے دوسری صفت ہے جس کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت نے تحریر فرمایا ہے ہسی صفة ازلیة تنكشف المعلومات عند تعلقها بها یعنی علم ایک صفت ازلی ہے جس سے معلومات اس صفت کے ساتھ تعلق قائم ہونے کے وقت منکشف ہوتی ہیں۔

صفت علم کی ازلیت پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر علم الہی ازل میں اس امر کے ساتھ متعلق تھا کہ زید گھر میں ہے تو یہ خلاف واقع ہونے کی بنا پر جہل ہوگا کیونکہ

ازل میں نہ وجودِ زید تھا اور نہ ہی کوئی گھر اور اگر علم الہی کا تعلق اس بات سے تھا کہ زید گھر میں داخل ہوگا تو زید کے دخولِ بیت کے بعد علم الہی اس امر کے ساتھ متعلق ہوگا کہ زید گھر میں داخل ہے اور اس کے خروجِ بیت کے بعد علم الہی اس امر سے متعلق ہوگا کہ زید گھر میں داخل نہ تھا فلہذا علم الہی میں تغیر لازم آیا جو تغیرِ حدوث کو مستلزم ہے اور حدوثِ ازلیت کے منافی ہے۔

جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ یہ تغیرِ تعلقات میں ہوا ہے نہ کہ صفتِ متعلقہ میں جیسے آئینہ کا تعلق کبھی انسان (گزرنے والے) سے ہوتا ہے کہ اس کی صورت کا عکس آئینے میں منعکس ہوتا ہے اور کبھی آئینہ کا تعلق گھوڑے سے ہوتا ہے کہ گھوڑے کی صورت آئینہ میں نظر آتی ہے تو تغیرِ تعلقات میں ہوا نہ کہ خود آئینہ میں، ایسے ہی تغیرِ تعلقات میں ہوتا ہے نہ کہ صفتِ علم میں۔ فافہم

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی قدس سرہ العزیز حق تعالیٰ کی صفتِ علم کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

صفت العلم مر او راسبحانہ صفتہ است قدیم وانکشافہ
 است بسیط کہ معلومات ازل وابد باحوال متناسبہ ومتضادہ
 کلیہ وجزئیہ باوقات مخصوصہ ہر کدام در آن واحد دانستہ
 است کہ زید در فلاں وقت زندہ است ودر فلاں وقت مردہ یعنی
 صفت علم اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ایک قدیم صفت اور بسیط انکشاف و آگاہی ہے کہ جس سے
 ازلی وابدی معلومات کو ان کے باہم موافق احوال اور ایک دوسرے سے کلی وجزئی
 متضاد کیفیات کو ان کے اوقات مخصوصہ کے ساتھ آن واحد میں جان لیا کہ زید فلاں
 وقت میں زندہ اور فلاں وقت میں مردہ ہے۔ (مالابدمنہ کتاب الایمان)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز صفتِ علم پر وارد ہونے والے اشکال کے

متعلق رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات و افعال اس کی ذات کی مانند بے چون و بے چگون ہیں جو ممکنات کی صفات و افعال کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ سبحانہ کی ایک قدیم صفت اور بسیط حقیقی ہے جس میں تعدد و تکثر کو ہرگز دخل نہیں ہے اگرچہ وہ تکثر تعدد و تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل و ابد کی معلومات اسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ جمیع اشیاء کو ان کے احوال متناسبہ و متضادہ کے ساتھ کلی و جزوی طور پر ہر ایک کے اوقات مخصوصہ کے ساتھ آن واحد میں بسیط جانتا ہے۔ اسی آن واحد میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی، جنین بھی جانتا ہے اور طفل و جوان و پیر بھی، زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی، قائم بھی جانتا ہے اور قاعد بھی، مستند بھی جانتا ہے اور لیٹا ہوا بھی، خنداں بھی جانتا ہے اور گریاں بھی، متلذذ بھی جانتا ہے اور متالم بھی، عزیز بھی جانتا ہے اور ذلیل بھی، برزخ میں بھی جانتا ہے اور عرصہء قیامت میں بھی، جنت میں بھی جانتا ہے اور تلذذات میں بھی۔ پس تعدد و تعلقات بھی اس مقام میں مفقود ہیں کیونکہ تعدد و تعلقات، تعدد اوقات و آانات اور تکثر زمانات کو چاہتا ہے اور وہاں ازل سے ابد تک ایک ہی آن واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ ہی تقدم و تاخر جاری ہو سکتے ہیں لہذا حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ ایک ہی تعلق ہوگا جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکفایت ہے اور صفت العلم کی مانند بے چون و بے چگون ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز و ممکن بلکہ واقع ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک ”کلمہ“ کو اس کے اقسام

مبائنہ، احوال متغائرہ اور اعتبارات متضادہ سے جانتا ہے اسی وقت میں کلمہ کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل اور حرف بھی، ثلاثی بھی جانتا ہے اور رباعی بھی، معرب بھی جانتا ہے اور مبنی بھی، متمکن بھی جانتا ہے اور غیر متمکن بھی، منصرف بھی جانتا ہے اور غیر منصرف بھی، معرفہ بھی جانتا ہے اور نکرہ بھی، ماضی بھی جانتا ہے اور مستقبل بھی، امر بھی جانتا ہے اور نہی بھی بلکہ جائز ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام و اعتبارات کو کلمہ کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں بتفصیل دیکھتا ہوں۔ جب علم ممکن بلکہ دید ممکن میں جمع اضداد متصور ہے تو علم واجب تعالیٰ ولله المثل الاعلیٰ میں کیسے بعید ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اگرچہ یہاں جمع ضدین (تضاد) کی صورت ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت مفقود ہے کیونکہ اگر حق تعالیٰ زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اسکے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سن ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے قبل عدم سابق کا وقت اس سے پہلے سال معین ہے اور اس کے وجود سے بعد عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے لہذا اور حقیقت ان دونوں کے درمیان تغیر زمانہ سے کوئی تضاد نہیں ہے و علیٰ ہذا القیاس سائر الاحوال فافہم

اس تحقیق سے واضح ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات متغیرہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پاتا اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا کما زعمت الفلاسفہ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہوتا ہے کہ جب ایک کو دیگر کے بعد جانا ہو جب تمام کو آن واحد میں جان لے تو تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں رہتی پس اس امر کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے تعلقات متعددہ کا اثبات کیا جائے تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہونہ کہ صفت علم کی طرف کما فعلہ بعض المتکلمین لدفع الشبہة الفلاسفہ ہاں اگر ہم تعدد

تعلقات کا اثبات معلومات کی جانب کریں تو گنجائش رکھتا ہے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

حق تعالیٰ سبحانہ ہر معیاں و پنہاں، جزئیات و کلیات، موجودات و معدومات، ممکنات و مستحیلات کو جانتا ہے یہاں تک کہ علویات و سفلیات میں ذرہ بھر چیز بھی علم باری تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آیات کریمہ عالم الغیب والشہادۃ و هو بکل شیء علیم اور ولا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء سے واضح ہے۔ بقول شاعر

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست
بر احوال نہ بودہ علمش بصیر
باسرار ناگفتہ لطفش خبیر

صفت علم کو ذات عالم کے ساتھ ایسا اتحاد و ضمحلالات ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے یہاں سے احمد کا قرب احد کے ساتھ دریافت کرنا چاہئے نیز علم کے لئے ایک ایسا ذاتی حسن ہے جو دیگر صفات کے لئے ثابت نہیں ہے صفات باری تعالیٰ میں سے محبوب ترین صفت حق تعالیٰ کے نزدیک صفت العلم ہے چونکہ اس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے اس لئے حس اس کے ادراک سے قاصر۔ اس حسن کا ادراک تام عالم آخرت کے ساتھ وابستہ ہے جو مقام رؤیت ہے (جب رؤیت خدا تعالیٰ سے مشرف ہونگے جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں گے۔) (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

بقول شاعر

محمد مصطفیٰ محشر میں طہ بن کے نکلیں گے
اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی سمجھا
 منزل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے
 یہ امر ذہن نشین رہے کہ سالکین کو مبداء فیاض (حق تعالیٰ) سے دو قسم کا فیض پہنچتا ہے
 ۱..... فیضِ تخلیقی
 ۲..... فیضِ کمالاتی

فیضِ تخلیقی

یہ فیض انسان کی ایجاد و تخلیق کا باعث ہوتا ہے جو اسے صفات کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔

فیضِ کمالاتی

یہ فیض انسان کے ایمان و معرفت اور کمالات نبوت و ولایت کا سبب ہوتا ہے جو بعض حضرات کو صفات کی وساطت سے ملتا ہے اور بعض نفوس قدسیہ کو شیونات کی بدولت میسر ہوتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء فیضِ تخلیقی صفات (اضافیہ) ہیں اور مبداء فیضِ کمالاتی شیونات (شان العلم) ہیں جیسا کہ آیات کریمہ الرحمن ۵ علم القرآن و علمک ما لم تکن تعلم ۵ اور رب زدنی علماً سے عیاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبداء فیضِ کمالاتی میں ساری مخلوق سے ممتاز و منفرد ہیں اور اس مرتبے میں آپ کا کوئی بھی شریک نہیں۔ حضرت شیخ بوسیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا

منزه عن شريك في محاسنه

فجوهر الحسن فيه غير منقسم

انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور اولیائے کاملین

علم شریعت باشد یا طریقت و کسے کہ داخل آن
 علم شریعت ہو یا علم طریقت اور گے جو کوئی اس دروازہ سے داخل
 دروازہ شدہ است اقل قلیل است از پس کو چہا
 ہوا ہے وہ اقل قلیل ہے کوچوں کے پیچھے سے
 نظر ہا بدرون انداختہ اند و آن جماعہ ہم اقلان اند اگر
 اپنی نگاہیں اندر ڈالتے ہیں اس جماعت کے لوگ بھی بہت ہی قلیل ہیں اگر

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو آپ کے اس مرتبہ شان العلم کے ظلال سے فیض ملتا ہے۔

(ماخوذ از البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ شان العلم اگر چہ شان
 الحیوۃ کے تابع ہے لیکن علم کو مرتبہء حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں صفات و شیون کے
 سقوط اعتبار کے بعد ایسی شان و گنجائش ہے جو حیوۃ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ یہ ایسا بلند
 مرتبہ ہے جو جمیع نسبتوں سے مجرد ہے اور اطلاق نور کے علاوہ اپنے اوپر کچھ بھی تجویز
 نہیں فرماتا میرے خیال میں علم ہی کی وہاں گنجائش ہے مگر یہ علم وہ نہیں جس کو حصولی یا
 حضوری کہتے ہیں کیونکہ یہ علم اپنی دونوں قسموں (حصولی و حضوری) کے ساتھ حیاۃ کے
 تابع ہے بلکہ وہ علم حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی مانند بے چون و بے کیف ہے اور سراسر
 شعور بے چون ہے جس میں عالم و معلوم کا اعتبار نہیں۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۶)

۲ صفت حیات کے دروازہ تک رسائی حاصل کرنے والے سالکین و عارفین کی
 دو قسمیں ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو حریم حیات کے اندر باہر ہی گلی کوچوں سے اندر جھانک
 لیتے ہیں یعنی انہیں سیر نظری حاصل ہوتی ہے اس قسم کے سالکین بھی اقل ہیں جبکہ کچھ

رمزے از اسرار ایس مقام گویم قطع البلعوم ومن
میں اس مقام کے اسرار میں سے ایک راز بیان کر دوں تو گلا کاٹ دیا جائے۔

بعد ہذا ما یدق صفاتہ وما کتمہ احظرے لدیہ واجمل

ان (اسرار) کے بعد اسکی صفات دقیق ہیں اور ان (رموز خاصہ) کا چھپانا نسب اور اجمل ہے

والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ

سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور متابعت مصطفیٰ (آپ صلی اللہ

وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام

علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو) کا التزام کرے۔

عارفین حریم حیات میں اندر داخل ہو جاتے ہیں یعنی انہیں سیر قدمی میسر ہوتی ہے اس
قسم کے عارفین اقل قلیل ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

مِنهَا - ۶۰

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ از مثل منزہ است لیس
 حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مثل سے منزہ ہے کوئی چیز
 کمثلہ شئی اما مثال جائز داشته اند و مثل تجویز نموده
 اس کی مثل نہیں ہے لیکن مثال کو جائز قرار دیتے ہیں اور مثل تجویر کی ہے
 ولله المثل الاعلیٰ ارباب سلوک واصحاب کشف و راتسلی
 اور اللہ کے لئے بلند ترین مثل ہے۔ ارباب سلوک اور اصحاب کشف کو مثال
 بمثال می دہند و آرام بخیاں می بخشند بے چون را بمثال
 سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے تزییہات باری تعالیٰ کا
 تذکرہ فرمایا ہے در اصل صفات باری تعالیٰ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں
 ۱..... صفات ثبوتیہ انہیں صفات ایجابیہ کمالیہ بھی کہا جاتا ہے۔
 ۲..... صفات سلبیہ انہیں صفات جبروتیہ جلالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

صفات سلبیہ حق تعالیٰ سے مسلوب ہیں جیسے کہ آیات کریمہ لیس کمثلہ
 شئی و هو السميع البصیر (شوریٰ ۱۱) ولله المثل الاعلیٰ و هو العزیز
 الحکیم (انمل ۴۰) هو الاول والاخر والظاهر والباطن و هو بکل شئی

چوں و اسی نمایند و جوب را بصورت امکان جلوہ گر
چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں و جوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر
میسازند بیچارہ سالک مثال را عین ذی مثال می انگارد
کرتے ہیں۔ بے چارہ سالک مثال کو صاحب مثال کا عین خیال کرتا ہے
و صورت را عین ذی صورت ازیں جاست کہ صورت
اور صورت کو صاحب صورت کا عین یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ
احاطہ حق سبحانہ و تعالیٰ را در اشیای بیند و مثال آن
و تعالیٰ کی صورتِ احاطہ کو چیزوں میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ

علیم (حدید) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت اللہم انت الاول فلیس
قبلک شئی و انت الاخر فلیس بعدک شئی (مسلم) سے واضح ہے۔
حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ نقص کی تمام صفات اور حدوث کے جمیع نشانات سے منزہ و مبرا ہے اور
وہ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ، غنی مطلق، بے چون اور بے چگون (بے
کیف) ہے اور کسی امر میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ جس طرح وجود میں محتاج نہیں
اسی طرح ظہور میں بھی محتاج نہیں اور اس کی ذات و صفات اور افعال ممکنات کی ذات
و صفات اور افعال کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے البتہ مشارکت اسکی اور مناسبت
لفظی بحث سے خارج ہے۔ (ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

لا يشبه شيئاً من الاشياء من خلقه ولا يشبهه شئ من خلقه یعنی اللہ

احاطہ را در عالم مشاہدہ می نماید و خیال میکند کہ
 کی مثال کو عالم میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ
 مشہود حقیقت احاطہ حق است سبحانہ نہ چنیں است
 مشہود احاطہ حق سبحانہ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے
 بلکہ احاطہ او تعالیٰ بے چون و بے چگون ست و منزہ
 بلکہ اس تعالیٰ کا احاطہ بے چون و بے چگون ہے اور وہ منزہ ہے
 است ازاں کہ در مشہود در آید و مکشوف احدی گردد
 اس سے کہ شہود میں آئے اور کسی پر مکشوف ہو

تعالیٰ اپنی مخلوقات میں کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز مخلوق میں
 سے اس تعالیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ۱۵)
 دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

صفاتہ (تعالیٰ) فی الازل بلا کیف یعنی صفات باری تعالیٰ ازل سے ہی
 بے کیف ہیں۔ (فقہ اکبر)

عدم مشابہت و مماثلت کو بے چون کہا جاتا ہے بلا کیف کو بے چگون کہا جاتا ہے
 حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے مماثلت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں
 مماثلت ذاتی اور مماثلت صفاتی

چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

لیس کمثلہ شئی و هو السميع البصیر (اس کی مثل کی مانند بھی کوئی چیز
 نہیں ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے) حق تعالیٰ سبحانہ نے بلوغ ترین انداز سے اپنی

وایمان آریم کہ اوسبحانہ محیط است بہر شے اما
 اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سبحانہ ہر شئی کو محیط ہے لیکن
 احاطہ اور اندانیم کہ چیست و آنچه دانیم شبہ و مثال
 اس کے احاطہ کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں
 آن احاطہ است وہم برین قیاس است قرب او تعالیٰ و معیت او
 اس احاطہ کی شبہ و مثال ہے اور اسی پر قیاس ہے اس تعالیٰ سبحانہ کا قرب اور

ذات کی مماثلت کی نفی فرمائی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل (مثل جیسی) کی
 نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کے
 مثل کا بھی مثل نہیں ہو سکتا تو اس کا مثل بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہذا کنایۃً اصل مثل کی نفی
 ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں ابلغ ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اسے ثابت
 فرمایا ہے اور اس کے متصل ہی وهو السميع البصیر فرمایا جس سے مقصود صفاتی
 مماثلت کی بھی نفی کرنا ہے جیسا کہ پہلے حصے (لیس کمثلہ شئی) سے ذاتی
 مماثلت کی نفی کی گئی ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق سبحانہ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی
 دوسرے کو سمیع اور بصر حاصل نہیں ہے یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت
 کلام اور ارادہ وغیرہا کا ہے۔ بس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے ان کی
 حقیقت نہیں پائی جاتی۔ (معارف لدنیہ معرفت ۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات، صفات
 قدیم ہیں جبکہ ممکنات کی ذات، صفات حادث ہیں اور حادث، قدیم کے مماثل کیسے
 ہو سکتا ہے؟

سبحانہ کہ مشہود و مکشوف ازانہا شبہ و مثال است نہ
 اس کی معیت کہ ان کا مشہود و مکشوف شبہ و مثال ہے نہ
 حقیقت بلکہ حقیقت انہا مجہول الکفیت است
 کہ اس کی حقیقت اس کی حقیقت مجہول الکفیت ہے۔

مماثل کی دو قسمیں ہیں

مماثل موافق اور مماثل مخالف

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

ذات و صفات او (تعالیٰ) مخالف اند سر ذات و صفات
 مخلوقات را بہیچ وجہ مناسبت ندارند پس او سبحانہ منزہ
 باشد از مثل یعنی از مماثل موافق و از نہ یعنی از مماثل
 مخالف یعنی حق تعالیٰ کی ذات و صفات مخلوقات کی ذات و صفات کے مخالف ہیں
 کسی وجہ سے بھی مناسبت نہیں رکھتیں پس حق تعالیٰ سبحانہ مثل یعنی مماثل موافق سے بھی
 منزہ ہے اور نہ یعنی مماثل مخالف سے بھی مبرا ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۱۶)

شیخ الاسلام علامہ دوسی قدس سرہ العزیز نے اہلسنت و جماعت کا موقف یوں

بیان فرمایا ہے:

وَمَا التَّشْبِيهُ لِلرَّحْمَنِ وَجْهًا

فَصُنْ عَنْ ذَاكَ أَصْنَافَ الْأَهَالِ

یعنی خدائے رحمن سبحانہ کو کسی چیز سے تشبیہ دینا کوئی وجہ نہیں رکھتا بس ان عقائد

کے متعلق علمائے اہلسنت کے گروہوں کا موقف ملحوظ خاطر رکھ۔ اس شعر کا مطلب یہ

ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی امر میں بھی مخلوق سے مشابہت نہیں ہے چونکہ اثبات صفات سے شائبہ تشبیہ کا وہم ہوتا ہے اس لئے علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ علمائے اہلسنت کے نزدیک صفات باری تعالیٰ ثابت ہیں مگر حق تعالیٰ سبحانہ مشابہت خلق سے منزہ ہے۔

گو حق تعالیٰ سبحانہ کی مثل نہیں ہو سکتی مگر علمائے کرام نے مثال اور مثل کو جائز کہا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَلِلّٰهِ الْمَثَلِ الْاَعْلٰی (نحل ۴۰) سے عیاں ہے۔ اصحاب کشف سالکین طریقت کو (عالم) مثال سے تسلیاں دی جاتی ہیں، وہ بے مثل کو چون کی مثال میں جلوہ گر کرتے ہیں جس کی وجہ سے سالکین طریقت احاطہ، قرب و معیت کا قول کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ہم حق تعالیٰ سبحانہ کے محیط اشیاء، قرب و معیت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس احاطہ، قرب و معیت کی حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ حقیقت کیا ہے اسے سمجھنے سے ہماری فہمیں قاصر و عاجز ہیں اس کو احاطہ اور قرب علمی کہنا بھی تاویلات کے تشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

(ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ وغیرہا)

ایمان آریم کہ او تعالیٰ قریب است وباماست اما ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے ندانیم کہ حقیقت قرب ومعیت او تعالیٰ چیست و لیکن نہیں جانتے کہ اس تعالیٰ کے قرب اور معیت کی حقیقت کیا ہے تو اند بود کہ آنچه در حدیث نبوی آمدہ علیہ و علی الہ ہو سکتا ہے کہ جو حدیث نبوی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل الصلوات والتسلیمات یتجلی ربنا ضاحکا باعتبار صورت پرورد و سلامتیاں ہوں) میں آیا ہے ہمارا رب ہنٹے ہوئے تجلی فرمائے گا صورت مثالی باشد چہ حصول کمال رضا در مثال بصورت مثالی کے اعتبار سے ہو کیونکہ کمال رضا کا حصول مثال میں بصورت ضحك نمودہ باشند و اطلاق ید و وجہ و قدم و اصبع نیز خندہ دکھاتے ہوں اور ہاتھ ، چہرہ ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی ہو تو اند بود کہ باعتبار صورت مثالی باشد ہکذا علمنی سکتا ہے کہ صورت مثالی کے اعتبار سے ہو میرے رب نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے اور

۲ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے معیت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

معیت عامہ اور معیت خاصہ

معیت عامہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ معیت حاصل ہے جیسا کہ

آیہ کریمہ و ہو معکم (الحدید) سے واضح ہے جبکہ معیت خاصہ میں محبین بتقاضائے

ربی واللہ یختص برحمته من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم و
 اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مخصوص فرماتا ہے اور اللہ فضل عظیم والا ہے اور
 صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وسلم وبارک
 اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپکی آل پر درود و سلام اور برکتیں نازل فرمائے

محبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات
 المرء مع من احب (مشکوٰۃ) سے عیاں ہے مگر دونوں معیتوں میں بڑا فرق ہے۔
 معیت خاصہ میں دونوں طرف (حق تعالیٰ وخلق) کی معیت ثابت ہے جبکہ معیت عامہ
 میں معیت صرف اسی تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے ہے اس لئے عین وجدان میں بھی محرومی
 لازم ہے یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ (زمر ۶) ہائے افسوس! میری
 غفلت پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیوں کوتاہی کی۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۲۶)

مِنهَا - ۶۱

اگر در عبارت آن عالی حضرت کہ در بیان احوال و
اگر ان عالی حضرت کی عبارت میں جو احوال و
مواجید و علوم و معارف ست تناقضے و تدافعے مفہوم
مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں ہے! کوئی تناقض اور تدافع معلوم
گردد و حمل براختلاف اوقات و تنوع اوضاع باید
ہو اسے اوقات کے اختلاف اور کیفیات کے جدا ہونے پر محمول کرنا

۱۔ زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ دورانِ
سلوک سا لکین پر علوم و معارف کے تناقض اور تدافع کے اختلاف کو حالات و کیفیات کے
اختلاف پر محمول کرنا چاہئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں احوال و وجدانات کے متعلق
قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق
◎ احوال، حال کی جمع ہے قدوة الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس
سرہ العزیز حال کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حال وہ کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے قلب پر وارد ہوتی ہے اسے نہ اپنی
کوشش سے روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے بہ تکلف وارد کیا جاسکتا ہے۔ جدا الانبیاء
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام صاحب حال تھے نہ فراق پر نظر تھی کہ جرحناک
ہوتے نہ وصال پر کہ جرحناک ہوتے۔ ستارگان، ماہتاب اور آفتاب سب مددگار حال

تھے مگر آپ رویت میں سب سے فارغ البال تھے۔ ہر چیز میں مشاہدہ حق ملاحظہ فرما رہے تھے اور یوں گویا تھے لا احب الا فلین

حال کے متعلق صوفیائے کرام کی آراء

مشائخ طریقت کے حال کے متعلق مختلف اقوال ہیں

..... حضرت شیخ حارث محاسبی قدس سرہ العزیز اور ان کے قبعین دوام حال کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت، شوق، قبض اور بسط یہ سب احوال ہیں۔

..... سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ العزیز اور ان کے ہم نوا دوام حال کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں الاحوال کالبروق فان بقیت فحدیث النفسی عنی احوال بجليوں کی مانند ہوتے ہیں جنہیں دوام نہیں ہوتا ان کے دوام کا تصور حدیث نفس ہے۔

..... بعض اہل طریقت فرماتے ہیں الحال سکوت اللسان فی فنون البیان یعنی صاحب حال کی زبان بیان حال سے ساکت ہوتی ہے البتہ اس کا معاملہ اس کی حقیقت حال سے عیاں ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ السؤال عن الحال محال یعنی حال کا بیان کرنا محال ہے کیونکہ حال فنائے مقال ہے۔

(مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو الہینات شرح مکتوبات جلد سوم مکتوب ۸۴)

وجدانات

یہ وجدان کی جمع ہے، وجدان کی تعریف کرتے ہوئے فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی علانی قدس سرہ العزیز رقمطراز ہیں

الوجدان ما یکون مدرکة بالحواس الباطنة یعنی وجدان وہ چیز ہے جس کا ادراک حواس باطنیہ کے ذریعے ہوتا ہے جیسے کسی شخص کے چہرے کی ہشاشت و ہشاشت کو دیکھ کر علم ہوتا ہے کہ وہ شخص خوش و خرم ہے۔

نمود، چہ درہر وقتے احوال و مواجید علیحدہ است،
 چاہئے ۱ کیونکہ ہر وقت کے احوال و وجدانات علیحدہ ہوتے ہیں
 و درہر وضعے علوم و معارف جداست، پس فی
 اور ہر کیفیت (حالت) کے علوم و معارف جدا ہوتے ہیں پس
 الحقیقت تناقض و تدافع نباشد مثل این مثل
 در حقیقت تناقض و تدافع نہیں ہوتا اس کی مثال
 احکام شرعیہ است کہ بعد از نسخ و تبدیل احکام
 احکام شرعیہ کی مانند ہے کہ منسوخ ۱ اور تبدیل ہونے کے بعد تناقض

۱ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز علوم و معارف کے اختلاف کو احوال و
 مواجید کے اختلاف کی بنا پر احکام شرعیہ کے نسخ کی مانند قرار دے رہے ہیں جو بظاہر
 متضاد و مختلف معلوم ہوتا ہے حقیقت میں تضاد نہیں ہوتا بلکہ بغور ملاحظہ کرنے سے اوقات
 و حالات کے مختلف ہونے کی بنا پر رفع ہو جاتا ہے جس میں شارع کی حکمتیں و مصلحتیں کا
 رفرما ہوتی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نسخ کی تفصیلات بیان کر دی جائیں
 تاکہ فہم منہا میں مزید سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم اپنی حکمت بالغہ اور مصلحت کاملہ
 کے ساتھ جس وقت اپنے بندوں کو جن احکام و افعال کے اکتساب کا حکم دیتا ہے وہ
 نہایت خوب و احسن اور برا اعتبار سے سود مند اور فائدہ بخش ہوتے ہیں اور اس وقت
 انہی کی ضرورت اور انہی میں خیر و برکت ہوتی ہے اور جن افعال کے ارتکاب سے منع
 فرماتا ہے وہ نہایت قبیح اور نقصان دہ ہوتے ہیں اور ان سے اجتناب و احتراز میں ہی

متناقضہ سی نمایند وچوں اختلاف اوقات و اوضاع
احکام نظر آتے ہیں اور جب اوقات اور اوضاع کے اختلاف
را ملاحظہ نمودہ آید آن تناقض و تدافع مرتفع سی گردد
کو ملحوظ رکھا جائے وہ تناقض اور تدافع اٹھ جاتا ہے

عافیت و سلامتی ہوتی ہے، مگر انسان ضعیف البنیان کی ضروریات و حالات و حادثات
کے پیش نظریا تو اس حکم کو سرے سے ہی اٹھا دیا یا اس میں مناسب تبدیلی کر دی جو رب
تعالیٰ کی ربوبیت و حکمت کے عین مطابق تھی۔ جس سے نہ تو اللہ رب العالمین کا لا علم
ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے حکم شرعی کا ناقص ہونا لازم آتا ہے۔ امام ^{المعظمین}
حضرت علامہ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ
جس طرح ایک ماہر اور حاذق طبیب کسی مریض کی تشخیص کر کے آج نسخہ تجویز کرے تو
دوسرے روز مریض کے مزاج کے پیش نظریا تو اس نسخہ کو بالکل بند کر دے گا اور اس کی
جگہ کوئی دوسرا نسخہ تجویز کر دے گا یا اسی نسخہ میں بقدر ضرورت و صحت مناسب تغیر و تبدل
کر دے گا۔ جس طرح تبدیلی نسخہ سے طبیب کی حداقت اور اس کے علم طبابت میں کوئی
نقص و تفاوت پیدا نہیں ہوتا بلکہ نسخہ کا رد و بدل مریض کی موجودہ حالت پر منحصر ہوتا ہے
اسی طرح کسی حکم شرعی میں رد و بدل سے رب تعالیٰ کے علم کی طرف کوئی نقص عاید نہیں
ہوتا بلکہ وہ مناسبت و وقت کی بنا پر بندوں کے حسب حال ہوتا ہے۔

نظام کائنات میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں جیسے جب بچہ ایام طفولیت سے
لیکر منتہائے شباب تک اپنی حیات کے مختلف مراحل و مدارج طے کرتا ہے تو اسے ہر
مرحلہ پر احکام نسخ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی خوراک، لباس اور غذا وغیرہا کے
احکام، رضاعت، طفولیت اور جوانی انتہائے شباب تک بدلتے رہتے ہیں۔ جب وہ

وَلِلَّهِ سُبْحَانَهُ حُكْمٌ وَمَصَالِحٌ فِي ذَلِكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ

اور اللہ سبحانہ کی اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں لہذا تم شک کر نیوالوں میں سے نہ ہو جانا

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَي سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ

اللَّهُ تَعَالَى هَمَارَ آقَا حَضْرَتِ مُحَمَّدٍ وَأَوْرَ آقَا پکی آل پر رحمتیں، سلامتیاں اور برکتیں نازل فرمائے

جوانی کی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی طبعی خوراک، لباس اور غذا کا معیار متعین ہو جاتا ہے شریعت مطہرہ کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی جو رسالت و نبوت کے مختلف ادوار میں نسخ کے مراحل طے کرتی ہوئی شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے دور میں اپنے منتہائے شباب کو پہنچ گئی۔ من حیث الشرع اس کا معیار متعین ہو جانے سے اس میں نسخ کا احتمال منقطع ہو گیا، پوری شریعت مطہرہ اور جمیع احکام عملیہ محکم قرار پا گئے۔ تمام انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات مقرر ہو گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ البیوم اکملت لکم دینکم سے عیاں ہے۔ رہا یہ امر کہ ”الاحکام تتغیر بتغییر الازمان“ (یعنی احکام تغیر زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں) سے شریعت مطہرہ میں نسخ ہرگز مراد نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں ایسے اصول و قواعد موجود ہیں کہ جن کے مطابق اہل بصیرت مجتہدین، احکام کا استنباط و استخراج کر سکتے ہیں ہر مدعی علم و بصیرت کا یہ منصب نہیں۔ یہ منصب فقط ان اصحاب فہم و فراست کیلئے مخصوص ہے جو من حیث المجموع اہل حق امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰات کے نزدیک معتمد ہوں ورنہ نہیں۔ (التبیان وغیرہ)

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کے کلام قرآن مجید میں نسخ تو ضرور پایا گیا مگر یہ ہر قسم کے تعارض و تناقض اور اختلاف سے پاک ہے اور یہی صداقت قرآن کی بین دلیل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

کثیراً سے عیاں ہے۔

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے متعلق رقمطراز ہیں:

النسخ لغة التبديل و شرعا بيان لانتهاء الحكم المطلق یعنی نسخ کا لغوی معنی تبدیل کرنا اور شرعی معنی حکم مطلق کی انتہاء بیان کرنا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱/۳۶۲)

صاحب نور الانوار یوں رقمطراز ہیں

شرع میں نسخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی حکم شرعی کی آخری مدت بیان کی جائے خواہ وہ حکم قرآن میں مذکور ہو یا حدیث میں اور اس کی جگہ نیا حکم لایا جائے۔ (نور الانوار ۲۱۲)

نسخ کی اقسام اربعہ

ناسخ کے اعتبار سے نسخ کی چار اقسام ہیں

- ۱۔ نسخ الكتاب بالكتاب
- ۲۔ نسخ السنة بالسنة
- ۳۔ نسخ السنة بالكتاب
- ۴۔ نسخ الكتاب بالسنة

نسخ الكتاب بالكتاب

قرآن کا نسخ قرآن سے، اسکی مثال یہ ہے کہ ابتدائی دور میں کفار سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا جیسے فاعفوا و اصفحوا حتی یأتی اللہ بامرہ (البقرہ ۱۰۹) اور بعد میں کفار کے خلاف جہاد کی اجازت مل گئی جیسے قاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلوکم کافة (توبہ ۳۶)

واضح رہے کہ نسخ انہی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات میں ہوتا ہے جن سے احکام شرعیہ ثابت تھے، واقعات یا قصص و حکایات میں نسخ نہیں ہوتا اور احکام میں نسخ واقع ہونا خدا تعالیٰ جل شانہ کی حکمت محضہ ہے جس سے اس کے علم میں تفاوت یا نقص عامد نہیں ہوتا تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً

نسخ السنۃ بالنسۃ

حدیث کا حدیث سے نسخ اسکی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنت نہیتکم عن زیارة القبور الا فرور وھا یعنی پہلے میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا لیکن اب تمہیں اجازت ہے بیشک زیارت قبور کے لئے جایا کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حکم جو زیارت قبور سے ممانعت کے متعلق تھا اب اس دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا۔

نسخ السنۃ بالکتاب

حدیث کا نسخ قرآن سے، اسکی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے (صحیح مسلم باب تحویل القبۃ)۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جو پہلے ثابت تھا اس آیت سے منسوخ ہو گیا فول و جھک شطر المسجد الحرام یعنی اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم! اب نماز میں منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ (البقرہ ۱۴۴)

نسخ الکتاب بالنسۃ

قرآن کے حدیث سے نسخ کی یہ قسم نہایت نازک اور اہم ہے۔ جس سے یہ مراد

ہرگز نہیں کہ حدیث مبارکہ کے ذریعے قرآن مجید کے متن یا اس کے حکم عام کو کلیۃً منسوخ کر دیا جائے جیسا کہ آیہ کریمہ قل ما یكون لى ان ابدله من تلقاء نفسى (یونس ۱۵) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کلامی لا ینسخ کلام اللہ (مشکوٰۃ ۳۲) سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام قاضی ابوزید حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ لم یوجد فی کتاب اللہ مانسخ بالسنة (کتاب التحقیق باب النسخ) بلکہ اس نسخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم عام کے بعض افراد کو زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰت خاص کر دے۔ یہ تخصیص و تنسیخ خبر واحد سے نہیں بلکہ خبر مشہور اور خبر متواتر سے ہی ہوگی جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات الا انى اوتیت القرآن و مثله معه (مشکوٰۃ ۲۹) سے مفہوم ہوتا ہے جسے قرآن مجید میں ”الحکمتہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو سنت بھی کہا جاتا ہے اور قطعی الثبوت سنت کتاب اللہ کے حکم میں ہی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محرم و محلل بنایا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ و یحل لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبائث سے عیاں ہے۔ (الاعراف ۱۵۷) کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر قسم کی ہوایت و غوایت سے پاک ہیں جیسا کہ آیات کریمہ و ما ینطق عن الہویٰ اور ماضل صاحبکم و ما غویٰ سے واضح ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

اَبی پاک از ہوی گفتار او

شرح رمز ماغوی گفتار او

یہ امر ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید کے حکم عام کی تخصیص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات سے براہ راست سماعت فرمائی اس لئے یہ تخصیص ان کے لئے قرآن مجید کی طرح ہی یقینی اور قطعی تھی

کیونکہ قرآن مجید اور یہ تخصیص دونوں وحی ہیں قرآن مجید وحی متلو ہے اور یہ تخصیص (حدیث) وحی غیر متلو ہے اور یہ دونوں زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰات سے صادر ہوئی ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱..... قرآن مجید نے یہ حکم عام دیا کہ مسلمان مرد اپنی پسند کی چار شادیاں کر سکتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع سے عیاں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ علی، حیات فاطمہ رضی اللہ عنہما میں ابو جہل کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات واللہ لا یجتمع بنت رسول اللہ و بنت عدو اللہ مکانا واحداً انداً (ابوداؤد/۲۹۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ) سے عیاں ہے۔

۲..... قرآن مجید نے یہ حکم عام فرمایا کہ نزاعی معاملہ میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر فرمایا جیسا کہ آیہ کریمہ واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لم یكونا رجلین فرجل وامرأتان سے واضح ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم عام سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا کہ خزیمہ کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ بحث و انکار و تکرار کے بعد اس نے کہا ہلم شہیداً گواہ لاؤ حضرت خزیمہ نے کہا انا اشہد انک قد بايعته فاقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خزیمہ فقال بم تشهد فقال بتصد یقک یا رسول اللہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہادۃ خزیمہ بشہادۃ رجلین یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے یہ خریدا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم کس

طرح گواہی دیتے ہو؟ عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ کو سچا جانتے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر کر دیا۔

(ابوداؤد ۱۵۲/۲)

۳..... قرآن مجید کے عمومی حکم الوصیۃ للوالدین و الاقربین بالمعروف میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حقوق کی تعیین جب آیات میراث (النساء ۱۱، ۱۲) سے ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وصیت کے حکم کی تفسیح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیۃ لوارث یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے لہذا وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔

(ابوداؤد ۲۸/۲)

۴..... قرآن مجید کا عمومی حکم ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے جیسا کہ آیہ کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً (النساء ۱۰۳) سے عیاں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں نماز عصر کو نماز ظہر کے وقت میں اور مقام مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں ادا کرنے کی تخصیص فرمادی جیسا کہ احادیث مبارکہ فجمع بین الظهر والعصر اور ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی المغرب والعشاء بالمزدلفۃ جمیعاً (ابوداؤد ۲۸۰/۱) سے واضح ہے۔

۵..... قرآن مجید کا عمومی حکم ہے کہ اگر وارث کی ایک بیٹی ہو تو اسے میت کے ترکہ کا نصف ملے گا جیسا کہ آیہ کریمہ فان کانت واحده فلها النصف (النساء ۱۱) سے عیاں ہے لیکن خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس عموم کی تخصیص کرتے ہوئے سیدہ عالمین حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے نصف حصہ عطا نہیں فرمایا کیونکہ ان کے پیش نظر ارشادات

نبویہ علی صاحبہا الصلوٰت تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ امت پر صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ ۵۵۰)

دوسرے مقام پر ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات ہے:

ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے دینار اور درہم (سونا چاندی) ترکہ میں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی وراثت علم ہے۔ (مشکوٰۃ ۳۳)

۶..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد امجاد کو اپنی اولاد قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری نسل میری لخت جگر (بٹی) سے چلے گی جبکہ دوسروں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ و علی المولود لہ (البقرہ ۲۳۳) سے واضح ہے۔

ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت ہے:

کل بنی ام یتمون الی عصبۃ الی ولد فاطمۃ فانا ولیہم و عصبۃہم یعنی ماں کے بیٹے اپنے وارث کی طرف منسوب ہوتے ہیں سوائے سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے کہ میں ان کا ولی اور وارث ہوں۔ (مجمع الزوائد ۱۷۶/۹)

ایک مقام پر یوں ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰت ہے:

ان اللہ تعالیٰ جعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب یعنی اللہ تعالیٰ نے میری ذریت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پشت میں رکھ دی ہے۔

(مجمع الزوائد ۱۷۵/۹)

۷..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم قرآن کے اختصاص و استثناء کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا ہلکتُ میں ہلاک ہو گیا فرمایا وما شانك کیا بات ہے؟ عرض کی وقعتُ علی امراتی فی رمضان میں حالت روزہ میں اپنی بیوی سے صحبت کر بیٹھا، فرمایا فہل تجد ما تعتق رقبة کیا ایک گردن (غلام) آزاد کر سکتے ہو؟ عرض کی لا نہیں فرمایا فہل تستطيع ان تصوم شہرین متتابعین کیا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کی نہیں فرمایا فہل تستطيع ان تطعم ستین مسکینا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کی نہیں فرمایا اجلس بیٹھ جاؤ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عرق (پیمانہ) کھجوریں پیش کی گئیں فرمایا تصدق به انہیں خیرات کر دو۔ عرض گزار ہوا یا رسول اللہ دونوں سنگستانوں کے درمیان ہمارے گھر والوں سے تو کوئی بھی غریب نہیں (فی روایۃ یارسول اللہ ما احد احوج منی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے حتی کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے ارشاد فرمایا فاطعمہ ایا ہم انہیں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد ۱/۳۴۵)

قال العبد الضعيف الجامع لهذه النكات البديعة الرائعة
 کہتا ہے بندہ ضعیف جامع ان عجیب و غریب بلند نکات کا
 محمد الصديق البدخشي الكشمي الملقب بالهداية قد وقع الفراغ عن
 محمد صديق بدخشی کشمی ملقب بہ ہدایت کہ تحقیق اسے فراغت ہوئی ان
 تسويد هذه المعارف العالية الشريفة المسمى بالمبدأ والمعاد في
 معارف عالیہ شریفہ کی تسوید سے جس کا نام مبداء و معاد ہے
 او آخر شهر رمضان المبارك حين الاعتكاف سنة الف وتسعة عشر
 ماہ رمضان المبارک کے آخر میں دوران اعتکاف ۱۰۱۹ھ میں۔

این نسخہ کہ مبداء و معاد ست بنام

یہ نسخہ کہ جس کا نام مبداء و معاد ہے

ز انفاس نفیس حضرت فخر کرام

حضرت فخر کرام (امام ربانی) کے نفیس فرمودات میں سے ہے

چوں کرد ہدایت اقتباس از سر صدق

جب ہدایت نے اسے اخلاص سے اقتباس کیا

در سال ہزار و نوزده گشت تمام

ایک ہزار انیس میں مکمل ہو گیا

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی

کالمی، فکری، تحقیقی اور روحانی تصانیف

مجموعۂ تقاریر

جلد اول 288 صفحات 130 نصاب

جلد دوم 224 صفحات 120 نصاب

ابوالبیان

علماء، واعظین،
خطباء اور طلباء
کیلئے گرانقدر تحفہ



مقامی علماء کیلئے بہترین ادبی شہ پارہ

504 صفحات 200 نصاب

مقالات

ابوالبیان

قرآنیات، تذکار رسالت، تصوف
افکار مجدد الف ثانی و دیگر موضوعات پر مشتمل



121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ پاکستان

فون: 055-3841160 فیکس: 055-3731933

نظم اسلام پبلیکیشنز

TanzeemulIslam Graphics 0333 4322012 055 3841160

